

[www.KitaboSunnat.com](http://www.KitaboSunnat.com)

# فتاویٰ امن پوری

Part 171-190

مصنف

شیخ غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

حفظہ اللہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ  
وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی رومہ

محدث لائبریری

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

## معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

### تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے  
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی  
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے  
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 library@mohaddis.com

## فتاویٰ امن پوری (قسط ۱۷۰)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

**(سوال):** اہل سنت سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتے ہیں؟

**(جواب):** اہل سنت والجماعت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے اقراری ہیں، آپ رضی اللہ عنہ

کو چوتھا خلیفہ برحق مانتے ہیں۔

✽ حافظ ابن عبدالبر رضی اللہ عنہ (۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

لَيْسَ فِي شَيْءٍ مِنْهَا مَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ اسْتَخْلَفَهُ بَعْدَهُ وَلَا يُنْكَرُ  
فَضْلَ عَلِيٍّ مُؤْمِنٌ وَلَا يَجْهَلُ سَابِقَتَهُ وَمَوْضِعَهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمِنْ دِينِ اللَّهِ عَالِمٌ وَقَدْ ثَبَتَ عَنْهُ رَضِي  
اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ فَضَّلَ أَبَا بَكْرٍ عَلَى نَفْسِهِ مِنْ طُرُقٍ صِحَاحٍ .

”کسی روایت میں ایسا کچھ ثابت نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد سیدنا  
علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ (بلا فصل) مقرر کیا ہو۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے فضائل کا کوئی مؤمن  
انکار نہیں کر سکتا، نہ کوئی عالم دین آپ رضی اللہ عنہ کی (بچوں میں) سبقت اسلام اور  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں مقام سے ناواقف ہے۔ صحیح سندوں سے ثابت ہے  
کہ آپ رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خود پر فضیلت دی ہے۔“

**سوال:** تقیہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

**جواب:** تقیہ شیعہ کا دین ہے، اسلام میں تقیہ حرام ہے۔

✽ علامہ طوفی صرصری رحمۃ اللہ علیہ (۷۱۶ھ) فرماتے ہیں:

حُجَّةُ أَهْلِ السُّنَّةِ عَلَىٰ إِنْكَارِهَا؛ هُوَ أَنَّ التَّقِيَّةَ نِفَاقٌ، وَالنَّفَاقُ حَرَامٌ، فَالتَّقِيَّةُ حَرَامٌ ..... وَالتَّقِيَّةُ هِيَ إِظْهَارُ الْإِنْسَانِ خِلَافَ مَا يُبْطِنُهُ خِيفَةً عَلَىٰ نَفْسِهِ وَهَذَا هُوَ حَدُّ النِّفَاقِ بِعَيْنِهِ، وَأَمَّا أَنَّ النِّفَاقَ حَرَامٌ فَلِوُرُودِ الشَّرْعِ بِذَمِّ الْمُنَافِقِينَ عَلَيْهِ، وَلَا يَذُمَّهُمْ إِلَّا عَلَىٰ حَرَامٍ، وَالْإِجْمَاعُ يُثَبِّتُ أَنَّ التَّقِيَّةَ حَرَامٌ.

”اہل سنت والجماعت کا تقیہ کو ناجائز کہنے کی دلیل یہ ہے کہ تقیہ نفاق ہے اور نفاق حرام ہے، لہذا تقیہ بھی حرام ہے۔..... تقیہ کی تعریف یہ ہے کہ جان کے خوف سے انسان کا اپنے باطن کے خلاف چیز کو ظاہر کرنا، نفاق کی بھی بالکل یہی تعریف ہے۔ نفاق حرام ہے، کیونکہ شریعت میں منافقین کی نفاق کی وجہ سے مذمت کی گئی ہے اور شریعت حرام کام پر ہی مذمت کرتی ہے۔ اسی طرح اجماع سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ تقیہ حرام ہے۔“

(التَّعْيِينُ لشرح الأربعين، ص 324)

**سوال:** کیا سیدنا علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بلا فصل ہیں؟

**جواب:** سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بالا جماع پہلے اول خلیفہ ہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ چوتھے

خلیفہ ہیں۔ آپ کے خلیفہ بلا فصل ہونے پر کوئی دلیل نہیں، ورنہ آپ خود یا اہل بیت میں سے کوئی فرد بشر ضرور کہہ دیتا کہ آپ رضی اللہ عنہ پہلے خلیفہ ہیں۔ آپ کبھی بھی خلفائے ثلاثہ کی



خلافت پر بیعت نہ کرتے، نہ ہی اہل بیت ایسا کرتے۔

✽ حافظ نووی رحمۃ اللہ علیہ (۶۷۶ھ) فرماتے ہیں:

قَالَتِ الشَّيْعَةُ وَالرَّافِضَةُ : عَلِيٌّ عَلِيٌّ وَهَذِهِ دَعَاوَى بَاطِلَةٌ  
وَجَسَارَةٌ عَلَى الْإِفْتِرَاءِ وَوَقَاحَةٌ فِي مَكَابِرَةِ الْحِسِّ وَذَلِكَ لِأَنَّ  
الصَّحَابَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَجْمَعُوا عَلَى اخْتِيَارِ أَبِي بَكْرٍ  
وَعَلَى تَنْفِيذِ عَهْدِهِ إِلَى عُمَرَ وَعَلَى تَنْفِيذِ عَهْدِ عُمَرَ بِالشُّورَى  
وَلَمْ يَخَالَفْ فِي شَيْءٍ مِنْ هَذَا أَحَدٌ وَلَمْ يَدَّعِ عَلِيٌّ وَلَا  
الْعَبَّاسُ وَلَا أَبُو بَكْرٍ وَصِيَّةً فِي وَقْتٍ مِنَ الْأَوْقَاتِ وَقَدْ اتَّفَقَ  
عَلِيٌّ وَالْعَبَّاسُ عَلَى جَمِيعِ هَذَا مِنْ غَيْرِ ضَرُورَةٍ مَانِعَةٍ مِنْ  
ذِكْرِ وَصِيَّةٍ لَوْ كَانَتْ فَمَنْ زَعَمَ أَنَّهُ كَانَ لِأَحَدٍ مِنْهُمْ وَصِيَّةً  
فَقَدْ نَسَبَ الْأُمَّةَ إِلَى اجْتِمَاعِهَا عَلَى الْخَطَا وَاسْتِمْرَارِهَا عَلَيْهِ  
وَكَيْفَ يَحِلُّ لِأَحَدٍ مِنْ أَهْلِ الْقِبْلَةِ أَنْ يَنْسِبَ الصَّحَابَةَ إِلَى  
الْمُوَاطَاةِ عَلَى الْبَاطِلِ فِي كُلِّ هَذِهِ الْأَحْوَالِ وَلَوْ كَانَ شَيْءٌ  
لِنَقْلِ فَإِنَّهُ مِنَ الْأُمُورِ الْمُهْمَمَةِ .

”شیعہ اور روافض کہتے ہیں کہ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت کی وصیت) سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لیے کی تھی۔ جبکہ یہ دعویٰ باطل ہے، جھوٹ پر جسارت اور اپنے بغض و عناد پر ڈھٹائی کی دلیل ہے۔ اس لیے کہ صحابہ کرام نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کرنے پر اجماع کر لیا تھا، اسی طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خلافت سونپنے

پر بھی اجماع کیا تھا، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خلافت باہم مشاورت سے سونپی گئی تھی۔ اس میں کسی صحابی نے اختلاف نہیں کیا۔ سیدنا علی، سیدنا عباس، بلکہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی کبھی وصی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ سیدنا علی بن ابی طالب اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہما نے ان تمام اُمور پر اتفاق کیا اور کسی وصیت کا ذکر نہیں کیا۔ جس نے یہ دعویٰ کیا کہ فلاں صحابی کو (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے خلافت کی) وصیت کی گئی تھی، تو گویا اس نے امت کی طرف یہ نسبت کر دی کہ وہ خطا پر جمع ہو گئی اور اس پر مسلسل قائم رہی، بھلا اہل قبلہ میں سے کسی کے لیے حلال ہو سکتا ہے کہ وہ صحابہ کرام کی طرف یہ نسبت کرے کہ وہ ان تمام مراحل میں جان بوجھ پر باطل پر جمع ہو گئے۔ اگر کوئی (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے خلافت کی) وصیت ہوتی، تو اس کو ضرور نقل کیا جاتا، کیونکہ یہ انتہائی اہم معاملہ تھا۔“

(شرح النووي: 206/12)

✽ علامہ ابن رسلان رحمہ اللہ (۸۴۴ھ) فرماتے ہیں:

قَدْ أَكْثَرَتِ الشَّيْعَةُ وَالرَّوَاغُضُ مِنَ الْأَحَادِيثِ الْكَاذِبَةِ وَاخْتَرَعُوا نُصُوصًا عَلَى اسْتِخْلَافِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِيًّا وَادَّعُوا أَنَّهَا تَوَاتَرَتْ عِنْدَهُمْ وَلَوْ كَانَ شَيْءٌ مِنْ ذَلِكَ مَعْرُوفًا عِنْدَ الصَّحَابَةِ، لَذَكَرُوهُ يَوْمَ السَّقِيْفَةِ وَلَذَكَرَهُ عَلِيٌّ مُحْتَجًّا لِنَفْسِهِ .

”شیعہ اور روافض نے بہت سی جھوٹی احادیث بیان کی ہیں اور نصوص گھڑی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا تھا۔ ان کا دعویٰ ہے کہ یہ

احادیث ان کے ہاں متواتر ہیں، حالانکہ اگر ایسی کوئی حدیث صحابہ کرام کے ہاں معروف ہوتی، تو وہ اسے سقیفہ والے دن ضرور ذکر کرتے، نیز سیدنا علیؑ کی خلافت پر بطور دلیل پیش کرتے۔“

(شرح أبي داود: 12/332)

نیز فرماتے ہیں:

ذَهَبَتِ الشَّيْعَةُ وَالرَّافِضَةُ إِلَى أَنَّهُ نَصَّ عَلَى عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، وَكُلُّ ذَلِكَ أَقْوَالٌ بَاطِلَةٌ قَطْعًا، إِذْ لَوْ كَانَ ذَلِكَ لَكَانَ الْمُهَاجِرُونَ وَالْأَنْصَارُ أَعْرَفَ بِذَلِكَ فَإِنَّهُمْ اخْتَلَفُوا فِي ذَلِكَ يَوْمَ السَّقِيفَةِ، وَقَالَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ مَا عِنْدَهُ فِي ذَلِكَ مِنَ النَّظَرِ، وَلَمْ يَنْقُلْ أَحَدٌ مِنْهُمْ نَصًّا عَلَى رَجُلٍ بَعِيْنِهِ وَلَوْ كَانَ عِنْدَهُمْ نَصٌّ لَأَسْتَحَالَ السُّكُوتُ عَلَيْهِ فِي مِثْلِ ذَلِكَ الْوَقْتِ الْعَظِيمِ وَالْخُطْبِ الْمُهْمِّ الْجَسِيمِ، وَالتَّوَاتُؤُ مِنْ ذَلِكَ الْجَمْعِ عَلَى الْكِتْمَانِ وَمُدَّعِيِ النَّصِّ فِي ذَلِكَ كَاذِبٌ وَالْمَسْأَلَةُ إِجْمَاعِيَّةٌ قَطْعِيَّةٌ.

”شیعہ اور روافض کا مذہب ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا علیؑ کی خلافت پر نص قائم کی تھی۔ یہ تمام اقوال سراسر باطل ہیں، کیونکہ اگر ایسا ہی ہوتا، تو مہاجرین اور انصار اسے جانتے ہوتے، کیونکہ سقیفہ والے دن خلافت کے بارے میں انہیں کا اختلاف ہوا تھا، ہر صحابی نے اپنے اجتہاد اور رائے سے

بات کی، کسی نے معین شخص کو خلیفہ منتخب کرنے کے بارے میں کوئی نص نقل نہیں کی، اگر کسی کے پاس اس بارے میں کوئی نص قطعی ہوتی، تو اس کے لیے اس عظیم وقت میں اور ان اہم خطبوں میں سکوت کرنا ناممکن تھا، نیز تمام صحابہ کا نص کو چھپانے پر اکھٹا ہو جانا محال ہے۔ لہذا خلافت کے بارے میں نص کا دعویٰ کرنے والا جھوٹا ہے۔ اس لیے مسئلہ خلافت قطعی اجماعی تھا۔“

(شرح أبي داود: 546/12)

**(سوال):** عقیدہ رجعت کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

**(جواب):** شیعہ کا عقیدہ ہے کہ سیدنا علیؑ اور ان کے دیگر ائمہ دنیا میں آئیں گے۔

یہ عقیدہ قرآن و حدیث اور اجماع اُمت کی رُو سے باطل ہے۔

✽ علامہ ابن عطیہؒ (۵۴۲ھ) فرماتے ہیں:

قَالَ بَعْضُ الشَّيْعَةِ: إِنَّ الْإِشَارَةَ بِهَذِهِ الْآيَةِ إِنَّمَا هِيَ لِعَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، وَإِنَّ اللَّهَ سَيَبْعَثُهُ فِي الدُّنْيَا، وَهَذَا هُوَ الْقَوْلُ بِالرَّجْعَةِ، وَقَوْلُهُمْ هَذَا بَاطِلٌ وَأَفْتَرَاءٌ عَلَى اللَّهِ وَبُهْتَانٌ مِنَ الْقَوْلِ.

”بعض شیعہ کہتے ہیں: اس آیت میں سیدنا علیؑ کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ

تعالیٰ انہیں دوبارہ دنیا میں بھیجے گا۔ یہ عقیدہ رجعت ہے، شیعہ کا یہ قول باطل

اور اللہ پر جھوٹ و بہتان ہے۔“

(تفسیر ابن عطیہ: 3/393، البحر المحیط لأبي حيان: 6/530)

**(سوال):** کیا باطل اور گمراہ فرقوں کی کارستانیوں کے بارے میں آگاہ کیا گیا ہے؟

**(جواب):** جی ہاں، احادیث کا عموم اس پر دلالت کناں ہے۔



❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:  
يَكُونُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ دَجَالُونَ كَذَابُونَ، يَأْتُونَكُمْ مِنَ الْأَحَادِيثِ  
بِمَا لَمْ تَسْمَعُوا أَنْتُمْ، وَلَا آبَاؤُكُمْ، فَإِيَّاكُمْ وَإِيَّاهُمْ، لَا يُضِلُّونَكُمْ،  
وَلَا يَفْتِنُونَكُمْ.

”آخری زمانہ میں کچھ دجال اور کذاب ہوں گے، جو ایسی ایسی احادیث لے کر آئیں گے، جو آپ نے سنی ہوں گی، نہ آپ کے آباء و اجداد نے، خود کو ان سے بچا کر رکھیے گا، کہیں وہ آپ کو گمراہ نہ کر دیں اور فتنے کا شکار نہ کر دیں۔“

(صحیح مسلم: 7)

❁ علامہ مظہری حنفی رحمۃ اللہ علیہ (۷۷۷ھ) کہتے ہیں:

يَعْنِي يَتَحَدَّثُونَ بِالْأَحَادِيثِ الْكَاذِبَةِ، وَيَبْتَدِعُونَ أَحْكَامًا بَاطِلَةً،  
وَيُعَلِّمُونَ النَّاسَ عَقِيدَاتٍ فَاسِدَةٍ، كَالرَّوَافِضِ وَالْمُعْتَزِلَةِ وَالْجَبَرِيَّةِ  
وغيرِهِمْ مِنْ أَهْلِ الْبِدْعِ.

”اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ وہ (دجال و کذاب) جھوٹی احادیث بیان کریں گے، باطل احکام وضع کریں گے اور لوگوں کو برے عقائد کی تعلیم دیں گے، جیسا کہ روافض، معتزلہ، جبریہ اور دیگر اہل بدعت کرتے ہیں۔“

(المفاتيح في شرح المصابيح: 258/1، شرح المصابيح لابن الملك: 161/1)

**سوال:** اَنَا قَاسِمٌ وَاللَّهُ يُعْطِي كَمَا مَفْهُومٍ وَاضِحٍ كَرِيحٍ؛

**جواب:** معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَاللَّهُ يُعْطِي

”میں صرف تقسیم کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے۔“

(صحیح البخاری: 71، صحیح مسلم: 1037)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو کتاب العلم اور کتاب الغنائم میں ذکر کیا ہے۔ معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے علم نبوت سے نوازتا ہے اور میں اس کی تبلیغ کرتا ہوں۔ یا اللہ تعالیٰ مال غنیمت عطا فرماتا ہے اور میں تقسیم کر دیتا ہوں۔ یہ تحت الاسباب امداد ہے۔

✽ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا أُعْطِيكُمْ وَلَا أَمْنَعُكُمْ، إِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ أَضَعُ حَيْثُ أَمَرْتُ.

”میں نہ تمہیں کچھ دے سکتا ہوں اور نہ روک سکتا ہوں، میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں، جہاں حکم ہوتا ہے، وہیں خرچ کرتا ہوں۔“

(صحیح البخاری: 3117)

یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم واضح فرما رہے ہیں کہ میں تمہیں کچھ عطا نہیں کر سکتا، نہ ہی رب کی عطا میں بندش ڈال سکتا ہوں۔

**(سوال)**: کیا اہل سنت کتب میں اللہ تعالیٰ کو ”امرڈ“ (بے ریش نوجوان) کہا گیا؟

**(جواب)**: بعض لوگ یہ باور کراتے ہیں کہ نعوذ باللہ اہل سنت کی کتابوں میں اللہ تعالیٰ کی گستاخیاں کی گئی ہیں۔ اس بات سے قطع نظر کہ خود ان کی اپنی کتابیں اللہ تعالیٰ، فرشتوں، انبیائے کرام اور صحابہ عظام کی گستاخیوں سے بھری پڑی ہیں۔ مگر ہم یہاں ان کے بیان کردہ اعتراض پر بات کریں گے۔

ان کا کہنا ہے کہ اہل سنت کی کتابوں میں اللہ تعالیٰ کو ”امرڈ“ یعنی بے ریش نوجوان کہا



(سیر اعلام النبلاء: 270/5)

② یہ حماد بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی منکر روایت ہے۔

✿ امام ابو بکر بن ابی داؤد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

هَذَا مِنْ أَنْكَرِ مَا أَتَى بِهِ حَمَادُ بْنُ سَلَمَةَ .

”یہ حماد بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی منکر ترین روایت ہے۔“

(اللآلی المصنوعة للسيوطي: 29/1)

✿ حافظ ابن الجوزی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

هَذَا الْحَدِيثُ لَا يَثْبُتُ . ”یہ حدیث ثابت نہیں۔“

(العَلَلُ الْمُتَنَاهِيَةُ فِي الْأَحَادِيثِ الْوَاهِيَةِ: 23/1)

✿ حافظ ذہبی رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو ”منکر“ کہا ہے۔

(سیر اعلام النبلاء: 113/10)

اس حدیث کو تصحیح کے متعلق امام ابو زرعہ رازی رضی اللہ عنہ کا قول (اللآلی المصنوعة للسيوطي):

۲۹/۱) ثابت نہیں۔ اس کی سند میں ابو بکر بن صدقہ ”مجہول“ ہے۔

✿ یہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوف بھی مروی ہے۔

(اللآلی المصنوعة للسيوطي، ص 30)

اس کی سند ضعیف ہے۔

① ابن جریج کا عنعنہ ہے۔

② ضحاک بن مزاحم کا سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سماع نہیں۔

✿ یہی روایت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی موقوف مروی ہے۔

(اللآلی المصنوعة للسيوطي، ص 30)



سند ضعیف ہے۔

① ابن جریج کا عنعنہ ہے۔

② صفوان بن سلیم کا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع نہیں۔

❁ سیدہ ام طفیل رضی اللہ عنہا سے منسوب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّهُ رَأَى رَبَّهُ عَزَّ وَجَلَّ فِي الْمَنَامِ فِي صُورَةِ شَابٍّ مُؤَفَّرٍ .

”انہوں نے اپنے رب کو خواب میں دیکھا، گویا لمبے بالوں والا نوجوان ہو۔“

(السنة لابن أبي عاصم : 471، المعجم الكبير للطبراني : 143/25، الأسماء

والصفات للبيهقي : 942، تاريخ بغداد للخطيب : 419/15)

اس کی سند سخت ضعیف ہے۔

① مروان بن عثمان انصاری کو امام ابو حاتم رضی اللہ عنہ نے ”ضعیف“ کہا ہے۔

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم : 272/8)

❁ حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ نے ”متروک“ قرار دیا ہے۔

(الإصابة في تمييز الصحابة : 424/8)

② عمارہ بن عامر ”مجہول“ ہے، نیز اس کا ام طفیل رضی اللہ عنہا سے سماع نہیں۔

❁ امام بخاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لَا يُعْرَفُ عَمَارَةٌ وَلَا سَمَاعُهُ مِنْ أُمَّ الطُّفَيْلِ .

”عمارہ غیر معروف ہے، نیز اس کا سیدہ ام طفیل رضی اللہ عنہا سے سماع نہیں۔“

(التاريخ الأوسط : 1419)

❁ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو ”منکر“ کہا ہے۔

(العِلَلُ الْمُتَنَاهِيَةُ لِابْنِ الْجَوْزِيِّ : 15/1، المنتخب لابن قدامة من علل الخلال : 183)

❁ امام ابن حبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

..... حَدِيثًا مُنْكَرًا لَمْ يَسْمَعْ عُمَارَةَ مِنْ أُمِّ الطُّفَيْلِ، وَإِنَّمَا ذَكَرْتَهُ لِكَيْ لَا يَغْتَرَّ النَّاطِرُ فِيهِ فَيَحْتَجَّ بِهِ .

”یہ حدیث منکر ہے۔ عمارہ نے ام طفیل رضی اللہ عنہا سے سماع نہیں کیا، میں نے اس راوی کو یہاں اس لیے ذکر کیا، کہ اس کے متعلق تحقیق کرنے والا دھوکہ کھا کر اس سے حجت نہ پکڑ لے۔“

(الثقات: 4682)

❁ حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

هُوَ مَتْنٌ مُنْكَرٌ . ”یہ منکر متن ہے۔“

(تہذیب التہذیب: 95/10)

❁ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

رَأَيْتُ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ فِي مَنَامِي فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ كَالشَّابِّ الْمُؤَفَّرِ .  
”میں نے خواب میں اپنے رب عزوجل کو حسین ترین صورت میں دیکھا، گویا لمبے بالوں والا جوان ہو۔“

(رؤية الله للدارقطني: 285)

سند جھوٹی ہے۔

- ❶ خالد بن نجیح مصری ”کذاب و وضاع“ ہے۔
- ❷ عبد الرحمن بن خالد بن نجیح بھی ”متروک الحدیث“ ہے۔
- ❸ اسحاق بن عبد اللہ بن ابی فروہ ”متروک“ ہے۔

اس حدیث کو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ”مضطرب“ قرار دیا ہے۔

(بیان تلبیس الجہمیۃ لابن تیمیۃ: 215/7، 217)

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لَيْسَ فِيهَا صَحِيحٌ، وَكُلُّهَا مُضْطَرِبَةٌ.

”اس بارے میں کوئی حدیث ثابت نہیں، ساری کی ساری مضطرب ہیں۔“

(العِلَل: 57/5)

امام ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ (کتاب التوحید: 1/191) اور خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (تلخیص الممتشابہ: 302/1) نے غیر ثابت قرار دیا ہے۔

امام محمد بن نصر مروزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لَيْسَ يَثْبُتُ إِسْنَادُهُ عِنْدَ أَهْلِ الْمَعْرِفَةِ بِالْحَدِيثِ.

”محمد شین کرام کے نزدیک اس کی سند ثابت نہیں۔“

(قیام اللیل، ص 43)

حافظ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فِي ثُبُوتِ هَذَا الْحَدِيثِ نَظَرٌ.

”اس حدیث کا ثابت ہونا محل نظر ہے۔“

(کتاب الأسماء والصفات، ص 380)

کسی صحیح حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ثابت نہیں۔

تنبیہ:

علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ (1013ھ) فرماتے ہیں:

حَدِيثُ : رَأَيْتُ رَبِّي بِمِنَى يَوْمَ النَّفْرِ عَلَى جَمَلٍ أَوْرَقَ عَلَيْهِ  
جُبَّةً صُوفٍ أَمَامَ النَّاسِ ، مَوْضُوعٌ لَا أَصْلَ لَهُ .

”حدیث: ”میں نے اپنے رب کو یوم نفر (۱۳ ذوالحجہ) کو منیٰ میں دیکھا، وہ  
ایک سفید سیاہی مائل اونٹ پر سوار تھا، اس نے اون کا جبہ پہن رکھا تھا۔ وہ  
لوگوں کے آگے تھا۔“ من گھڑت اور بے اصل ہے۔“

(المصنوع في معرفة الحديث الموضوع : 137)

**سوال:** زیریناف بالوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟

**جواب:** مردوزن کی شرم گاہ اور اس کے گرد اُگنے والے بال زیریناف کہلاتے ہیں،  
انہیں صاف کرنا فطرت ہے۔ طبی اعتبار سے کئی فوائد بھی ہیں، ان کی کم سے کم مدت مقرر  
نہیں، البتہ زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہے۔ چالیس دنوں سے تجاوز جائز نہیں۔

❁ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

وَقَّتْ لَنَا فِي قَصِّ الشَّارِبِ ، وَتَقْلِيمِ الْأَظْفَارِ ، وَنَتْفِ الْإِبِطِ ،  
وَحَلْقِ الْعَانَةِ ، أَنْ لَا نَتْرُكَ أَكْثَرَ مِنْ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً .

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لہیں لینے، ناخن کاٹنے، بغل کے بال اکھاڑنے اور زیر  
ناف بال صاف کرنے کی آخری حد چالیس دن رکھی ہے کہ اس سے زیادہ

تاخیر نہ کی جائے۔“ (صحیح مسلم : ۲۵۸)

❁ فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے:

الْأَفْضَلُ أَنْ يُقْلَمَ أَظْفَارُهُ وَيُحْفَى شَارِبُهُ وَيَحْلَقَ عَانَتَهُ وَيُنْظَفَ  
بَدَنُهُ بِالْأَغْتِسَالِ فِي كُلِّ أُسْبُوعٍ مَرَّةً فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ فَبِئْسَ كُلُّ



خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا وَلَا يُعْذَرُ فِي تَرْكِهِ وَرَاءَ الْأَرْبَعِينَ ..... وَلَا  
عُذْرَ فِيمَا وَرَاءَ الْأَرْبَعِينَ وَيَسْتَحِقُّ الْوَعِيدَ .

”افضل یہ ہے کہ ہفتہ میں ایک دفعہ ناخن کاٹے جائیں، لمبیں لی جائیں، زیر  
ناف بال صاف کئے جائیں اور غسل کیا جائے، اگر ایسا نہ کر پائے، تو پندرہ دن  
بعد کر لے، چالیس دن تک بھی اگر ایسا نہیں کرتا، تو عذر قبول نہیں، بلکہ وعید کا  
مستحق ٹھہرے گا۔“ (فتاویٰ عالمگیری: ۱/۳۵۷)

❁ علامہ ابن عابدین شامی حنفی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۵۲ھ) لکھتے ہیں:

كُرِهَ تَرْكُهُ تَحْرِيمًا وَلَا عُذْرَ فِيمَا وَرَاءَ الْأَرْبَعِينَ وَيَسْتَحِقُّ الْوَعِيدَ .  
”چالیس دن کے بعد بھی زیر ناف صاف نہ کرنا مکروہ تحریمی ہے، ایسا کرنے  
والا وعید کا مستحق ہو جاتا ہے۔“ (فتاویٰ شامی: ۶/۴۰۷)

① نِظَافَتِ اَوْرَسْتَهْرَانِي كَلِمَاتٍ لِيَسْتَحِقُّ الْوَعِيدَ كَلِمَاتٍ لِيَسْتَحِقُّ الْوَعِيدَ

صاف کئے جائیں، اگرچہ اس کے بارے میں روایت نہیں ملتی۔

❁ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

يُسْتَحَبُّ اِمَاطَةُ الشَّعْرِ عَنِ الْقُبْلِ وَالذُّبْرِ بَلْ هُوَ مِنَ الذُّبْرِ اَوْلَى  
خَوْفًا مِّنْ اَنْ يَّعْلَقَ شَيْءٌ مِّنَ الْعَائِطِ فَلَا يُزِيلُهُ الْمُسْتَنْجِي اِلَّا  
بِالْمَاءِ وَلَا يَتَمَكَّنُ مِنْ اِزَالَتِهِ بِالِاسْتِجْمَارِ .

”اگلی اور پچھلی دونوں شرمگاہوں سے بال صاف کرنا مستحب ہے، بلکہ پچھلی  
شرمگاہ سے بال صاف کرنا زیادہ بہتر ہے، کیونکہ خدشہ رہتا ہے کہ ان بالوں

کے ساتھ کچھ پاخانہ چمٹا رہ جائے اور ڈھیلا استعمال کرنے سے صاف ہی نہ ہو پائے اور پانی کا استعمال ضروری ہو جائے۔“

(فتح الباری: ۱۰/۳۴۳)

❁ علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۵۲ھ) لکھتے ہیں:

الْعَانَةُ الشَّعْرِ الْقَرِيبِ مِنْ فَرْجِ الرَّجُلِ وَالْمَرَأَةِ وَمِثْلَهَا شَعْرُ  
الدُّبْرِ بَلْ هُوَ أَوْلَى بِالْإِزَالَةِ لِيَلَّا يَتَعَلَّقَ بِهِ شَيْءٌ مِنَ الْخَارِجِ  
عِنْدَ الْإِسْتِنْبَاجِ بِالْحَجَرِ .

”قبل اور دبر کے قریبی بال صاف کیجئے، بلکہ دبر کے بال صاف کرنا زیادہ

بہتر ہے، تاکہ ڈھیلا استعمال کرتے وقت وہاں پاخانہ چمٹا نہ رہ جائے۔“

(فتاویٰ شامی: ۲/۴۸۱)

② لوہے کا آلہ یا کریم کا استعمال کیا جائے، ٹریٹ والوں کا پاکی ریزر، جو خشک جلد پر استعمال ہوتا ہے، زیادہ بہتر ہے۔ مرد و عورت کے لئے یکساں مفید ہے۔ اس میں وقت بھی زیادہ صرف نہیں ہوتا۔ زخم لگنے کا اندیشہ بھی نہیں ہے، خصوصاً شوگر کے مریضوں یا بڑے پیٹ والوں کے لئے آسانی ہے۔ اس کا یہ فائدہ بھی ہے کہ جلد کا کلر بھی خراب نہیں ہوتا، کریموں میں ایسے کیمیکل ہوتے ہیں، جو جلد کو دبا کر دیتے ہیں۔

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

الْفِطْرَةُ خَمْسٌ، أَوْ خَمْسٌ مِّنَ الْفِطْرَةِ الْخِتَانُ، وَالْإِسْتِحْدَادُ،  
وَنَنْفُ الْإِبِطِ، وَتَقْلِيمُ الْأَظْفَارِ، وَقَصُّ الشَّارِبِ .

”پانچ چیزیں فطرت ہیں؛ ختنے کروانا، لوہے کا استعمال (زیر ناف کی صفائی

کے لئے)؛ بغل کے بال اکھاڑنا، ناخن کاٹنا اور موچھیں پست کرنا۔“

(صحیح البخاری: ۵۸۸۹، صحیح مسلم: ۲۵۷)

③ اگر بیماری یا عذر کی وجہ سے زیر ناف صاف نہیں کر سکتا، تو گناہ گار نہیں، کیونکہ وہ مکلف نہیں۔ اپنی بیوی، بھائی یا ملازم سے یہ بال صاف نہیں کروانے چاہئیں، کیوں کہ اس میں ان کے لئے خفت اور پریشانی ہے، ضابطہ یہ ہے:

الضَّرَرُ الْأَشَدُّ يُزَالُ بِالضَّرَرِ الْأَخْفِ .

”کم تر نقصان کو گوارا کرتے ہوئے بڑے نقصان سے بچا جائے گا۔“

زیر ناف بال صاف کروانا بڑی پریشانی ہے، بال صاف نہ کرنے سے۔

④ زندگی کی امید باقی نہ رہے تو، جسم کے بال صاف کر لینا چاہئے۔

✽ سیدنا خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ نے کیا تھا، آپ کفار کی قید میں تھے، انہیں بتایا

کیا کہ آپ کو سولی چڑھا دیا جائے گا:

اسْتَعَارَ مُوسَى مِنْ بَعْضِ بَنَاتِ الْحَارِثِ لَيْسْتَحِدَّ بِهَا فَأَعَارَتْهُ .

”تو انہوں نے حارث بن عامر کی ایک بیٹی سے استرا مستعار لیا تاکہ زیر ناف

صاف کر لیں۔“ (صحیح البخاری: ۴۰۸۶)

بعضے غافل بالوں کے شرعی احکام سے واقف نہیں ہوتے، جن بالوں کو صاف کرنا حرام اور باعث لعنت ہے، انہیں صاف کر لیتے ہیں اور جن بالوں کو صاف کرنا ضروری ہے، انہیں صاف نہیں کرتے۔ کتنے ہی لوگ کہ اس حالت میں انہیں موت آجاتی ہے، بعد میں لو احمقین ان کے بال صاف کرتے ہیں، حالاں کہ ایسا کرنا مناسب نہیں، کیونکہ وہ دار التکلیف سے نکل چکا ہے، اسے فائدہ نہیں اور ان کے لئے خواہ مخواہ کی پریشانی ہے۔

- ⑤ خصیتین کے بال بھی تلف کرنے چاہئیں۔
- ⑥ بعض لوگ ناف سے لے کر گھٹنوں تک بال اتار لیتے ہیں، یہ محض تکلف ہے۔
- ④ غیر ضروری بال بائیں ہاتھ سے صاف کرنے چاہئیں، مجبوری کی صورت میں دایاں ہاتھ بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔

- ⑧ زیر ناف بال اتارنے کے بعد غسل اختیاری ہے، مشروع نہیں۔
- ⑨ عوام میں یہ نظریہ بھی پایا جاتا ہے کہ بال اتارنے کی شرعی حد گزر جائے تو کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے، اس پر کوئی دلیل نہیں۔ البتہ حد گزر جائے، تو گناہ گار ضرور ہوگا۔
- ⑩ بامر مجبوری زیر ناف بال کاٹے بھی جاسکتے ہیں، موئڈ نامسنون ہے۔

**سوال:** قرآن کریم کی قسم کا کیا حکم ہے؟

**جواب:** قرآن کریم کی قسم اٹھانا جائز ہے۔ قرآن اللہ کا کلام ہے، اسمائے حسنیٰ کی طرح صفات باری تعالیٰ کی بھی قسم اٹھائی جاسکتی ہے۔ احادیث میں کلمات الہیہ کی پناہ میں آنے کا ثبوت ملتا ہے۔ جب ان کی پناہ میں آنا جائز ہے، تو ان کی قسم بھی جائز ہے۔ قرآن بھی اللہ کی صفت ہے، لہذا اس کی قسم اٹھانا جائز ہے۔

✽ حافظ ابن عبدالبرؒ (۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

الَّذِي أَجْمَعَ عَلَيْهِ الْعُلَمَاءُ فِي هَذَا الْبَابِ هُوَ أَنَّهُ مَنْ حَلَفَ بِاللَّهِ أَوْ بِاسْمِ مِنْ أَسْمَاءِ اللَّهِ أَوْ بِصِفَةٍ مِّنْ صِفَاتِهِ أَوْ بِالْقُرْآنِ أَوْ بِشَيْءٍ مِنْهُ فَحَنِثَ فَعَلَيْهِ كَفَّارَةٌ يَمِينٍ .

”قسم کے باب میں اہل علم کا اجماع ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ یا اس کے کسی نام یا صفت کی یا قرآن کی، یا قرآن کے کسی حصے کی قسم اٹھائی اور توڑ دی، تو اس پر

قسم کا کفارہ ہے۔“

(التَّهْمِيدُ لِمَا فِي الْمُؤْطِئِ مِنَ الْمَعَانِي وَالْأَسَانِيدِ: 369/14)

✽ علامہ ابن قدامہ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ (۶۲۰ھ) فرماتے ہیں:

إِنْ حَلَفَ بِالْمُضْحَفِ، انْعَقَدَتْ يَمِينُهُ ..... لِأَنَّ الْحَالِفَ  
بِالْمُضْحَفِ إِنَّمَا قَصَدَ الْحَلِفَ بِالْمَكْتُوبِ فِيهِ، وَهُوَ  
الْقُرْآنُ، فَإِنَّهُ بَيْنَ دَفْتَيْ الْمُضْحَفِ بِإِجْمَاعِ الْمُسْلِمِينَ .  
’اگر قرآن کی قسم کھائی، تو وہ قسم منعقد ہو جائے گی۔..... کیونکہ قرآن کی قسم  
اٹھانے والا اس میں لکھا ہوا کلام مراد لیتا ہے اور اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے  
کہ دو گتوں کے درمیان جو ہے، وہ قرآن ہے۔“

(المغني: 461/13)

مصنف عبد الرزاق (۱۵۹۳۲) میں قنادہ کا قول ثابت نہیں۔ معمر عن قنادہ روایت

ضعیف ہوتی ہے۔

(سوال): مندرجہ ذیل اثر کا معنی واضح کریں؛

✽ سیدنا عبد اللہ بن عباس رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا آیت مبارکہ: ﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ

سَمَوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

فِي كُلِّ أَرْضٍ مِثْلُ إِبْرَاهِيمَ وَنَحْوُ مَا عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْخَلْقِ .

’ہر زمین میں ابراہیم علیہ السلام کی مثل اور اس زمین کے اوپر والی مخلوق موجود ہے۔“

(تفسير الطبري: 469/23، المستدرک للحاکم: 23/38، الأسماء والصفات

للبیهقي: 832، وسندہ صحیح)

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

حافظ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ (الاسماء والصفات: ۸۳۲) اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ (فتح الباری: ۶/۲۹۳) نے اس اثر کی سند کو ”صحیح“ کہا ہے۔

(جواب): حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (۷۷۷ھ) فرماتے ہیں:

هُوَ مَحْمُولٌ إِنْ صَحَّ نَقْلُهُ عَنْهُ عَلَى أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ  
عَنْهُ أَخَذَهُ عَنِ الْإِسْرَائِيلِيَّاتِ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ .

”اگر اس اثر کی سند صحیح ہے، تو اسے اس معنی پر محمول کیا جائے گا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بات اسرائیلی روایات سے اخذ کی ہے، واللہ اعلم!“

(البدایة والنہایة: 43/1)

✽ نیز اسرائیلی روایات کے بارے میں موقف یوں بیان کرتے ہیں:

”اسرائیلی روایات کی تین اقسام ہیں: ① جن کے صحیح ہونے کا علم ہمیں کتاب اللہ یا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہو چکا ہے، ② جن کا جھوٹا ہونا معلوم ہو کہ اس کے خلاف کتاب و سنت میں ثابت ہو، ③ جن کے بارے میں کوئی فیصلہ کن بات نہ ہو، انہیں بیان کرنے کی اجازت ہے، جیسا کہ فرمان نبوی ہے: بنی اسرائیل سے روایت بیان کر لیا کرو، اس میں کوئی حرج نہیں۔ اسرائیلی روایات کی اسی قسم کی تصدیق و تکذیب نہ کرنے کو کہا گیا ہے، فرمان نبوی ہے: بنی اسرائیل کی نہ تصدیق کرو، نہ تکذیب۔“

(تفسیر ابن کثیر: 3/528)



## فتاویٰ امن پوری (قسط ۱۷۲)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

**سوال:** فطرانہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

**جواب:** فطرانہ کی فرضیت پر اجماع ہے۔

(الإجماع لابن المنذر: 49)

❁ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (رمضان المبارک میں) مسلمانوں کے غلام، آزاد، مرد، عورت، چھوٹے اور بڑے پر ایک صاع کھجور یا جو فطرانہ فرض قرار دیا ہے۔“

(صحیح البخاری: 1503، صحیح مسلم: 984)

**تنبیہ:**

فطرانہ مسلمان غلام پر فرض ہے، کافر پر نہیں۔

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَيْسَ فِي الْعَبْدِ صَدَقَةٌ إِلَّا صَدَقَةُ الْفِطْرِ .

”غلام پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، مگر صدقہ فطر ہے۔“

(صحیح مسلم: 982)

یہ حدیث عام ہے، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما والی حدیث نے تخصیص کر دی ہے کہ

”عبد“ سے مراد مسلمان غلام ہے۔

فائدہ:

❁ سیدنا قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

أَمَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِصَدَقَةِ الْفِطْرِ قَبْلَ أَنْ تَنْزِلَ  
الزَّكَاةُ، فَلَمَّا نَزَلَتِ الزَّكَاةُ لَمْ يَأْمُرْنَا وَلَمْ يَنْهَنَا وَنَحْنُ نَفْعَلُهُ.  
”زکوٰۃ کا حکم نازل ہونے سے پہلے ہمیں رسول اللہ ﷺ نے صدقہ فطر ادا  
کرنے کا حکم دیا، زکوٰۃ کا حکم نازل ہو، تو آپ ﷺ نے نہ ہمیں حکم دیا اور نہ  
منع فرمایا، البتہ ہم اسے ادا کرتے رہے۔“

(مسند الإمام أحمد : 6/6، سنن النسائي : 2509، سنن ابن ماجه : 1828،

السَّنن الكبریٰ للبيهقي : 159/4، وسندهٌ صحيحٌ)

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ رضی اللہ عنہ (۲۳۹۴) اور امام حاکم رضی اللہ عنہ (۴۱۰/۱) نے ”صحیح“

کہا ہے، حافظ ذہبی رضی اللہ عنہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

❁ حافظ خطابی رضی اللہ عنہ (۳۸۸ھ) لکھتے ہیں:

هَذَا لَا يَدُلُّ عَلَى زَوَالِ وُجُوبِهَا، وَذَلِكَ أَنَّ الزِّيَادَةَ فِي جِنْسِ  
الْعِبَادَةِ لَا يُوجِبُ نَسْخَ الْأَصْلِ الْمَزِيدِ عَلَيْهِ، غَيْرَ أَنَّ مَحَلَّ  
الزَّكَاةِ الْأَمْوَالُ وَمَحَلَّ زَكَاةِ الْفِطْرِ الرَّقَابُ.

”اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ صدقہ فطر واجب نہیں رہا، کیونکہ  
عبادت میں کسی اضافے سے اصل منسوخ نہیں ہوتی۔ یہ فرق بھی ملحوظ رہے کہ  
زکوٰۃ مال پر اور صدقہ فطر جان پر فرض ہے۔“

(معالم السنن : 214/2)



## صدقہ فطر کے مسائل:

① حجازی صاع دو سیر چار چھٹانک کا ہوتا ہے، اس کا اعشاری وزن 2.099 کلوگرام بنتا ہے۔

② خوراک، مثلاً گندم، جو، کھجور، پیپر، کشمش وغیرہ، بہتر ہے کہ اس میں فی کس ایک صاع فطرانہ ادا کیا جائے، روپے، پیسے یا چاندی وغیرہ بھی فطرانے میں ادا کی جاسکتی ہے۔

✽ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا یہی موقف ہے۔

(مصنّف ابن أبي شيبة: 173/3، وسندہ صحیح)

✽ یہی مذہب امام بخاری رضی اللہ عنہ کا بھی ہے۔

(صحیح البخاری، باب العرض في الزّكوة)

✽ امام یحییٰ بن معین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لَيْسَ بِهِ بَأْسٌ أَنْ يُعْطَى زَكَاةُ رَمَضَانَ فِضَّةً .

”صدقہ فطر میں چاندی بھی ادا کی جاسکتی ہے، اس میں حرج نہیں۔“

(تاریخ ابن معین: 2326، 2765)

③ صدقہ فطر نماز عید سے پہلے ادا کیا جائے۔

(صحیح البخاری: 1503، صحیح مسلم: 984)

✽ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

”رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فطرانہ لغویات اور فحش گوئی سے روزہ کو پاک کرنے کے

لیے اور مساکین کو کھانا کھلانے کے لیے فرض قرار دیا ہے۔ نماز عید سے پہلے ادا

کریں گے، تو قبول ہوگا، بعد میں ادا کریں گے، تو عام صدقہ قرار پائے گا۔“

(سنن أبي داود: 1609، سنن ابن ماجه: 1828، وسنده حسن)

اس حدیث کو امام حاکم رحمہ اللہ (۱/۲۰۹) نے ”صحیح“ کہا ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے موافقت کی ہے۔

④ صدقہ فطر رمضان کے اختتام پر نماز عید سے پہلے پہلے ادا کیا جائے گا۔ اگر بیت المال کا نظام موجود ہو، تو فطرانہ ایک دو دن پہلے نکالا جاسکتا ہے، تاکہ بیت المال میں جمع ہو کر عید سے پہلے پہلے مستحقین میں تقسیم کر دیا جائے۔ اگر بیت المال نہیں، تو رمضان کے اختتام پر فطرانہ ادا کیا جائے گا، اس سے پہلے نہیں۔

✽ نافع رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما صدقہ فطر کب ادا کرتے تھے، فرمایا: جب صدقہ وصول کرنے والا بیٹھ جاتا، عرض کیا، وہ کب بیٹھتا تھا؟ فرمایا: عید الفطر سے ایک دو دن پہلے۔

صحیح ابن خزيمة: 2397، وسنده صحیح

⑤ فطرانہ صرف مساکین کا حق ہے۔

(مجموع الفتاویٰ لابن تیمیة: 71-78، زاد المعاد لابن القیم: 44/2)

فطرانہ مشرع اور نمازی مسلمانوں کا حق ہے، اہل حق کے دینی مدارس پر بھی خرچ کیا جاسکتا ہے۔

⑥ فطرانہ چوں کہ ہر مسلمان پر فرض ہے، اس لئے صاحب نصاب کی شرط لگانا درست نہیں۔

⑦ فطرانہ کا مقصد روزہ میں ہونے والی کمی کو تباہی کی معافی، بے فائدہ اور فحش کلامی کی تطہیر اور مساکین سے تعاون ہے۔

فطرانہ شکر کی بہترین اور بے مثال صورت ہے، اللہ کی رضا و خوشنودی کا باعث ہے، گھر میں خیر و برکت اور امن و سکون کا ذریعہ ہے، ہر قسم کی برائی اور شر سے بچنے کا محفوظ راستہ ہے، محبت و موڈت اس سے جنم لیتی ہے، نفرتوں، کدورتوں کا قلع قمع ہوتا ہے، انسانی ہمدردی کا شاندار مظاہرہ ہوتا ہے اور باوقار معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔

**(سوال):** کیا عورت قبرستان جاسکتی ہے؟

**(جواب):** عورت قبرستان جاسکتی ہے۔ اسلام نے اس کی اجازت دی ہے۔ ابتداء میں قبرستان جانے سے منع کیا گیا تھا، لیکن بعد ازاں یہ ممانعت منسوخ ہو گئی اور عورتوں کو قبرستان جانے کی اجازت دے دی گئی۔

پہلے ممانعت والی حدیث ملاحظہ فرمائیں اور پھر اس کی منسوخیت کے دلائل۔

**ممانعت والی حدیث:**

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ زَوَارَاتِ الْقُبُورِ .

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت زیادہ قبرستان جانے والی عورتوں پر لعنت فرمائی۔“

(مسند الإمام أحمد: 2/337، 356، سنن الترمذی: 1056، وقال: حسنٌ صحيحٌ،

سنن ابن ماجہ: 1576، صحيح ابن حبان: 3178، وسندہ حسنٌ)

**یہ ممانعت منسوخ ہے:**

قبروں کی زیارت سے مردوں اور عورتوں سب کو منع کیا گیا تھا، لیکن بعد میں یہ ممانعت منسوخ کر کے سب کو اجازت دے دی گئی۔ یہ حدیث اس دور کی ہے، جب قبروں کی زیارت منع تھی۔

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ اس اور اس جیسی دیگر احادیث کے بارے میں فرماتے ہیں:  
 هَذِهِ الْأَحَادِيثُ الْمَرْوِيَّةُ فِي النَّهْيِ عَنِ زِيَارَةِ الْقُبُورِ مَنْسُوخَةٌ.  
 ”زیارتِ قبور سے ممانعت کے بارے میں مروی یہ احادیث منسوخ ہیں۔“

(المستدرک علی الصحیحین: 1385)

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات بالکل درست ہے، درج ذیل دلائل بھی اسی موقف کی تائید کرتے ہیں۔

✽ عبد اللہ بن ابوملکہ تابعی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ عَائِشَةَ أَقْبَلَتْ ذَاتَ يَوْمٍ مِنَ الْمَقَابِرِ، فَقُلْتُ لَهَا: يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ! مِنْ أَيْنَ أَقْبَلْتِ؟ قَالَتْ: مِنْ قَبْرِ أَخِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ ابْنِ أَبِي بَكْرٍ، فَقُلْتُ لَهَا: أَلَيْسَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ زِيَارَةِ الْقُبُورِ؟ قَالَتْ: نَعَمْ، كَانَ قَدْ نَهَى، ثُمَّ أَمَرَ بِزِيَارَتِهَا.

”سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ایک دن قبرستان کی جانب سے آئیں، تو میں نے ان سے دریافت کیا: ام المؤمنین! آپ کہاں سے آئی ہیں؟ انہوں نے فرمایا: اپنے بھائی عبد الرحمن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قبر سے۔ عرض کیا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت سے منع نہیں فرمایا تھا؟ سیدہ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں: جی منع تو فرمایا تھا، لیکن بعد میں قبروں کی زیارت کا حکم فرمادیا تھا۔“

(المستدرک علی الصحیحین للحاکم: 376/1، السنن الكبرى للبيهقي: 78/3،

التمهيد لما في المؤطأ من المعاني والأسانيد: 233/3، وسنده صحيح)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو ”صحیح“ قرار دیا ہے۔ (تلخیص المستدرک: 1/376)

حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی سند کو ”جید“ کہا ہے۔ (تخریج أحادیث الإحياء: 6/2608)

✽ حافظ بوصیری لکھتے ہیں:

هَذَا إِسْنَادٌ صَحِيحٌ، رِجَالُهُ ثِقَاتٌ .

”یہ سند صحیح اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔“ (مصباح الزجاجية: 568)

✽ سنن ابن ماجہ (1570) کے الفاظ یوں ہیں:

رَخَّصَ فِي زِيَارَةِ الْقُبُورِ .

”پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے کی اجازت دے دی۔“

✽ سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ، فَزُورُوهَا .

”میں آپ کو قبروں کی زیارت سے منع کرتا تھا، لیکن اب آپ قبرستان چلے جایا

کریں۔“ (صحیح مسلم: 977)

یہ حدیث عام ہے، جس میں مرد و عورت دونوں شامل ہیں۔ مذکورہ بالا حدیث بھی یہی

بتاتی ہے۔

✽ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فَزُورُوا الْقُبُورَ، فَإِنَّهَا تَذَكِّرُ الْمَوْتَ .

”قبروں کی زیارت کیا کریں، کیونکہ یہ موت کی یاد دلاتی ہیں۔“

(صحیح مسلم: 976)

یہ حدیث بھی عام ہے، کیونکہ موت کی یاد مرد و عورت دونوں کی ضرورت ہے۔

❁ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اکرم ﷺ سے عرض کیا: جب میں قبرستان جاؤں، تو کیا دُعا کروں؟ فرمایا: قبرستان کی زیارت کے وقت یہ دُعا کیجیے:

السَّلَامُ عَلَى أَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ، وَيَرْحَمُ اللَّهُ الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنَّا وَالْمُسْتَأْخِرِينَ، وَإِنَّا إِِنْ شَاءَ اللَّهُ بِكُمْ لَلْآحِقُونَ .

”ان گھروں والے مومنوں اور مسلمانوں پر سلامتی ہو۔ اللہ تعالیٰ پہلے اور بعد میں آنے والوں سب پر رحم فرمائے۔ ہم بھی اللہ نے چاہا تو تم سے ضرور ملنے والے ہیں۔“ (صحیح مسلم: 974)

اس حدیث سے بھی واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ عورت قبرستان جاسکتی ہے، ورنہ رسول اکرم ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ بتاتے کہ عورت کا قبرستان میں جانا ہی جائز نہیں، تو وہ دُعا کیا کرے گی؟

❁ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم ﷺ کا گزر ایسی عورت کے پاس سے ہوا، جو ایک قبر پر بیٹھی رو رہی تھی۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا:

إَتَّقِي اللَّهَ، وَاصْبِرِي .

”اللہ سے ڈر جائیے اور صبر کیجیے۔“

❁ نیز فرمایا:

إِنَّمَا الصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُولَى .

”معتبر صبر وہی ہے، جو مصیبت و پریشانی کے شروع سے کیا جائے۔“

(صحیح البخاری: 1283، صحیح مسلم: 926)

اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بَابُ زِيَارَةِ الْقُبُورِ (قبروں کی زیارت کا بیان) میں بیان کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ عورت قبرستان جاسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور صبر کرنے کا حکم تو دیا، لیکن قبرستان میں آنے سے منع نہیں فرمایا۔ عورتوں کو چاہیے کہ وہ اپنے پیاروں کی قبروں پر جا کر ان کے لیے دُعا کریں، موت کو یاد کریں اور آخرت کی فکر کو تازہ کریں، وہاں بے صبری کا مظاہرہ ہرگز نہ کریں۔

✽ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عبدالرحمن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما فوت ہو گئے، جب ان کی میت مکہ مکرمہ میں لائی گئی، تو سیدہ رضی اللہ عنہا سفر پر تھیں۔ جب مکہ پہنچیں، تو فرمایا: مجھے ان کی قبر دکھائیں۔ لوگوں نے قبر دکھائی، تو سیدہ رضی اللہ عنہا نے ان کے لیے دُعا فرمائی۔

(مصنّف ابن أبي شيبة: 360/3، وسندّه صحيح)

ان دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت کا قبرستان میں جانا جائز ہے۔ شروع میں مردوں اور عورتوں دونوں کو قبرستان میں جانے سے منع فرمایا گیا تھا، لیکن بعد میں دونوں کے لیے جائز کر دیا گیا۔

تنبیہ ①:

سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکثرت قبرستان جانے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔ (مسند الإمام أحمد: 442/3، سنن ابن ماجہ: 1574، المعجم الكبير للطبراني: 3591)

اس کی سند امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے عنعنہ کی وجہ سے ”ضعیف“ ہے۔

اسی طرح سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے۔ (مسند الإمام أحمد: 229/1،

سنن أبي داود: 3236، سنن الترمذي: 320، سنن النسائي: 2043)

یہ بھی ”ضعیف“ ہے، ابوصالح بازام کے متعلق حافظ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قَالَ الْكَثْرُونَ: لَا يُحْتَجُّ بِهِ .

”اکثر اہل علم کہتے ہیں کہ اس کی بیان کردہ حدیث کو دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔“

(خلاصة الأحكام: 2/1044)

✿ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الْجُمْهُورُ عَلَى أَنَّ أَبَا صَالِحٍ، هُوَ مَوْلَى أُمِّ هَانِئٍ، وَهُوَ ضَعِيفٌ .

”جمہور محدثین کے نزدیک ابوصالح، ام ہانی کا غلام ہے اور یہ ضعیف ہے۔“

(التلخیص الحبیبر: 2/137، ح: 798)

تنبیہ ②:

✿ سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے منسوب ایک روایت کا مفہوم یہ

ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے دریافت فرمایا کہ وہ گھر سے باہر کیوں گئی

تھیں؟ تو انہوں نے عرض کیا: میت کے گھر والوں سے تعزیت کے لیے گئی تھی۔ فرمایا: شاید

آپ ان کے ساتھ قبرستان بھی گئی تھیں؟ عرض کیا: اللہ کی پناہ کہ میں قبرستان میں جاؤں۔

میں نے تو اس بارے میں آپ سے سن بھی رکھا ہے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَوْ بَلَغْتَهَا مَعَهُمْ؛ مَا رَأَيْتِ الْجَنَّةَ، حَتَّى يَرَاهَا جَدُّ أَبِيكَ .

”اگر آپ ان لوگوں کے ساتھ قبرستان چلی جاتیں، تو اس وقت تک جنت کو نہ

دیکھ پائیں، جب تک آپ کے پردادا اسے نہ دیکھ لیتے۔“

(مسند الإمام أحمد: 2/168، 223، سنن أبي داود: 3123، سنن النسائي: 1881،

المستدرک للحاکم: 1/373)



اس حدیث کو امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ (3177) نے ”صحیح“ قرار دیا ہے۔

✿ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ .

”یہ حدیث امام بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔“

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی موافقت بھی کی ہے۔

حافظ منذری رحمۃ اللہ علیہ (357/4 - 359) اور حافظ بوصیری (اتحاف الخیرۃ المبرہہ :

508/2) نے اس کی سند کو ”حسن“ اور حافظ ابن قطان فاسی رحمۃ اللہ علیہ (بیان الوہم والایہام :

618/5، ج: 2837) نے اس حدیث کو ”حسن“ قرار دیا ہے۔

اگرچہ اس کا راوی ربیعہ بن سیف معافری جمہور محدثین کرام کے نزدیک ”موثق“،

حسن الحدیث“ ہے، لیکن اس کی بیان کردہ یہ روایت ”منکر“ ہے۔

✿ امام بخاری (التاریخ الکبیر: 290/3) اور امام ابن یونس رحمۃ اللہ علیہ (میزان

الاعتدال للذہبی: 43/2) فرماتے ہیں:

عِنْدَهُ مَنَّا كِبِيرٌ .

”اس نے کئی منکر روایات بیان کی ہیں۔“

✿ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرماتے ہیں:

رَوَى أَحَادِيثٌ لَا يُتَابَعُ عَلَيْهِ .

”اس نے کئی منکر روایات بیان کی ہوئی ہیں۔“ (التاریخ الأوسط: 1464)

✿ نیز اسے ”منکر الحدیث“ بھی قرار دیا ہے۔ (أيضاً: 1491)

✿ امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

كَانَ يُخْطِئُ كَثِيرًا .

”یہ بہت زیادہ غلطیاں کرتا تھا۔“ (الثقات : 301/6)

✿ علامہ، ابو محمد، عبدالحق، اشعریؒ فرماتے ہیں:

ضَعِيفُ الْحَدِيثِ، عِنْدَهُ مَنَاقِبٌ .

”اس کی بیان کردہ حدیث ضعیف ہے اور اس نے منکر روایات بیان کی ہیں۔“

(الأحكام الوسطى : 152/2)

✿ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

صَدُوقٌ، لَهُ مَنَاقِبٌ .

”یہ ہے تو سچا، لیکن اس نے کئی منکر روایات بھی بیان کی ہیں۔“

(تقريب التهذيب : 1906)

✿ حافظ ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں:

هَذَا حَدِيثٌ لَا يَثْبُتُ .

”یہ حدیث ثابت نہیں۔“

(الجلال المتناهیة : 421/2)

✿ حافظ نوویؒ نے اس کی سند کو ”ضعیف“ کہا ہے۔

(خلاصة الأحكام : 1005/2)

✿ حافظ ابن عبدالبہادیؒ نے اس روایت کو ”منکر“ کہا ہے۔

(المحرر في الحديث، ص 328)

✿ حافظ ذہبیؒ (۴۸ھ) نے بھی ”منکر“ کہا ہے۔

(المهذب في اختصار السنن الكبير: 3/1428)

لہذا یہ روایت ”منکر“ ہے، جو کہ ”ضعیف“ ہی ہوتی ہے۔  
اگر اسے ”صحیح“ تسلیم کر بھی لیا جائے، تو مذکورہ دلائل کی روشنی میں یہ منسوخ ہے۔

متنبیہ (۳):

ایک روایت میں ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کی قبر پر آئیں اور  
کچھ اشعار پڑھ کر کہا:

وَاللَّهِ! لَوْ حَضَرْتُكَ مَا دَفِنْتُ إِلَّا حَيْثُ مِتَّ، وَكَوْ شَهَدْتُكَ مَا زُرْتُكَ.  
”اللہ کی قسم! اگر میں آپ کی تدفین کے وقت موجود ہوتی، تو آپ کو وہیں دفن  
کیا جاتا، جہاں آپ فوت ہوئے تھے اور اگر میں موجود ہوتی، تو آپ کی قبر کی  
زیارت کے لئے نہ آتی۔“

(سنن الترمذی: 1055)

اس روایت کی سند ابن جریر کے عنعنہ کی وجہ سے ”ضعیف“ ہے۔  
مصنف عبدالرزاق (3/517) اور الاوسط لابن المنذر (5/464) میں اگرچہ سماع  
کی تصریح ہے، لیکن اس میں امام عبدالرزاق رحمہ اللہ کا عنعنہ موجود ہے۔ مزید یہ کہ اس میں  
مذکورہ الفاظ بھی نہیں۔

احناف کا موقف:

❁ علامہ نسری حنفی رحمہ اللہ (483ھ) لکھتے ہیں:

الْأَصَحُّ عِنْدَنَا أَنَّ الرُّخْصَةَ ثَابِتَةٌ فِي حَقِّ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ جَمِيعًا.  
”ہمارے نزدیک راجح بات یہی ہے کہ قبرستان جانے کی رخصت مردوں اور

عورتوں، دونوں کے لیے ثابت ہے۔‘ (المَبسوط: 10/24)

❁ فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے:

لَا بَأْسَ بِزِيَارَةِ الْقُبُورِ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى،  
وَظَاهِرُ قَوْلِ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى يَقْتَضِي الْجَوَازَ لِلنِّسَاءِ  
أَيْضًا، لِأَنَّهُ لَمْ يَخْصَّ الرِّجَالَ.

”قبروں کی زیارت میں کوئی حرج نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہی قول ہے، جبکہ امام محمد رحمہ اللہ کے قول کے ظاہری الفاظ یہ تقاضا کرتے ہیں کہ عورتوں کے لیے بھی قبرستان جانا جائز ہے، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کو خاص طور پر اجازت نہیں دی۔“ (فتاویٰ عالمگیری: 350/5)

الحاصل:

عورتوں کا قبرستان جانا جائز ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں۔ ممانعت والی احادیث منسوخ ہیں اور یہ ممانعت مردوں اور عورتوں، دونوں کے لیے تھی، جو بعد میں ختم کر دی گئی۔ البتہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق عورت کو قبرستان جا کر صبر سے کام لینا چاہیے اور قبرستان کی زیارت کا مقصد صرف موت اور آخرت کی یاد ہونا چاہیے۔

(سوال): کیا سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا زہر پینا ثابت ہے؟

(جواب): سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے بارے میں مشہور ہے کہ انہوں نے زہر کا پیالہ پیا تھا۔ اس بارے میں جتنی بھی روایات ہیں، ان میں سے کوئی بھی اصولِ محدثین کے مطابق پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔ اس بارے میں تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

① ابوسفر، سعید بن محمد کا بیان ہے:

نَزَلَ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ الْحِيرَةَ عَلَى أَمْرِ بَنِي الْمَرَّازِبَةِ، فَقَالُوا لَهُ :  
 أَحْذَرِ السَّمَّ، لَا يَسْقِيكَهُ الْأَعَاجِمُ، فَقَالَ : ائْتُونِي بِهِ، فَأْتِيَ  
 بِهِ، فَأَخَذَهُ بِيَدِهِ، ثُمَّ أَقْتَحَمَهُ، وَقَالَ : بِسْمِ اللَّهِ، فَلَمْ يَضُرَّهُ شَيْئًا.

”سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بنو مرزبہ کے معاملے میں حیرہ آئے، تو لوگوں نے کہا :  
 ہوشیار رہیے، کہیں عجمی لوگ آپ کو زہر نہ پلا دیں۔ آپ نے فرمایا: زہر  
 میرے پاس لاؤ۔ زہر لایا گیا، تو آپ نے اپنے ہاتھ میں پکڑا اور بسم اللہ پڑھ  
 کر اسے نگل لیا۔ زہر نے آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔“

(مسند أبي يعلى: 7186، فضائل الصحابة للإمام أحمد بن حنبل: 1478، دلائل

النبوة للبيهقي: 106/7، دلائل النبوة لأبي نعيم: 445/1، تاريخ ابن عساکر: 251/16)

اس کی سند ”انقطاع“ کی وجہ سے ”ضعیف“ ہے۔ ابوسفر کا سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ

سے سماع نہیں۔

مجم کبیر طبرانی (105/4) میں ابو بردہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں،

لیکن ابو بردہ کا بھی سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں ہے۔

🌸 مذکورہ دونوں روایات کے بارے میں حافظ ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

هُوَ مُرْسَلٌ، وَرِجَالُهُمَا ثِقَاتٌ، إِلَّا أَنَّ أَبَا السِّفْرِ وَأَبَا بُرْدَةَ بَنَ  
 أَبِي مُوسَى لَمْ يَسْمَعَا مِنْ خَالِدٍ.

”یہ روایت مرسل (منقطع) ہے۔ ان دونوں سندوں کے راوی ثقہ ہیں، البتہ

ابوسفر اور ابو بردہ دونوں نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں کیا۔“

(مجمع الزوائد: 350/9)

② قیس بن ابی حازم سے یہ بیان منسوب ہے:

رَأَيْتُ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيدِ؛ أَتَيْ بِسْمٍ، فَقَالَ: مَا هَذَا؟ قَالُوا: سُمٌّ،  
فَقَالَ: بِسْمِ اللَّهِ، وَازْدَرَدَهُ.

”میں نے دیکھا کہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس زہر لایا گیا۔ آپ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ زہر ہے۔ آپ نے بسم اللہ پڑھ کر اسے نگل لیا۔“ (المُعْجَمُ الْكَبِيرُ لِلطَّبْرَانِيِّ: 4/106، ح: 3809، فضائل الصَّحَابَةِ

للإمام أحمد بن حنبل: 1481، 1482، تاریخ ابن عساکر: 16/252)

سند ”ضعیف“ ہے، کیونکہ سفیان بن عیینہ اور ان کے استاذ اسماعیل بن ابی خالد دونوں ”مدلس“ ہیں۔ ان کے سماع کی تصریح نہیں مل سکی۔

ویسے بھی زہر حرام اور مہلک چیز ہے۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے ایسی چیز کا پینا عقلی طور پر بھی ممکن معلوم نہیں ہوتا۔

**سوال:** دورانِ وضو ہر عضو کے لیے الگ الگ دُعا پڑھنا کیسا ہے؟

**جواب:** دورانِ وضو ہر عضو کے لیے ذکر و دُعا ثابت نہیں، اگرچہ بعض نے اپنی

کتابوں میں بغیر دلیل کے یہ اذکار درج کیے ہیں۔ یہ ایجاد دین ہے۔

🌸 حافظ نووی رحمۃ اللہ علیہ (۶۷۶ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا الدُّعَاءُ عَلَى أَعْضَاءِ الْوُضُوءِ، فَلَمْ يَجِئْ فِيهِ شَيْءٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

”وضو کے ہر عضو پر دُعا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔“

(الأذکار، ص 70)

✽ ✽ ————— ● ————— ✽ ✽  
 علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ (۷۵ھ) اسے بدعت قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

أَمَّا الذِّكْرُ الَّتِي يَقُولُهَا الْعَامَّةُ عَلَى الْوُضُوءِ، عِنْدَ كُلِّ وَضُوءٍ،  
 فَلَا أَصْلَ لَهَا، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا  
 عَنْ أَحَدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ، وَالتَّابِعِينَ، وَلَا الْأَيْمَةِ الْأَرْبَعَةِ، وَفِيهَا  
 حَدِيثٌ كَذِبٌ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

”وضو کے ہر ہر عضو کو دھوتے وقت عوام الناس جو اذکار پڑھتے ہیں، ان کا ثبوت نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، نہ صحابہ و تابعین اور ائمہ اربعہ سے۔ اس بارے میں ایک جھوٹی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کی گئی ہے۔“

(الوابل الصیب، ص 384)

البتہ وضو سے پہلے بسم اللہ اور وضو کے بعد اذکار ثابت ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ انہی کو یاد کریں اور پڑھیں تاکہ دین و دنیا کی بھلائیاں سمیٹ سکیں۔

**(سوال):** وضو کے بعد یا وضو میں پاؤں دھوتے وقت سورت القدر پڑھنا کیسا ہے؟

**(جواب):** بدعت ہے، اس حوالے سے یہ غیر معتبر روایت بھی وارد ہوئی ہے۔

✽ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ قَرَأَ فِي إِثْرِ وَضُوءِهِ: ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾، مَرَّةً وَاحِدَةً،  
 كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ، وَمَنْ قَرَأَهَا مَرَّتَيْنِ، كُتِبَ فِي دِيْوَانِ  
 الشُّهَدَاءِ، وَمَنْ قَرَأَهَا ثَلَاثًا، حَشَرَهُ اللَّهُ مَحْشَرَ الْأَنْبِيَاءِ.

”جو شخص وضو کرنے کے بعد ایک دفعہ سورت القدر کی تلاوت کرتا ہے، وہ

صدیقین میں شمار کیا جاتا ہے، جو اسے دو مرتبہ پڑھتا ہے، اس کا نام شہدا کے رجسٹر میں لکھ دیا جاتا ہے اور جو اسے تین مرتبہ پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے انبیائے کرام کے ساتھ حشر میں جمع فرمائے گا۔“

(مسند الدیلمی، نقلاً عن الحاوی للفتاوی للسیوطی: 1/339)

✿ علامہ سیوطی اس کے ایک راوی کے بارے میں لکھتے ہیں:

أَبُو عُبَيْدَةَ مَجْهُولٌ .

”ابو عبیدہ نامی شخص مجہول ہے۔“

✿ علامہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے:

فِي سَنَدِهِ مَجْهُولٌ .

”اس کی سند میں مجہول راوی ہے۔“

(الفتاویٰ الفقہیۃ الکبریٰ: 1/59)

✿ اس کی سند میں حسن بصری رحمہ اللہ کا معنیہ بھی ہے۔

✿ ابو عبیدہ سے نیچے سند بھی مذکور نہیں۔

✿ حافظ سخاوی رحمہ اللہ اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں:

كَذَا قِرَاءَةُ سُورَةِ ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ﴾، عَقِبَ الْوُضُوءِ، لَا أَصْلَ لَهُ .

”اسی طرح وضو کے بعد سورت قدر کی تلاوت بے اصل (بدعت) ہے۔“

(المقاصد الحسنیۃ، ص 664)

**سوال:** کیا فرض نماز کی آخری دو رکعتوں میں سورت فاتحہ کے علاوہ کسی اور سورت

کی قرأت بھی کی جاسکتی ہے؟



(جواب): فرض نماز کی آخری دو رکعتوں میں فاتحہ کے علاوہ بھی قرأت کی جاسکتی ہے۔

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَأُ فِي صَلَاةِ الظُّهْرِ،  
فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ، فِي كُلِّ رَكْعَةٍ قَدْرَ ثَلَاثِينَ آيَةً، وَفِي  
الْآخِرَيْنِ قَدْرَ خَمْسَ عَشْرَةَ آيَةً.

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سے ہر رکعت میں تقریباً تیس آیات کی تلاوت فرماتے اور آخری دو رکعتوں میں تقریباً پندرہ آیات کی۔“

(صحیح مسلم: 452)

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ فرض نماز کی آخری دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے علاوہ بھی کچھ پڑھنا سنت و مستحب ہے۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نمازِ مغرب کی امامت کی، تو تیسری رکعت میں آیت کریمہ ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا...﴾ (آل عمران: ۸) کی تلاوت فرمائی۔

(الموطأ للإمام مالک: 25، وسندہ صحیح)

نافع رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

كَانَ إِذَا صَلَّى وَحْدَهُ، يَقْرَأُ فِي الْأَرْبَعِ جَمِيعًا، فِي كُلِّ رَكْعَةٍ،  
بِأَمِّ الْقُرْآنِ وَسُورَةٍ مِّنَ الْقُرْآنِ، وَكَانَ يَقْرَأُ أَحْيَانًا بِالسُّورَتَيْنِ  
وَالثَّلَاثِ فِي الرَّكْعَةِ الْوَاحِدَةِ مِنْ صَلَاةِ الْفَرِيضَةِ، وَيَقْرَأُ فِي  
الرَّكْعَتَيْنِ مِنَ الْمَغْرِبِ، كَذَلِكَ، بِأَمِّ الْقُرْآنِ وَسُورَةٍ سُورَةٍ.

”آپ رضی اللہ عنہ جب اکیلے نماز ادا کرتے، تو چاروں رکعتوں میں سورت فاتحہ اور

قرآنِ کریم کی کوئی سورت پڑھتے۔ کبھی فرض نماز کی ایک رکعت میں دو دو، تین تین سورتیں بھی پڑھ لیتے تھے۔ مغرب کی دونوں رکعتوں میں اسی طرح سورہ فاتحہ اور ایک ایک سورت کی تلاوت فرماتے تھے۔“

(المؤطأ للإمام مالك : 26 ، وسنده صحيح)

یہاں یہ بھی یاد رہے کہ فرض نماز کی آخری دو رکعتوں میں صرف سورت فاتحہ پر اکتفا کرنا بھی مسنون ہے۔ (صحیح مسلم: ۴۵۱)

**(سوال):** جمعہ کی رات نمازِ عشاء کی پہلی رکعت میں سورت جمعہ اور دوسری میں سورت منافقون کی قرأت کرنا کیسا ہے؟

**(جواب):** جمعہ کی رات نمازِ عشاء میں کوئی مخصوص قرأت رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں۔

❁ سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے :

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي صَلَاةِ الْعِشَاءِ  
الْآخِرَةِ، لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ، سُورَةَ الْجُمُعَةِ وَالْمُنَافِقِينَ .

”رسول اللہ ﷺ جمعہ کی رات عشاء کی نماز میں سورہ جمعہ اور سورہ منافقون کی قرأت فرماتے تھے۔“

(صحيح ابن حبان: 1841 ، السنن الكبرى للبيهقي: 201/3)

سند سخت ”ضعيف“ ہے۔

① سعید بن سماک بن حرب کو امام ابو حاتم رازی رضی اللہ عنہ نے ”متروک الحدیث“

قرار دیا ہے۔

(الجرح والتعديل: 32/4)

۲) سماک بن حرب اگرچہ ”ثقفہ“ ہیں، لیکن آخری عمر میں ان کا حافظہ بگڑ گیا تھا۔ سعید بن سماک ان لوگوں میں سے نہیں، جنہوں نے سماک بن حرب سے ان کے حافظے کی خرابی سے پہلے روایات سنی تھیں۔

✽ ناصر السنہ، علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اس حدیث سے تو استحباب بھی ثابت نہیں ہوتا، چہ جائیکہ سنت ہونا ثابت ہو۔ بلکہ اس پر پابندی کرنا بدعت ہوگا۔ دمشق اور شام کے دیگر علاقوں میں بہت سے ائمہ مساجد ایسا کرتے ہیں۔ انہوں نے تو بدعت اور لوگوں کی خوش نودی دونوں چیزوں کو جمع کیا ہوا ہے۔ انہوں نے اپنے خیال میں لوگوں پر تخفیف کرنے کے لیے سورہ منافقون کی تلاوت بالکل ترک کر دی ہے اور دونوں رکعتوں میں سورہ جمعہ کے آخری رکوع کی تلاوت کرتے ہیں۔“

(سلسلۃ الأحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ: 2/35، ح: 559)

**(سوال):** اہل کتاب کے علاوہ غیر مسلم عورتوں سے نکاح کے متعلق کیا حکم ہے؟

**(جواب):** اہل کتاب کے علاوہ کسی غیر مسلم عورت سے نکاح جائز نہیں۔

✽ امام ابو عبید قاسم بن سلام رحمۃ اللہ علیہ (۲۲۴ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّمَا اتَّفَقَتِ الْعُلَمَاءُ عَلَى تَحْرِيمِهَا.

”اہل علم کا اتفاق ہے کہ مجوس (وغیرہ) کی عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے۔“

(الناسخ والمنسوخ، ص 97)

**(سوال):** امام شعیبی رحمۃ اللہ علیہ روافض کے بارے میں کیا رائے رکھتے تھے؟

**(جواب):** امام شعیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لَوْ كَانَتْ الشَّيْعَةُ مِنَ الطَّيْرِ لَكَانُوا رَحْمًا وَلَوْ كَانُوا مِنَ  
الْبَهَائِمِ لَكَانُوا حُمْرًا.

”اگر شیعہ پرندوں میں ہوتے، تو گدھ ہوتے اور اگر جانوروں میں ہوتے، تو  
گدھے ہوتے۔“

(تاریخ ابن عساکر: 373/25، وسندہ صحیح)

✽ امام شعیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

حُبَّ أَهْلِ بَيْتِ نَبِيِّكَ وَلَا تَكُنْ رَافِضِيًّا.

”اپنے نبی کے اہل بیت سے محبت کیجئے اور رافضی مت بنئے۔“

(تاریخ ابن معین بروایۃ الدّوری: 1163، وسندہ صحیح)

**سوال:** قرآن کریم میں نسخ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

**جواب:** قرآن میں نسخ ثابت ہے۔

✽ علامہ رازی رضی اللہ عنہ (۶۰۶ھ) فرماتے ہیں:

اتَّفَقَتِ الْأُمَّةُ عَلَى جَوَازِ نَسْخِ الْقُرْآنِ.

”امت کا اتفاق ہے کہ قرآن میں نسخ جائز ہے۔“

(المحصول: 307/3)

## فتاویٰ امن پوری (قسط ۱۷۳)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

**سوال:** مندرجہ ذیل حدیث کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

فرماتے ہوئے سنا:

لَوْ كَانَ بَعْدِي نَبِيٌّ لَّكَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ .

”اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا، تو وہ عمر بن خطاب ہوتے۔“

(سنن الترمذی: 3686، مسند الإمام أحمد: 4/154، المستدرک للحاکم: 3/85)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ”حسن غریب“، امام حاکم رحمہ اللہ نے ”صحیح الاسناد“

اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ”صحیح“ کہا ہے۔

**جواب:** یہ حدیث منکر (ضعیف) ہے۔

مشرح بن ہاعان اگرچہ ثقہ راوی ہے، مگر اس کی سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت

”منکر“ ہوتی ہے۔

امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

يُرْوَى عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ أَحَادِيثٌ مَنَاقِيرَ لَا يُتَابَعُ عَلَيْهَا ...

وَالصَّوَابُ فِي أَمْرِهِ تَرْكُ مَا أَنْفَرَدَ مِنَ الرِّوَايَاتِ وَالِاعْتِبَارُ بِمَا

وَأَفَقَ الثَّقَاتَ .

”مشرح نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے منکر روایات بیان کی ہیں، جن کی متابعت نہیں ہوئی۔... راجح یہ ہے کہ اس کی منفرد روایات چھوڑ دی جائیں اور ثقات کے موافق روایات لے لی جائیں۔“ (کتاب المَجْرُوحِينَ: 28/3)

اس روایت میں بھی مشرح بن ہاعان منفرد ہے، لہذا اس کی یہ روایت قبول نہیں کی جائے گی۔

❁ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ سے مذکورہ حدیث کے بارے پوچھا گیا، تو فرمایا:

اَضْرِبْ عَلَيْهِ؛ فَإِنَّهُ عِنْدِي مُنْكَرٌ .

”اسے چھوڑیے، میرے نزدیک یہ منکر ہے۔“

(الْمُنْتَخَبُ مِنَ عِلَلِ الْخَلَالِ، ص 189)

علل حدیث خاص فن ہے، جو چندہ افراد کو دلیعت ہوا ہے۔ جب علل حدیث کے ماہرین ائمہ کسی حدیث کی علت بیان کر دیں، تو ان کی بات معتبر ہے، خواہ ظاہر میں سند صحیح معلوم ہو، کیونکہ حدیث کی مخفی علتیں ان پر منکشف ہو گئی تھیں، جن سے بعد والے ناواقف ہیں۔ اسی لیے جو لوگ اس علم سے نا آشنا ہیں، وہ اہل فن ائمہ حدیث پر انگشت نمائی کرتے ہیں۔

❁ امام عبدالرحمن بن مہدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

إِنكَارُنَا الْحَدِيثَ عِنْدِ الْجُهَالِ كِهَانَةٌ .

”ہم (محدثین) کسی حدیث کو منکر قرار دیں، تو جہلا اسے کہانت سے تعبیر کرتے ہیں۔“

(عِلَلُ ابْنِ أَبِي حَاتِمٍ: 389/1، وسندہ صحیح)

**(سوال):** موزوں پر مسح کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

**(جواب):** موزوں پر مسح کرنا جائز ہے، اس بارے میں متواتر احادیث ثابت ہیں۔ اہل سنت کے نزدیک یہ حق ہے، شیعہ اسے دین نہیں مانتے۔

✽ علامہ ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ (۵۴۳ھ) کہتے ہیں:

إِنَّهَا أَصْلٌ فِي الشَّرِيعَةِ وَعَلَامَةٌ مُفَرِّقَةٌ بَيْنَ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْبِدْعَةِ،  
وَرَدَّتْ بِهِ الْأَخْبَارُ، فَإِنْ قِيلَ: هِيَ أَخْبَارٌ آحَادٍ، وَخَبْرُ الْوَاحِدِ  
عِنْدَ الْمُبْتَدِعَةِ بَاطِلٌ، قُلْنَا: خَبْرُ الْوَاحِدِ أَصْلٌ عَظِيمٌ لَا يُنْكَرُهُ  
إِلَّا زَائِعٌ، وَقَدْ أَجْمَعَتِ الصَّحَابَةُ عَلَى الرَّجُوعِ إِلَيْهِ .....  
الْجَوَابُ الثَّانِي: إِنَّهَا مَرْوِيَّةٌ تَوَاتُرًا؛ لِأَنَّ الْأُمَّةَ اتَّفَقَتْ عَلَى  
نَقْلِهَا خَلْفًا عَنْ سَلَفٍ، وَإِنْ أُضِيفَتْ إِلَى آحَادٍ، كَمَا أُضِيفَ  
اِخْتِلَافُ الْقُرَّاءِ إِلَى الْقُرَّاءِ فِي نَقْلِ الْقُرْآنِ، وَهُوَ مُتَوَاتِرٌ.

”موزوں پر مسح کا جواز شریعت کا بنیادی مسئلہ ہے، نیز اہل سنت اور اہل بدعت کے درمیان حد فاصل ہے۔ موزوں پر مسح کے بارے میں احادیث آئی ہیں، اگر کوئی اعتراض کرے کہ یہ احادیث اخبار آحاد ہیں اور خبر واحد (ہم) اہل بدعت کے نزدیک باطل ہوتی ہے، تو ہمارا (اہل سنت کا) جواب یہ ہوگا کہ خبر واحد تو بنیادی چیز ہے، جس کا انکار صرف گمراہ ہی کر سکتا ہے، جبکہ صحابہ کرام کا خبر واحد کی طرف رجوع کرنے پر اجماع ہے۔..... دوسرا جواب یہ ہے کہ موزوں پر مسح کی احادیث متواتر منقول ہیں، کیونکہ ان احادیث کو پے در پے

نقل کرنے پر امت نے اجماع کیا ہے، گو کہ انہیں اخبار آحاد کہا گیا ہے، جیسا کہ قرآن کو نقل کرنے میں قرأتوں کے اختلاف کو بعض قراء سے منسوب کیا گیا ہے، حالانکہ قرآن متواتر ہے۔“

(أحكام القرآن: 73/2)

**(سوال):** کیا محمد بن قاسم رضی اللہ عنہ کا سندھ میں آنا ثابت ہے؟

**(جواب):** محمد بن قاسم بن محمد بن حکم ابن ابی عقیل ثقفی رضی اللہ عنہ (۹۸ھ) کا سندھ میں آنا

ثابت نہیں۔ اس واقعہ کا انحصار مندرجہ ذیل سند پر ہے؛

عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمَدَائِنِيِّ عَنْ أَبِي مُحَمَّدٍ الْهِنْدِيِّ عَنْ أَبِي الْفَرَجِ .

(فتوح البلدان للبلاذري، ص 261)

یہ سند ثابت نہیں۔

① صاحب کتاب بلاذری کی معتبر توثیق ثابت نہیں۔

②، ③ ابو محمد ہندی اور ابو الفرج دونوں کا تعین اور توثیق نہیں مل سکی۔

**(سوال):** بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلاں سمت پیٹھ نہ کی جائے کہ اس طرف فلاں ولی

رہتا ہے، وغیرہ، اس کی کیا حقیقت ہے؟

**(جواب):** یہ اولیا کی شان میں غلو ہے اور نصاریٰ کی نقالی ہے۔

❁ شیخ الاسلام، علامہ ابن تیمیہ رضی اللہ عنہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ بَعْضَ النَّاسِ يَمْتَنِعُ مِنْ اسْتِدْبَارِ الْجِهَةِ الَّتِي فِيهَا بَعْضُ الصَّالِحِينَ، وَهُوَ يَسْتَدِيرُ الْجِهَةَ الَّتِي فِيهَا بَيْتُ اللَّهِ وَقَبْرُ رَسُولِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَكُلُّ هَذِهِ الْأَشْيَاءِ مِنَ الْبِدْعِ



الَّتِي تَضَاهِي دِينَ النَّصَارَى .

”بعض لوگ اس سمت پیٹھ کرنے سے احتراز کرتے ہیں کہ اس طرف نیک لوگ رہتے ہیں، جبکہ یہ اس سمت کی طرف پیٹھ کر لیتا ہے، جس میں بیت اللہ اور قبر رسول ﷺ ہے۔ یہ سب بدعات ہیں، جو دین نصاریٰ کے مشابہ ہیں۔“

(إقتضاء الصّراطِ المُستقيم: 241/2)

**سوال:** کیا روافض منکرین حدیث ہیں؟

**جواب:** روافض صحابہ کو نہیں مانتے، تو ان کی بیان کردہ احادیث کو کیسے مان سکتے

ہیں؟ لہذا روافض منکرین حدیث ہیں۔

❁ علامہ عبدالقادر بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (۴۲۹ھ) فرماتے ہیں:

كَيْفَ يَكُونُ الرَّافِضَةُ وَالْخَوَارِجُ وَالْقَدْرِيَّةُ وَالْجَهْمِيَّةُ  
وَالنَّجَارِيَّةُ وَالْبِكْرِيَّةُ وَالضَّرَارِيَّةُ مُوَافِقِينَ لِلصَّحَابَةِ وَهُمْ  
بِأَجْمَعِهِمْ لَا يَقْبَلُونَ شَيْئًا مِمَّا رُوِيَ عَنِ الصَّحَابَةِ فِي أَحْكَامِ  
الشَّرِيعَةِ لِامْتِنَاعِهِمْ مِنْ قُبُولِ رِوَايَاتِ الْحَدِيثِ وَالسِّيَرِ  
وَالْمَغَازِيِّ مِنْ أَجْلِ تَكْفِيرِهِمْ لِأَصْحَابِ الْحَدِيثِ الَّذِينَ هُمْ  
نَقْلُهُ الْأَخْبَارِ وَالْأَثَارِ وَرِوَاةِ التَّوَارِيخِ وَالسِّيَرِ وَمِنْ أَجْلِ  
تَكْفِيرِهِمْ فُقَهَاءَ الْأُمَّةِ الَّذِينَ ضَبَطُوا آثَارَ الصَّحَابَةِ وَقَاسُوا  
فُرُوعَهُمْ عَلَى فَتَاوَى الصَّحَابَةِ وَلَمْ يَكُنْ بِحَمْدِ اللَّهِ وَمِنْهُ  
فِي الْخَوَارِجِ وَلَا فِي الرِّوَاغِ وَلَا فِي الْجَهْمِيَّةِ وَلَا فِي

الْقَدْرِيَّةِ وَلَا فِي الْمَجْسَمَةِ وَلَا فِي سَائِرِ أَهْلِ الْأَهْوَاءِ الضَّالَّةِ  
 قَطُّ إِمَامٌ فِي الْفِقْهِ وَلَا إِمَامٌ فِي رِوَايَةِ الْحَدِيثِ وَلَا إِمَامٌ فِي  
 اللُّغَةِ وَالنَّحْوِ وَلَا مَوْثُوقٌ بِهِ فِي نَقْلِ الْمَغَازِيِّ وَالسِّيَرِ  
 وَالتَّوَارِيخِ وَلَا إِمَامٌ فِي الْوَعْظِ وَالتَّذْكِيرِ وَلَا إِمَامٌ فِي التَّوْبِيلِ  
 وَالتَّفْسِيرِ، وَإِنَّمَا كَانَ أَيْمَةً هَذِهِ الْعُلُومِ عَلَى الْخُصُوصِ  
 وَالْعُمُومِ مِنْ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ، وَأَهْلُ الْأَهْوَاءِ الضَّالَّةِ إِذَا  
 رَدُّوا الرِّوَايَاتِ الْوَارِدَةَ عَنِ الصَّحَابَةِ فِي أَحْكَامِهِمْ وَسِيَرِهِمْ  
 لَمْ يَصِحَّ اقْتِدَاؤُهُمْ بِهِمْ مَتَى لَمْ يُشَاهِدُوهُمْ وَلَمْ يَقْبَلُوا رِوَايَةَ  
 أَهْلِ الرِّوَايَةِ عَنْهُمْ وَبَانَ مِنْ هَذَا أَنَّ الْمُفْتَدِينَ بِالصَّحَابَةِ مَنْ  
 يَعْمَلُ بِمَا قَدْ صَحَّ بِالرِّوَايَةِ الصَّحِيحَةِ فِي أَحْكَامِهِمْ  
 وَسِيَرِهِمْ وَذَلِكَ سُنَّةُ أَهْلِ السُّنَّةِ دُونَ ذَوِي السُّنَّةِ .

”روافض، خوارج، قدریہ، جہمیہ، نجاریہ، بکر یہ اور ضراریہ وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم  
 کے موافق کیسے ہو سکتے ہیں، جبکہ یہ صحابہ سے احکام شرعیہ میں مروی کسی  
 روایت کو قبول نہیں کرتے، ان کے احادیث اور سیر و مغازی قبول نہ کرنے کی  
 وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے احادیث و آثار اور توارخ و سیر کو نقل کرنے والے  
 محدثین کی تکفیر کی ہے، اسی طرح انہوں نے فقہائے امت کی بھی تکفیر کی ہے  
 کہ جنہوں نے صحابہ کرام کے آثار کو ضبط کیا اور فروعی مسائل کو صحابہ کے فتاویٰ  
 پر قیاس کیا۔ اللہ کا شکر اور احسان ہے کہ خوارج، روافض، جہمیہ، قدریہ، مجسمہ

اور دیگر گمراہ فرقوں میں کوئی بھی فقہ، حدیث، لغت یا نحو کا امام نہیں ہوا، نہ مغازی، سیر اور تواریخ کے فن میں ان کا کوئی قابل اعتبار فرد گزارا ہے، اسی طرح وعظ، تذکیر اور تاویل و تفسیر کے فن میں ان میں کوئی امام نہیں ہوا۔ بلکہ ان علوم کے ائمہ بالخصوص اور بالعموم اہل سنت والجماعت میں ہی ہوئے ہیں۔ گمراہ اہل رائے نے جب صحابہ کرام کی احکام اور سیر میں مروی روایات کو رد کر دیا، تو ان کے لیے صحابہ کی اقتدا کرنا صحیح نہ ہوا، کیونکہ انہوں نے نہ تو خود صحابہ کرام کو دیکھا ہے اور نہ انہوں نے صحابہ سے نقل کرنے والوں کی روایات کو قبول کیا ہے، تو اس سے واضح ہو گیا کہ صحابہ کی اقتدا کرنے والے وہ ہیں، جو احکام و سیر میں صحابہ سے مروی صحیح روایات پر عمل کرتے ہیں۔ یہ اہل سنت کا طریقہ ہے، کسی دوسرے کا نہیں۔“

(الفرق بین الفرق، ص 308)

**سوال:** بعض کہتے ہیں کہ آیت: ﴿مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ﴾ سے مراد سیدنا علی اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہما ہیں اور آیت: ﴿يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ﴾ سے مراد سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما ہیں۔ اس کی کیا حقیقت ہے؟

**جواب:** یہ تفسیر نہیں، تحریف والحاد ہے۔

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

التَّفْسِيرُ بِمِثْلِ هَذَا طَرِيقٌ لِلْمَلَا حِدَةِ عَلَى الْقُرْآنِ وَالطَّعْنُ فِيهِ .

”اس طرح کی تفسیر ملحدین کرتے ہیں، یہ قرآن کریم میں طعن ہے۔“

(منہاج السنّة: 245/7)

❁ علامہ زکشی رحمۃ اللہ علیہ (۷۹۴ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا التَّوِيلُ الْمُخَالَفُ لِلآيَةِ وَالشَّرْعِ فَمَحْظُورٌ لِأَنَّهُ تَأْوِيلُ  
الْجَاهِلِينَ مِثْلُ تَأْوِيلِ الرَّوَافِضِ .....

”آیت اور شریعت کے مخالف تفسیر کرنا حرام ہے، کیونکہ یہ جاہلوں کی تفسیر ہے،  
جیسا کہ روافض نے (مذکورہ بالا آیات کی من چاہی) تفسیر کی ہے.....“

(البرهان في علوم القرآن: 152/2)

**سوال:** مجہول راوی کی روایت کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

**جواب:** مجہول کی روایت سے حجت پکڑنا جائز نہیں۔

❁ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الْمُحَدِّثُ إِذَا لَمْ يَعْرِفْ شَخْصَهُ لَمْ يَكُنْ لَهُ أَنْ يَرْوِيَ عَنْهُ  
بِاجْتِمَاعِ الْأُمَّةِ .

”محدث کسی راوی کو سرے سے جانتا ہی نہ ہو، تو اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ

اس راوی کی روایت سے حجت پکڑے، اس پر امت کا اجماع ہے۔“

(سؤالات السجزي للحاكم: 288)

**سوال:** کیا سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی اور سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی والدہ سیدہ

اسماء رضی اللہ عنہا سے متعہ کرنا ثابت ہے؟

**جواب:** بعض احادیث میں حج تمتع کو بھی متعہ کہا گیا ہے۔ اس سے بھی بعض کو وہم

ہوا ہے اور ان احادیث کو نکاح متعہ پر دلیل بنایا گیا۔

❁ مسلم القری، تابعی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں:

دَخَلْنَا عَلَىٰ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ، فَسَأَلْنَاهَا عَنِ مُتْعَةِ النِّسَاءِ،  
فَقَالَتْ: فَعَلْنَاهَا عَلَىٰ عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.  
”ہم سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور ان سے عورتوں کے متعہ  
(حج) کے بارے میں سوال کیا، تو انہوں نے فرمایا: ہم نے رسول اللہ ﷺ  
کے عہد مبارک میں ایسا کیا تھا۔“

(السَّنن الكِبْرِي لِلنَّسَائِي: 5515، مسند الطيالسي: 1742، وسنده حسن)

معجم کبیر طبرانی (103/24) میں صرف ”متعہ“ کے الفاظ ہیں۔  
جبکہ اس ”متعہ“ سے مراد حج تمتع ہے، کیونکہ اسے بھی مجازاً متعہ حج کہا جاتا ہے۔ اصل  
عبارت یوں ہے:

فَسَأَلْنَاهَا عَنِ مُتْعَةِ الْحَجِّ لِلنِّسَاءِ .  
”ہم نے سیدہ اسماء سے عورتوں کے لیے حج تمتع کے بارے میں پوچھا۔“  
اسی پر انہوں نے بتایا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں حج تمتع کیا تھا،  
اس کی وضاحت صحیح مسلم میں موجود ہے:

❁ مسلم القری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

سَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا عَنِ مُتْعَةِ الْحَجِّ،  
فَرَخَّصَ فِيهَا، وَكَانَ ابْنُ الزُّبَيْرِ يَنْهَى عَنْهَا، فَقَالَ: هَذِهِ أُمُّ ابْنِ  
الزُّبَيْرِ تُحَدِّثُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ  
فِيهَا، فَادْخُلُوا عَلَيْهَا، فَاسْأَلُوهَا، قَالَ: فَدَخَلْنَا عَلَيْهَا، فَإِذَا امْرَأَةٌ

ضَخْمَةٌ عَمِيَاءُ، فَقَالَتْ : قَدْ رَخَّصَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهَا .

”میں نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے حج تمتع کے بارے میں سوال کیا، تو انہوں نے اس کی رخصت دی، جبکہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اس سے منع فرماتے تھے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی والدہ ہی بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی رخصت دی تھی، ان کے پاس جائیے اور پوچھ لیجئے۔ ہم سیدہ اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما کے پاس حاضر ہوئے، وہ نایبنا اور بھاری بھر کم عورت تھیں۔ انہوں نے فرمایا کہ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج تمتع کی اجازت دی تھی۔“

(صحیح مسلم : 1238)

اس کی مزید تائید صحیح بخاری (1796) اور صحیح مسلم (1237) کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ ثابت ہوا کہ حدیث میں متعہ سے مراد متعۃ الحج ہے، نہ کہ نکاح متعہ۔ لہذا سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے متعۃ الزکاح ثابت نہیں۔

**(سوال):** اگر کسی کی رائے اور اجتہاد کے خلاف حدیث آجائے، تو کیا کیا جائے؟

**(جواب):** اگر کسی رائے یا اجتہاد کے مخالف حدیث رسول کا علم ہو جائے، تو رائے کو

ترک کرنا اور حدیث رسول کو حرزِ جاں بنانا واجب ہے۔

✽ علامہ ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ (۷۹۵ھ) فرماتے ہیں:

أَلْوَجِبُ عَلَى كُلِّ مَنْ بَلَغَهُ أَمْرُ الرَّسُولِ وَعَرَفَهُ، أَنْ يُبَيِّنَهُ لِلْأُمَّةِ وَيَنْصَحَ لَهُمْ، وَيَأْمُرَهُمْ بِاتِّبَاعِ أَمْرِهِ وَإِنْ خَالَفَ ذَلِكَ

رَأْيٍ عَظِيمٍ مِنَ الْأَمَّةِ، فَإِنَّ أَمْرَ الرَّسُولِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَقُّ أَنْ يُعَظَّمَ وَيُقْتَدَى بِهِ مِنْ رَأْيِ مُعَظَّمٍ، قَدْ خَالَفَ أَمْرَهُ فِي بَعْضِ الْأَشْيَاءِ خَطَأً، وَمِنْ هُنَا رَدَّ الصَّحَابَةُ وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِنَ الْعُلَمَاءِ عَلَى كُلِّ مَنْ خَالَفَ سُنَّةَ صَحِيحَةٍ، وَرَبَّمَا أَعْلَظُوا فِي الرَّدِّ، لَا بُغْضًا لَهُ؛ بَلْ هُوَ مَحْبُوبٌ عِنْدَهُمْ، مُعَظَّمٌ فِي نَفْسِهِمْ؛ لَكِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَبُّ إِلَيْهِمْ، وَأَمْرُهُ فَوْقَ أَمْرِ كُلِّ مَخْلُوقٍ، فَإِذَا تَعَارَضَ أَمْرُ الرَّسُولِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَمْرٌ غَيْرُهُ فَأَمْرُ الرَّسُولِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْلَى أَنْ يُقَدَّمَ وَيَتَّبَعَ، وَلَا يَمْنَعُ مِنْ ذَلِكَ تَعْظِيمُ مَنْ خَالَفَ أَمْرَهُ لِأَنَّهُ كَانَ مَغْفُورًا لَهُ؛ بَلْ ذَلِكَ الْمَخَالِفُ الْمَغْفُورُ لَهُ لَا يَكْرَهُ أَنْ يُخَالَفَ أَمْرَهُ إِذَا ظَهَرَ أَمْرُ الرَّسُولِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِخِلَافِهِ؛ بَلْ يَرْضَى بِمُخَالَفَةِ أَمْرِهِ وَمُتَابَعَةِ أَمْرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا ظَهَرَ أَمْرُهُ بِخِلَافِهِ.

”جسے رسول اللہ ﷺ کا حکم پہنچے اور وہ اسے جان لے، تو اس پر واجب ہے کہ وہ اسے امت پر واضح کرے اور ان کی خیر خواہی کرے، انہیں حکم رسول کے اتباع کا حکم دے، خواہ امت کی بہت بڑی شخصیت کی رائے اس کے خلاف

ہو، کیونکہ کسی بھی شرعی معاملہ میں بڑی شخصیت کی مبنی برخطارائے کے مقابلہ میں رسول اللہ ﷺ کا حکم زیادہ لائق تعظیم اور لائق اتباع ہے، اسی وجہ سے صحابہ کرام اور بعد والے اہل علم نے ہر اس شخص کا رد کیا، جس نے سنت کی مخالفت کی، بسا اوقات تو رد کرنے میں سختی بھی کی، ایسا انہوں نے بغض یا نفرت کی بنا پر نہیں کیا، بلکہ وہ شخصیت ان کے ہاں محبوب اور قابل قدر تھی، مگر انہیں رسول اللہ ﷺ اس سے بھی زیادہ محبوب تھے اور ان کے نزدیک آپ ﷺ کا حکم ہر ایک کے حکم پر فائق تھا، لہذا جب رسول اللہ ﷺ کا حکم اور کسی امتی کا حکم باہم معارض ہوں، تو رسول اللہ ﷺ کا حکم ہی مقدم اور قابل اتباع ہے۔ اس سے اس شخص کی تعظیم میں کوئی فرق نہیں آئے گا، جس نے رسول اللہ ﷺ کے مخالف حکم دیا ہے، کیونکہ اس کی (اجتہادی) خطا معاف ہے، بلکہ اگر اسے معلوم ہو جائے کہ اس کا حکم رسول اللہ ﷺ کے خلاف ہے، تو اپنی مخالفت کو ناپسندیدہ نہیں کرے گا، بلکہ اپنی مخالفت اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کی موافقت پر راضی ہو جائے گا۔“

(مجموع رسائل ابن رجب: 245/1)

**سوال:** ائمہ مجتہدین کی طرف بے سند اقوال منسوب کرنا کیسا ہے؟

**جواب:** ائمہ مجتہدین کے جو اجتہادات بسند صحیح ثابت ہیں، انہیں کو ائمہ کی طرف منسوب کرنا چاہیے، بے سند اقوال کو ائمہ سے منسوب کرنا جائز نہیں۔ مقلدین اپنے اپنے ائمہ سے منسوب بہت سارے بے سند اقوال بیان کرتے ہیں، جو بظاہر شرعی نصوص کے مخالف ہیں، حقیقت میں وہ اقوال ان ائمہ سے ثابت ہی نہیں، ائمہ ان سے بری ہیں۔ ان



اقوال کی ان ائمہ کی طرف نسبت کرنا حرام ہے، کیونکہ یہ ان پر جھوٹ اور بہتان ہے، جو کہ حرام ہے۔

❁ علامہ ابن دینار رضی اللہ عنہ (۷۷۰۲) فرماتے ہیں:

إِنَّ نِسْبَةَ هَذِهِ الْمَسَائِلِ إِلَى الْأَئِمَّةِ الْمُجْتَهِدِينَ حَرَامٌ وَأَنَّهُ  
يَجِبُ عَلَى الْفُقَهَاءِ الْمُقَلِّدِينَ لَهُمْ مَعْرِفَتَهَا لِئَلَّا يَعْزُوهَا  
إِلَيْهِمْ فَيَكْذِبُوا عَلَيْهِمْ.

”ان (بے سند مخالف شرع) مسائل کی ائمہ مجتہدین کی طرف نسبت کرنا حرام ہے، ان ائمہ کے مقلد فقہاء پر واجب ہے کہ ان مسائل کی معرفت حاصل کریں، تاکہ وہ ان مسائل کو ائمہ سے منسوب کر کے ان پر جھوٹ نہ باندھیں۔“

(إيقاظ همم أولي الأبصار للفلاني، ص 99)

**سوال:** مندرجہ ذیل اثر کی سند کیسی ہے؟

❁ سیدنا مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

دَفَنَّا أَبَا بَكْرٍ لَيْلًا فَقَالَ عُمَرُ: إِنِّي لَمْ أُوتِرْ فَقَامَ وَصَفَفْنَا وَرَأَاهُ  
فَصَلَّى بِنَا ثَلَاثَ رَكَعَاتٍ لَمْ يُسَلِّمْ إِلَّا فِي آخِرِ هِنِّ.  
”سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تدفین رات کو ہوئی، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے وتر رہ گئے تھے،  
آپ وہ پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے، تو ہم نے آپ کے پیچھے صف بنالی۔  
آپ رضی اللہ عنہ نے تین وتر پڑھائے اور آخر میں سلام پھیرا۔“

(شرح معاني الآثار للطحاوي 1/393)

**جواب:** اس اثر کی سند غیر ثابت ہے، ابن سباق کی سیدنا مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے

سماع و لقا کی تصریح نہیں مل سکی۔

(سوال) امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا قول: لَا يُحَكِّمُ بِالضُّعْفَاءِ عَلَى الثَّقَاتِ (اسنن

الکبریٰ، تحت الحدیث: ۵۹۶۷) کا کیا مفہوم ہے؟

(جواب) اس سے مراد ہے کہ اگر کسی روایت کو ضعیف راوی بیان کریں اور ثقہ راوی

ان کے مخالف روایت بیان کریں، تو ضعیف راویوں کی بیان کردہ روایت کو ثقہ کی بیان کردہ روایت پر ترجیح نہیں ہوگی، بلکہ ثقہ راویوں کی بیان کردہ روایت ہی راجح ہوگی۔

(سوال) عذاب قبر کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

(جواب) عذاب قبر حق ہے، قرآن و احادیث اور اجماع امت اس پر دلیل ہیں۔

✽ علامہ ابن رسلان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فِيهِ إِثْبَاتٌ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَهُوَ مَذْهَبُ أَهْلِ الْحَقِّ، خِلَافًا  
لِبَعْضِ الْمُلْحِدِينَ .

”اس حدیث میں عذاب قبر کا ثبوت ہے، اہل حق کا یہی مذہب ہے، البتہ بعض

ملحدین نے مخالفت کی ہے۔“

(شرح أبي داود: 335/19)

✽ علامہ عزیزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فِي الْحَدِيثِ دَلِيلٌ عَلَى إِثْبَاتِ عَذَابِ الْقَبْرِ وَهُوَ مَذْهَبُ أَهْلِ

السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَهُوَ مِمَّا يَجِبُ اعْتِقَادُهُ وَمِمَّا نَقَلَهُ الْأَئِمَّةُ

مُتَوَاتِرًا فَمَنْ أَنْكَرَ عَذَابَ الْقَبْرِ وَنَعِيمَهُ فَهُوَ كَافِرٌ لَا مَحَالَةَ .

”اس حدیث میں عذاب قبر کا اثبات ہے، اہل سنت و الجماعت کا یہی مذہب

ہے، یہ ضروری عقائد میں سے ہے اور اسے ائمہ حدیث نے متواتر نقل کیا ہے۔  
لہذا جس نے قبر کے عذاب یا اس کی نعمتوں کا انکار کیا، وہ پکا کافر ہے۔“

(السراج المنیر شرح الجامع الصغیر: 279/1)

**سوال:** اگر کوئی محرمات ابدیہ کے ساتھ زنا کو جائز سمجھتا ہو، اس کا کیا حکم ہے؟

**جواب:** جو شخص محرمات ابدیہ سے زنا کو جائز سمجھتا ہو، وہ کافر ہے۔

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

مَنْ فَعَلَ الْمَحَارِمَ مُسْتَحِلًّا لَهَا فَهُوَ كَافِرٌ بِالْإِتِّفَاقِ .

”جس نے محرمات ابدیہ سے زنا کو حلال سمجھتے ہوئے زنا کیا، تو وہ بالاتفاق کافر ہے۔“

(الصَّارِمُ الْمَسْلُوبُ، ص 521)

**سوال:** قرآن مجید کو مخلوق کہنے والے کا کیا حکم ہے؟

**جواب:** قرآن کریم کو مخلوق نہیں، اسے مخلوق کہنے والا کافر ہے۔

❁ علامہ سمعانی رحمۃ اللہ علیہ (۴۸۹ھ) فرماتے ہیں:

الْقُرْآنُ كَلَامُ اللَّهِ غَيْرُ مَخْلُوقٍ، وَعَلَيْهِ إِجْمَاعُ أَهْلِ السُّنَّةِ،

وَزَعَمُوا أَنَّ مَنْ قَالَ: إِنَّهُ مَخْلُوقٌ فَهُوَ كَافِرٌ؛ لِأَنَّ فِيهِ نَفْيَ

كَلَامِ اللَّهِ تَعَالَى .

”قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، مخلوق نہیں، اس پر اہل سنت کا اجماع ہے۔ ائمہ

اہل سنت کہتے ہیں کہ جو قرآن کو مخلوق کہے، وہ کافر ہے، کیونکہ اس میں کلام الہی

کی نفی ہے۔“

(تفسیر السمعانی: 90/5)

**(سوال)** : خبر واحد کا کیا حکم ہے؟

**(جواب)** : خبر واحد کی سند ثابت ہو، تو وہ عقائد و اعمال میں حجت ہے، اس پر عمل کرنا واجب ہے، اہل سنت و الجماعت کا یہی مذہب ہے۔

✽ علامہ ابن الفرس رحمۃ اللہ علیہ (۵۹۷ھ) فرماتے ہیں:

الْقَوْلُ بِوُجُوبِ الْعَمَلِ بِهِ وَهُوَ الَّذِي عَلَيْهِ جَمَاهِيرُ الْعُلَمَاءِ  
وَأَهْلُ السُّنَّةِ، وَالْحُجَّةُ عَلَى إِثْبَاتِهِ مِنَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ  
وَالْإِجْمَاعِ وَاضِحَةٌ.

”خبر واحد پر عمل کرنا واجب ہے، جمہور اہل علم اور اہل سنت کا یہی مذہب ہے۔  
خبر واحد کے اثبات پر قرآن و سنت اور اجماع کے دلائل بالکل واضح ہیں۔“

(أحكام القرآن: 3/202)

**(سوال)** : قاضی شریک رحمۃ اللہ علیہ کا مرجعہ اور روافض کے بارے میں کیا فتویٰ ہے؟

**(جواب)** : آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الْمُرْجِيَّةُ أَعْدَاءُ اللَّهِ وَكَفَى بِالرَّافِضَةِ حُبًّا.  
”مرجعہ اللہ کے دشمن ہیں اور روافض بد باطن ہیں۔“

(تاریخ الدوری: 4991، وسندہ صحیح)

روافض کے بارے میں امام ابو عبید قاسم بن سلام رحمۃ اللہ علیہ (۲۲۴ھ) فرماتے ہیں:

عَاشَرْتُ النَّاسَ وَكَلَّمْتُ أَهْلَ الْكَلَامِ فَمَا رَأَيْتُ قَوْمًا أَوْسَخَ  
وَسُخًا وَلَا أَفْذَرَ وَلَا أضعَفَ حُجَّةً وَلَا أَحَمَقَ مِنَ الرَّافِضَةِ.

”میں نے لوگوں کے ساتھ زندگی گزاری ہے، اہل کلام سے مباحثہ کیا ہے، مگر

میں نے روافض سے بڑھ کر گندے، دلیل کے اعتبار سے کمزور اور احمق لوگ نہیں دیکھے۔“

(تاریخ الدوری: 4992)

**(سوال):** عورتوں کے لیے زیورات کا استعمال کیسا ہے؟

**(جواب):** عورتوں کے لیے زیورات کا استعمال جائز ہے۔

علامہ ابن الفرّس رحمۃ اللہ علیہ (۵۹۷ھ) فرماتے ہیں:

فِيهَا دَلِيلٌ عَلَىٰ إِبَاحَةِ الْحُلِيِّ لِلنِّسَاءِ، وَالْإِجْمَاعُ مُنْعَقِدٌ عَلَيْهِ، وَالْأَخْبَارُ فِيهِ لَا تُحْصَى .

”یہ آیت کریمہ دلیل ہے کہ عورتوں کے لیے زیورات پہننا جائز ہے، اس پر اجماع ہے، نیز اس بارے میں بے شمار احادیث وارد ہیں۔“

(أحكام القرآن: 471/3)

**(سوال):** باغ فدک کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

**(جواب):** انبیائے کرام کے وارث نہیں ہوتے، ان کا متروکہ مال صدقہ ہوتا ہے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حق غصب کر لیا تھا، جبکہ اہل بیت میں سے کسی نے یہ بات نہیں کہی۔

❁ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ (۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:

لَوْ كَانَ مَا يَقُولُهُ الشَّيْعَةُ حَقًّا لَأَخَذَهَا عَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَوْ أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ لَمَا وَلَّوْهَا .

”اگر شیعہ کی بات سچی ہوتی، تو جب باغ فدک اہل بیت کے سپرد کیا گیا، تو

علی رضی اللہ عنہ یا اہل بیت میں سے کوئی فرد بشر اسے اپنے قبضہ میں ضرور لے لیتا۔“

(عمدة القاري: 21/15)

**(سوال):** سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی صحابیت کے منکر کا کیا حکم ہے؟

**(جواب):** سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا منکر کافر ہے، کیونکہ اس سے قرآن کا انکار

لازم آتا ہے۔

❁ علامہ سمین حلبی رضی اللہ عنہ (۷۵۶ھ) فرماتے ہیں:

مَنْ أَنْكَرَ صُحْبَةَ أَبِي بَكْرٍ فَقَدْ كَفَرَ لِأَنَّهُ أَثْبَتَ لَهُ صَاحِبًا، وَقَامَ  
الْإِجْمَاعُ عَلَى أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ مَعَهُ فِي الْغَارِ غَيْرَ أَبِي بَكْرٍ .

”سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا منکر کافر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے (غار میں)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی کا اثبات کیا ہے اور اس پر اجماع منعقد ہوا چکا ہے کہ

غار میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی بھی نہیں تھا۔“

(عمدة الحُفَّاطِ فِي تَفْسِيرِ أَشْرَفِ الْأَلْفَاظِ: 320/2)

**(سوال):** اہل سنت کے نزدیک سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا سیدنا علی رضی اللہ عنہ؟

**(جواب):** اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ میں افضل ہیں۔

❁ علامہ یوسف نہبانی (۱۳۵۰ھ) لکھتے ہیں:

قَدْ ثَبَتَ بِإِجْمَاعِ الْأُمَّةِ مِنَ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ أَفْضَلِيَّةَ  
الشَّيْخَيْنِ عَلِيٍّ وَعَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ .

”اہل سنت والجماعت کے اجماع سے ثابت ہے کہ سیدنا ابو بکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔“

(الأَسَالِيبُ البَدِيعَةُ، ص 90)

**(سوال):** رویت باری تعالیٰ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

**(جواب):** اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ روز آخرت اپنے مومن بندوں کو اپنا دیدار کرائے گا۔ قرآن وحدیث میں اس کے بے شمار دلائل ہیں۔

❁ علامہ ابن الفرس رحمۃ اللہ علیہ (۵۹۷ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا وَفُوعُ الرُّؤْيَةِ فَأَهْلُ السُّنَّةِ مُتَّفِقُونَ عَلَى أَنَّهُ تَعَالَى يُرَى فِي  
الْآخِرَةِ .

”اہل سنت کا اتفاق ہے کہ روز آخرت (اہل جنت کو) اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا۔“

(أحكام القرآن: 13/3)

**(سوال):** علامہ ابن ترکمانی رحمۃ اللہ علیہ حبیب بن ابی ثابت کے بارے میں لکھتے ہیں:

لَمْ أَرَّ أَحَدًا عَدَّهُ مِنَ الْمُدَلِّسِينَ .

”میں نہیں جانتا کہ کسی نے انہیں مدلسین میں شمار کیا ہو۔“

(الجواهر النقي: 327/3)

یہ بات کہاں تک درست ہے؟

**(جواب):** علامہ ابن ترکمانی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات درست نہیں۔ حبیب بن ابی ثابت کو

امام ابن خزیمہ (کتاب التوحید: ۸۷/۱)، امام ابن حبان (الثقات: ۱۲۳/۴)، امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ (طبقات المدلسین لابن حجر، ص ۳۷) ”مدلس“ قرار دیا ہے۔

❁ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

يُكْثَرُ التَّدْلِيسَ .

”بہت زیادہ تدلیس کرتے تھے۔“

(طبقات المُدَلِّسین، ص 37)

**(سوال):** عاصم بن بھدلہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

**(جواب):** عاصم بن بھدلہ ابن ابی نجد، جمہور کے نزدیک حسن الحدیث ہیں، البتہ ان

کے حافظہ میں کچھ مسئلہ ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

صَدُوقٌ فِي حِفْظِهِ شَيْءٌ .

”صدوق ہے، اس کے حافظہ میں کچھ خرابی ہے۔“

(موافقة الخبير الخبر: 173/2)

**(سوال):** نماز جمعہ کے بعد اجتماعی درود کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

**(جواب):** نماز جمعہ کے بعد اجتماعی درود و سلام پڑھنا کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں،

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام پڑھنا باعث ثواب اور موجب سعادت ہے، لیکن کسی جگہ وہیئت کے ساتھ اسے خاص کرنا جائز نہیں۔ صحابہ کرام اور ائمہ اسلام سب سے بڑھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام پڑھنے والے تھے، ان سے ایسا کرنا قطعاً ثابت نہیں، یہ عقیدہ رکھنا کہ وقتِ درود نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس تشریف لاتے ہیں، عقل و نقل کے خلاف ہے، پہلے مسلمان اس کے تصور سے بھی ناواقف تھے۔

وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری کا نظریہ رکھنا فتیح بدعت ہے۔ یہ عقائد و نظریات سلف صالحین کے عقائد و نظریات کے خلاف ہیں۔ سلف صالحین تو قرآن و سنت پر کاربند تھے، وہ اگر ان عقائد کے حامل نہیں ہیں، تو ان عقائد کا بے اصل ہونا اور واضح ہو جاتا ہے۔ سلف سب سے بڑھ کر قرآن و سنت کی نصوص کو سمجھنے اور اپنانے والے تھے۔



## فتاویٰ امن پوری (قسط ۱۷۴)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

**سوال:** کبوتر کا کیا حکم ہے؟

**جواب:** کبوتر بالا جماع حلال پرندہ ہے۔

(الإقناع في مسائل الإجماع لابن القطان: 1/323)

**سوال:** کیا اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کی قسم اٹھائی جاسکتی ہے؟

**جواب:** اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات اس کی ذات کا غیر نہیں۔ لہذا اللہ تعالیٰ کے

تمام اسمائے حسنیٰ اور صفات کی قسم اٹھائی جاسکتی ہے۔

✽ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا﴾ (الأعراف: ۱۸۰)

”اللہ تعالیٰ کے اچھے اچھے نام ہیں، تم اسے انہیں کے ساتھ پکارو۔“

✽ نیز فرمایا:

﴿اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ﴾ (طہ: ۸)

”اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں، اس کے خوبصورت نام ہیں۔“

✽ نیز فرمایا:

﴿قُلْ ادْعُوا اللَّهَ أَوْ ادْعُوا الرَّحْمَنَ أَيًّا مَا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ﴾

(بنی اسرائیل: ۱۱۰)

” (اے نبی!) کہہ دیجئے! اللہ کہہ کر پکارو یا رحمن، جیسے بھی پکارو، اس کے اچھے اچھے نام ہیں۔“

**(سوال):** فقہی اصطلاح میں ”حوالہ“ کسے کہتے ہیں؟

**(جواب):** ”حوالہ“ کا معنی ”منتقل کرنا“ ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے دوسرے سے قرض لیا ہے، تو مقروض اپنا قرض کسی دوسرے شخص کے ذمہ منوادے، مثلاً زید نے بکر سے قرض لیا، اب زید بکر سے کہتا ہے کہ میں آپ کو اسلم سے ملوادیتا ہوں، میرا قرض وہ ادا کرے گا، اسلم اس قرض کی ذمہ داری لے لیتا ہے۔ اسے ”حوالہ“ کہتے ہیں۔

**(سوال):** روایت: ”جس نے مؤمن مردوں اور عورتوں کے لیے استغفار کی، اس کے لیے ہر مؤمن مرد و عورت کے بدلے میں ایک نیکی لکھی جائے گی۔“ کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

**(جواب):** سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ اسْتَغْفَرَ لِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ كَتَبَ اللَّهُ لَهُ بِكُلِّ مُؤْمِنٍ  
وَمُؤْمِنَةٍ حَسَنَةً .

”جس نے مؤمن مردوں اور عورتوں کے لیے استغفار کی، تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ ہر مؤمن مرد و عورت کے بدلے میں ایک نیکی لکھ دیتے ہیں۔“

(مسند الشاميين للطبراني : 2155)

اس کی سند ضعیف ہے۔

① بکر بن حنیس ضعیف ہے۔

② عتبہ بن حمید کی تضعیف ہی راجح ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ”ضعیف“ کہا ہے۔

(التلخیص الحبیبر: 195/3)

③ عیسیٰ بن سنان بھی جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔

✽ اسی معنی کی روایت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے۔

(المعجم الكبير للطبراني: 877)

اس کی سند سخت ضعیف ہے۔ ابو اُمیہ، اسماعیل بن یعلیٰ ”متروک“ ہے۔

✽ تقریباً اسی معنی کی روایت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

(التاریخ الكبير للبخاري: 219/4)

سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔ شعیب بن کیسان (حسن الحدیث) نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں کیا۔

**سوال:** غیر اللہ کی پکار کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

**جواب:** مدد و طرح کی ہوتی ہے؛ فوق الاسباب مدد، تحت الاسباب مدد۔ تحت

الاسباب مدد اس زندہ شخص سے لی جاسکتی ہے، جو اس پر قدرت رکھتا ہو۔ یہ انسانی ضرورت

ہے۔ یہ مدد زندوں سے مانگی جاسکتی ہے، مردوں سے نہیں، کیونکہ مردہ اس پر قادر نہیں۔

جبکہ فوق الاسباب مدد صرف اللہ تعالیٰ سے طلب کی جاسکتی ہے، اس مدد کے لیے غیر اللہ کی

پکار شرک ہے۔

✽ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

مِثْلُ هَذَا كَثِيرٌ فِي الْقُرْآنِ؛ يَنْهَى أَنْ يُدْعَى غَيْرُ اللَّهِ لَا مِنْ

الْمَلَائِكَةِ وَلَا الْأَنْبِيَاءِ وَلَا غَيْرِهِمْ؛ فَإِنَّ هَذَا شِرْكٌ أَوْ ذَرِيعَةٌ

إِلَى الشَّرِكِ؛ بِخِلَافِ مَا يُطَلَّبُ مِنْ أَحَدِهِمْ فِي حَيَاتِهِ مِنْ  
الدُّعَاءِ وَالشَّفَاعَةِ فَإِنَّهُ لَا يُفْضَى إِلَى ذَلِكَ؛ فَإِنَّ أَحَدًا مِّنَ  
الْأَنْبِيَاءِ وَالصَّالِحِينَ لَمْ يُعْبَدُ فِي حَيَاتِهِ بِحَضْرَتِهِ فَإِنَّهُ يَنْهَى  
مَنْ يَفْعَلُ ذَلِكَ؛ بِخِلَافِ دُعَائِهِمْ بَعْدَ مَوْتِهِمْ فَإِنَّ ذَلِكَ ذَرِيعَةٌ  
إِلَى الشَّرِكِ بِهِمْ وَكَذَلِكَ دُعَاؤُهُمْ فِي مَغِيْبِهِمْ هُوَ ذَرِيعَةٌ إِلَى  
الشَّرِكِ، فَمَنْ رَأَى نَبِيًّا أَوْ مَلَكًا مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَقَالَ لَهُ «أُدْعُ  
لِي» لَمْ يُفْضِ ذَلِكَ إِلَى الشَّرِكِ بِهِ بِخِلَافِ مَنْ دَعَاهُ فِي  
مَغِيْبِهِ فَإِنَّ ذَلِكَ يُفْضَى إِلَى الشَّرِكِ بِهِ كَمَا قَدْ وَقَعَ فَإِنَّ  
الْغَائِبَ وَالْمَيِّتَ لَا يَنْهَى مَنْ يُشْرِكُ بَلْ إِذَا تَعَلَّقَتِ الْقُلُوبُ  
بِدُعَائِهِ وَشَفَاعَتِهِ أَفْضَى ذَلِكَ إِلَى الشَّرِكِ بِهِ فَدَعَا وَقَصَدَ  
مَكَانَ قَبْرِهِ أَوْ تَمَثَّلَهُ أَوْ غَيْرَ ذَلِكَ كَمَا قَدْ وَقَعَ فِيهِ الْمُشْرِكُونَ  
وَمَنْ ضَاهَاهُمْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَمُبْتَدِعَةِ الْمُسْلِمِينَ .  
وَمَعْلُومٌ أَنَّ الْمَلَائِكَةَ تَدْعُوا لِلْمُؤْمِنِينَ وَتَسْتَغْفِرُ لَهُمْ كَمَا  
قَالَ تَعَالَى : ﴿الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ  
بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا  
وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةٌ وَعِلْمًا فَاعْفِرْ لِلَّذِينَ تَابُوا وَاتَّبِعُوا  
سَبِيلَكَ وَفِيهِمْ عَذَابٌ الْجَحِيمِ﴾ ..... فَالْمَلَائِكَةُ يَسْتَغْفِرُونَ

لِلْمُؤْمِنِينَ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُسَأَلَهُمْ أَحَدٌ، ..... وَإِذَا لَمْ يُشْرَعْ دُعَاءُ  
 الْمَلَائِكَةِ لَمْ يُشْرَعْ دُعَاءُ مَنْ مَاتَ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ وَالصَّالِحِينَ  
 وَلَا أَنْ نَطْلُبَ مِنْهُمْ الدُّعَاءَ وَالشَّفَاعَةَ وَإِنْ كَانُوا يَدْعُونَ  
 وَيَشْفَعُونَ لَوَجْهَيْنِ؛ أَحَدُهُمَا: أَنَّ مَا أَمَرَهُمُ اللَّهُ بِهِ مِنْ ذَلِكَ  
 هُمْ يَفْعَلُونَهُ وَإِنْ لَمْ يُطْلَبَ مِنْهُمْ وَمَا لَمْ يُؤْمَرُوا بِهِ لَا  
 يَفْعَلُونَهُ وَلَوْ طُلِبَ مِنْهُمْ فَلَا فَائِدَةَ فِي الطَّلَبِ مِنْهُمْ، الثَّانِي:  
 أَنَّ دُعَاءَ هُمْ وَطَلَبَ الشَّفَاعَةِ مِنْهُمْ فِي هَذِهِ الْحَالِ يُفْضِي  
 إِلَى الشَّرِكِ بِهِمْ فَفِيهِ هَذِهِ الْمَفْسَدَةُ فَلَوْ قُدِّرَ أَنَّ فِيهِ مَصْلَحَةٌ  
 لَكَانَتْ هَذِهِ الْمَفْسَدَةُ رَاجِحَةً فَكَيْفَ وَلَا مَصْلَحَةَ فِيهِ؛  
 بِخِلَافِ الطَّلَبِ مِنْهُمْ فِي حَيَاتِهِمْ وَحُضُورِهِمْ فَإِنَّهُ لَا  
 مَفْسَدَةَ فِيهِ؛ فَإِنَّهُمْ يَنْهَوْنَ عَنِ الشَّرِكِ بِهِمْ، بَلْ فِيهِ مَنَفَعَةٌ  
 وَهُوَ أَنَّهُمْ يَثْبُونَ وَيُؤَجِّرُونَ عَلَى مَا يَفْعَلُونَهُ حِينَئِذٍ مِنْ نَفْعِ  
 الْخَلْقِ كُلِّهِمْ فَإِنَّهُمْ فِي دَارِ الْعَمَلِ وَالتَّكْلِيفِ وَشَفَاعَتِهِمْ فِي  
 الْآخِرَةِ فِيهَا إِظْهَارُ كَرَامَةِ اللَّهِ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ .

”اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کئی ایک مقامات پر منع کیا ہے کہ غیر اللہ سے مدد مانگی جائے، نہ فرشتوں سے اور نہ انبیائے وغیرہ سے، کیونکہ یہ شرک ہے یا شرک تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ اس کے برخلاف اگر کسی سے زندگی میں دعایا

سفرارش کرائی جائے، تو یہ شرک کا ذریعہ نہیں بنتا۔ اس لیے کہ کسی بھی نبی یا ولی کی زندگی میں اور اس کی موجودگی میں اس کی عبادت نہیں کی گئی، کیونکہ وہ ایسا کرنے سے منع کرتے تھے۔ لیکن ان کی وفات کے بعد انہیں پکارنا شرک کا ذریعہ ہے، اسی طرح ان کی غیر موجودگی میں پکارنا بھی شرک کا ذریعہ ہے، البتہ جس نے کسی نبی یا فرشتے کو دیکھا اور اس سے دعا کی درخواست کی، تو یہ شرک کا سبب نہیں، لیکن جو نبی یا فرشتے کی غیر موجودگی میں پکارے، تو یہ شرک کا سبب ہے، یہ بات مشاہدہ سے ثابت ہے، کیونکہ غائب اور فوت شدہ کسی کو شرک سے نہیں روک سکتے، بلکہ جب دلوں میں ان کی پکار کرنے یا ان سے شفاعت کرانے کا ارادہ ہوگا، تو یہ شرک کا ذریعہ بن جائے گا، یوں وہ انہیں پکارنے لگے گا اور ان کی قبر یا مورتی وغیرہ کا قصد کرے گا، جیسا کہ مشرکین اور ان کے ہم نوا اہل کتاب اور مسلمانوں میں سے اہل بدعت نے کیا ہے۔ یہ بات ثابت ہے کہ فرشتے مؤمنوں کے لیے دعا و استغفار کرتے ہیں، جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَحْمَةً وَعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِينَ تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ﴾ ”حالین عرش اور اردگرد کے فرشتے اپنے رب کی حمد اور تسبیح کرتے ہیں، اس پر ایمان لاتے ہیں اور مؤمنوں کے لیے استغفار کرتے ہیں (کہتے ہیں:) ہمارے رب! تیری رحمت اور علم ہر شے کو شامل ہے، تو ان لوگوں کو معاف فرما دے، جو توبہ کرتے ہیں اور تیرے

رستے کا اتباع کرتے ہیں اور تو انہیں جہنم کے عذاب سے محفوظ فرما۔“..... پس فرشتے مؤمنوں کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں، حالانکہ کسی نے ان سے دعا کی اپیل نہیں کی ہوتی۔..... جب فرشتوں کو پکارنا مشروع و جائز نہیں، تو فوت شدہ انبیائے کرام اور اولیائے عظام کو پکارنا بھی مشروع نہیں، نیز ہمارے لیے یہ بھی جائز نہیں کہ ہم ان سے دعایا شفاعت کا مطالبہ کریں۔ فرشتے وغیرہ جو ہمارے لیے دعا اور شفاعت کرتے ہیں، اس کی دو صورتیں ہیں: ① جس کا اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا ہے، وہ کرتے ہیں، کوئی ان سے دعا کی درخواست نہ بھی کرے۔ جس چیز کا اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم نہیں دیا، وہ نہیں کرتے، ایسی چیز کا اگر ان سے مطالبہ کیا جائے، تو اس مطالبے کا کوئی فائدہ نہیں۔ ② اس حالت میں ان سے دعایا شفاعت کا مطالبہ کرنا شرک کا ذریعہ ہے، لہذا اس (وفات کے بعد پکارنے) میں یہ خرابی ہے۔ اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ اس میں مصلحت بھی ہے، تب بھی اس کی خرابی مصلحت پر راجح ہوگی، تو جس میں مصلحت ہی نہ ہو، اس کا کیا حکم ہوگا! اس کے برخلاف انبیائے وصلحا کی زندگی میں اور ان کی موجودگی میں ان سے دعایا شفاعت کا مطالبہ کرنے میں کوئی خرابی نہیں، کیونکہ وہ شرک سے روکتے تھے، بلکہ اس میں منفعت ہے، وہ اس طرح کہ جب وہ مخلوق کے فائدہ کے لیے کوئی عمل کریں گے، تو انہیں اجر و ثواب ملے گا، کیونکہ وہ دارالعمل میں ہیں اور روزِ قیامت جو وہ شفاعت کریں گے، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی عزت و احترام کے اظہار کے لیے ہوگا۔“

(قاعدة جلیلة فی التوسل والوسيلة: 52/1-54، مجموع الفتاویٰ: 179/1)

✽ علامہ ابن قیمؒ (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

”مردوں سے حاجات طلب کرنا، ان سے مدد مانگنا اور ان کی طرف رجوع کرنا بھی شرک کی اقسام میں سے ہے۔ کائنات کے شرک کرنے کی وجہ یہی ہے۔ میت کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں، وہ اپنی ذات کے لیے نفع و نقصان کا مالک نہیں، چہ جائیکہ اس کے نفع و نقصان کا مالک ہو، جو اس سے مدد مانگ رہا ہے، اس سے اپنی ضرورت پوری کرنا کا طالب ہے یا اس سے اس بارے میں اللہ تعالیٰ سے سفارش کرنے کا سوال کر رہا ہو۔ یہ سفارش کرنے والے اور جس کے لیے سفارش کی جا رہی ہے، کے متعلق اس شخص کی جہالت ہے، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی اجازت کے بغیر کسی کی سفارش نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے کسی کو مدد کے لیے پکارنے اور سوال کرنے کو اپنی اجازت کا سبب نہیں بنایا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کا سبب کمال توحید ہے۔ جبکہ یہ مشرک ایسا سبب پیش کر رہا ہے، جو سفارش کی اجازت کے لیے مانع ہے، یہ تو ایسے ہی ہے، جیسے کوئی اپنی ضرورت کے لیے ایسی چیز سے مدد مانگے، جو اس کی ضرورت کے حصول کے لیے مانع ہو۔ ہر مشرک کی یہی حالت ہے۔ میت تو خود محتاج ہوتی ہے کہ کوئی اس کے لیے دعا کرے، کوئی اس کے لیے رحم کا سوال کرے اور کوئی اس کے لیے استغفار کرے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں نصیحت کی ہے کہ جب ہم مسلمانوں کے قبرستان کی زیارت کریں، تو ان کے لیے رحم کی دعا کریں اور ان کے لیے عافیت اور مغفرت کا سوال کریں۔ مگر مشرکین اس کے



برعکس کرتے ہیں۔ وہ قبروں کی زیارت اس لیے کرتے ہیں کہ ان کی عبادت کریں، ان سے حاجات طلب کریں اور ان سے مدد مانگیں۔ وہ ان کی قبروں کو عبادت گا ہیں بنا دیتے ہیں، ان کی طرف قصد کرنے کو حج کا نام دیتے ہیں، ان کے پاس ٹھہرتے ہیں، اپنے سر موٹتے ہیں۔ وہ معبود برحق کے ساتھ شرک کرتے ہیں، دین کو بدلتے ہیں، اہل توحید سے دشمنی رکھتے ہیں اور مؤحدین کو فوت شدگان کا گستاخ قرار دیتے ہیں۔ جبکہ یہ خود شرک کے ساتھ خالق کی گستاخی کرتے ہیں اور اللہ کے اہل توحید دوستوں کی بھی تنقیص کرتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ذرہ برابر بھی شرک نہیں کرتے۔ یہ لوگ ان مؤحدین کی مذمت کرتے ہیں، ان پر عیب جوئی کرتے ہیں اور ان سے دشمنی رکھتے ہیں۔ یہ لوگ ان ہستیوں کے بھی سخت گستاخ ہیں، جنہیں یہ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں، کیونکہ یہ گمان کیے بیٹھے ہیں کہ وہ ان کے اس اقدام سے راضی ہیں، اس کا حکم انہیں ان ہستیوں نے ہی دیا ہے اور وہ اس وجہ سے ان سے محبت کرتی ہیں۔ یہ لوگ ہر زمان و مکان میں تشریف لانے والے رسولوں اور توحید کے دشمن ہیں۔..... اس شرک اکبر سے وہی نجات پاسکتا ہے، جو توحید کو خالص اللہ تعالیٰ کے لیے کر دے، اللہ کے لیے مشرکوں سے عداوت رکھے اور ان سے بغض و عناد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب اختیار کرے۔ صرف اللہ تعالیٰ کا اپنا دوست، الہ اور معبود بنا لے اور اپنی محبت، خوف، اُمید، عاجزی، توکل، استعانت، التجا اور استغاثہ کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر دے، اپنے قصد و ارادہ کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر دے، اس کے حکم کا تبع بن جائے اور

اس کی رضا کا متلاشی ہو جائے، جب سوال کرے، اللہ سے سوال کرے، جب مدد مانگے، تو اللہ سے مانگے اور جب عمل کرے، تو اللہ تعالیٰ کے لیے کرے۔ تو وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہو جائے گا، اسے اللہ تعالیٰ کی نصرت و امداد حاصل ہو جائے گی۔“

(مدارج السالکین: 1/346)

**سوال:** مباہلہ کے لیے آگ میں کودنا کیسا ہے؟

**جواب:** مباہلہ دراصل فریقین کا ایک دوسرے پر ہلاکت کی بددعا کرنا ہے کہ ان میں سے جو باطل پر ہوا، وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کا شکار ہو جائے گا۔ ایسا نہیں کہ دونوں فریق آگ میں چھلانگ لگائیں، یا سمندر میں کودیں، یا ہلاکت کا کوئی اور ذریعہ اختیار کریں، تو جو بچ گیا، وہ حق پر اور جو ہلاک ہو گیا، وہ باطل پر ہوگا۔ مباہلہ کا یہ طریقہ اسلاف امت میں نہیں ملتا، لہذا یہ ناجائز اور حرام ہے، بلکہ یہ خودکشی ہے۔ حق و باطل میں فرق دلائل و براہین سے کیا جاتا ہے، نہ کہ آگ میں کود کر۔ آگ کا کام جلانا ہے، وہ ہر ایک کو جلا سکتی ہے۔

**سوال:** نکاح متعہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

**جواب:** شروع اسلام میں متعہ کی رخصت تھی، اس کے بعد متعہ حرام کر دیا گیا، اب یہ قیامت تک حرام ہے اور اس کے حرام ہونے پر احادیث متواترہ کے ساتھ ساتھ امت کا اجماع ہے۔

✽ علامہ ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ (۵۴۳ھ) فرماتے ہیں:

اِنْعَقَدَ الْاِجْمَاعُ عَلٰی تَحْرِيمِهَا .

”متعہ کے حرام ہونے پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔“

(المسالك في شرح مؤطا مالك: 510/5)

**(سوال):** کیا نبی کریم ﷺ کو سہو ہو سکتا تھا؟

**(جواب):** اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ تبلیغ رسالت کے علاوہ امور میں نبی

کریم ﷺ کو سہو و نسیان ہونا ثابت ہے۔

✽ حافظ نووی رحمۃ اللہ علیہ (۶۷۶ھ) فرماتے ہیں:

قَالَ بَعْضُ الصُّوفِيَّةِ وَمَتَابِعِهِمْ لَا يَجُوزُ السَّهُوُ عَلَيْهِ أَصْلًا  
فِي شَيْءٍ وَإِنَّمَا يَقَعُ مِنْهُ صُورَتُهُ لَيْسَ إِلَّا وَهَذَا تَنَاقُضٌ  
مَرْدُودٌ وَلَمْ يَقُلْ بِهَذَا أَحَدٌ مِمَّنْ يُقْتَدَى بِهِ .

”بعض صوفیاء اور ان کے پیروکاروں کا کہنا ہے کہ نبی کو کسی چیز میں سہو ہو ہی نہیں  
سکتا، جو واقع ہوا ہے، وہ دکھانے کے لیے تھا۔ یہ مردود تناقض ہے، یہ بات کسی  
بھی قابل اعتماد انسان نے نہیں کہی۔“

(شرح النووي: 77/6)

✽ علامہ ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ (۷۰۲ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّهُ يَدُلُّ عَلَى جَوَازِ السَّهُوِ فِي الْأَفْعَالِ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ  
السَّلَامُ، وَهُوَ مَذْهَبُ عَامَّةِ الْعُلَمَاءِ وَالنُّظَّارِ، وَهَذَا الْحَدِيثُ  
مِمَّا يَدُلُّ عَلَيْهِ، وَقَدْ صَرَّحَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَدِيثِ  
ابْنِ مَسْعُودٍ بِأَنَّهُ يَنْسَى كَمَا تَنْسَوْنَ، وَشَدَّتْ طَائِفَةٌ مِنْ  
الْمُتَوَعِّلِينَ، فَقَالَتْ: لَا يَجُوزُ السَّهُوُ عَلَيْهِ، وَإِنَّمَا يَنْسَى

عَمَدًا، وَيَتَعَمَّدُ صُورَةَ النَّسِيَانِ لَيْسَنَّ، وَهَذَا قَطْعًا بَاطِلٌ،  
لِإِخْبَارِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَنَّهُ يَنْسِي؛ وَلِأَنَّ الْأَفْعَالَ  
الْعَمْدِيَّةَ تُبْطِلُ الصَّلَاةَ.

”یہ حدیث دلیل ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کو افعال میں سہو ہو سکتا ہے، اکثر اہل علم اور محققین کا یہی مذہب ہے، یہ حدیث بھی اس پر دلالت کناں ہے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ والی حدیث میں صراحت کر دی ہے کہ جیسے لوگوں کو سہو ہو جاتا ہے، انہیں بھی ہو جاتا ہے۔ غلو کرنے والی ایک جماعت نے کہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سہو نہیں ہو سکتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جان بوجھ کر سہو کرتے ہیں اور عمد انسیان کی صورت اختیار کرتے ہیں، تا کہ آپ سے طریقہ سیکھ لیا جائے۔ یہ بات بالکل باطل ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود خبر دی ہے کہ آپ کو سہو ہو جاتا ہے، نیز اس لیے بھی کہ نماز میں جان بوجھ کر عمل کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔“

(إحكام الأحكام شرح عمدة الأحكام: 271/1)

✽ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

فِيهِ جَوَازُ السَّهْوِ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ وَأَنَّ ذَلِكَ لَا يَقْدَحُ فِي عُلُوِّ  
مَنْصِبِهِمْ.

”یہ حدیث دلیل ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کو سہو ہو سکتا تھا، نیز یہ ان کے بلند مقام و مرتبہ میں عیب و قدح کا باعث نہیں۔“

(فتح الباري: 462/6)

**سوال:** کیا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن جلایا تھا؟

**جواب:** سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے قرآن کریم جلانا ثابت نہیں، یہ آپ رضی اللہ عنہ پر

بعض لوگوں کا اتہام ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ جامع القرآن ہیں۔

✽ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے وتر کی ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھنا ثابت ہے۔

(شرح معانی الآثار للطحاوی: 1/294، سنن الدارقطني: 2/34، وسندہ حسن)

✽ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

قَالَ عُمَانُ لِلرَّهْطِ الْقُرَشِيِّينَ الثَّلَاثَةِ: إِذَا اخْتَلَفْتُمْ أَنْتُمْ وَزَيْدُ  
بْنُ ثَابِتٍ فِي شَيْءٍ مِّنَ الْقُرْآنِ فَارْتَبِعُوا قُرَيْشَ، فَإِنَّمَا  
نَزَلَ بِلِسَانِهِمْ فَفَعَلُوا حَتَّى إِذَا نَسَخُوا الصُّحُفَ فِي  
الْمَصَاحِفِ، رَدَّ عُمَانُ الصُّحُفَ إِلَى حَفْصَةَ، وَأَرْسَلَ إِلَى  
كُلِّ أُفْقٍ بِمُصْحَفٍ مِّمَّا نَسَخُوا، وَأَمَرَ بِمَا سِوَاهُ مِنَ الْقُرْآنِ  
فِي كُلِّ صَحِيفَةٍ أَوْ مُصْحَفٍ، أَنْ يُحْرَقَ.

”سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے تین قریشیوں سے کہا: اگر تمہارا اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قرآن کے کسی حصہ کے بارے اختلاف ہو جائے، تو اسے قریش کی زبان میں لکھ دینا، کیونکہ قرآن قریش کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ تو انہوں نے ایسا ہی کیا، یہاں تک کہ جب صحیفوں سے نسخے تیار کر دیے گئے، تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے وہ صحیفے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو واپس کر دیے اور تیار کردہ نسخوں میں سے ایک ایک نسخہ ہر علاقے میں بھیج دیا، اس کے علاوہ قرآن کے جتنے بھی صحائف تھے، سب کو جلانے کا حکم فرمایا۔“

(صحیح البخاری: 4987)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن کو نہیں جلایا، بلکہ قرآن کے وہ نسخے جلانے، جو رواند تھے اور اُمت کو ایک مصحف پر جمع کر دیا، ایسا انہوں نے قرآن کی حفاظت و صیانت کے لیے کیا، آپ رضی اللہ عنہ نے مصحف کو مختلف علاقوں میں نشر کیا، لہذا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ قرآن کو پھیلانے والے تھے، نہ کہ مٹانے والے۔

✿ علامہ ابن بطل رضی اللہ عنہ (۴۴۹ھ) لکھتے ہیں:

فِي أَمْرِ عُثْمَانَ بِتَحْرِيقِ الصُّحُفِ وَالْمَصَاحِفِ حِينَ جَمَعَ الْقُرْآنَ جَوَازَ تَحْرِيقِ الْكُتُبِ الَّتِي فِيهَا أَسْمَاءُ اللَّهِ تَعَالَى وَأَنَّ ذَلِكَ إِكْرَامٌ لَهَا، وَصَيَانَةٌ مِنَ الْوَطْءِ بِالْأَقْدَامِ وَطَرَحِهَا فِي ضِيَاعٍ مِنَ الْأَرْضِ .

”قرآن کو (کتابی شکل میں) جمع کرنے کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا بقیہ تمام صحائف کو جلادینے کا حکم دینے میں جواز ہے کہ ان کتب کو جلانا جائز ہے، جن میں اللہ کے نام درج ہوتے ہیں، یہ ان کتب کی عزت اور پاؤں میں روندے جانے سے حفاظت ہے۔ نیز یہ بھی جائز ہے کہ ان کتب کو غیر آباد زمینوں کے سپرد کر دیا جائے۔“

(شرح صحیح البخاری: 226/10)

✿ علامہ زکشی رضی اللہ عنہ (۷۹۴ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا قَوْلُهُمْ إِنَّهُ أَحْرَقَ الْمَصَاحِفَ ..... أَنَّهُ أَحْرَقَ مَصَاحِفَ قَدْ أُوْدِعَتْ مَا لَا يُحِلُّ قِرَاءَةَ تَهْ، وَفِي الْجُمْلَةِ إِنَّهُ إِمَامٌ عَدْلٌ غَيْرُ

مُعَانِدٍ وَلَا طَاعِنٍ فِي التَّنْزِيلِ وَلَمْ يَحْرِقْ إِلَّا مَا يَجِبُ إِحْرَاقُهُ  
وَلِهَذَا لَمْ يُنْكَرْ عَلَيْهِ أَحَدٌ ذَلِكَ .

”روافض کا یہ کہنا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مصاحف کو جلا دیا..... (تو اس کا جواب یہ ہے کہ) سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن کے ان نسخوں کو جلا یا، جن کو پڑھنا درست نہ تھا، خلاصہ کلام یہ ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ عادل خلیفہ تھے، قرآن کریم کے دشمن یا اس پر طعن کرنے والے نہ تھے، آپ رضی اللہ عنہ نے قرآن کے انہی نسخوں کو جلا یا، جن کو جلا نا واجب تھا، اسی لیے کسی نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے اس عمل پر انکار نہیں کیا۔“

(البرهان في علوم القرآن: 1/240)

**سوال:** انگوٹھی کس ہاتھ میں پہنی چاہیے؟

**جواب:** انگوٹھی پہننے کے متعلق مختلف احادیث آئی ہیں، بعض میں دائیں ہاتھ میں

انگوٹھی پہننے کا ذکر ہے، تو بعض میں بائیں ہاتھ میں۔ ان احادیث میں جمع و تطبیق کی صورت یہ بنتی ہے کہ دائیں بائیں دونوں ہاتھوں میں انگوٹھی پہننا جائز ہے۔

✽ حافظ ابن عبد البر رضی اللہ عنہ (۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

ذَلِكَ مَحْمُولٌ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ عَلَى الْإِبَاحَةِ .

”اہل علم نے دونوں طرف کی احادیث کو اباحت پر محمول کیا ہے۔“

(التمهيد: 17/109)

✽ حافظ خطیب بغدادی رضی اللہ عنہ (۳۹۲-۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

كُلُّ ذَلِكَ مَبَاحٌ، فَأَيُّهُمَا فَعَلَ لَمْ يَكُنْ بِهِ بَأْسٌ .

”دونوں طرح جائز ہے، جو نسے ہاتھ میں پہن لے، کوئی حرج نہیں۔“

(الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع: 387/1)

✿ حافظ نووی رحمۃ اللہ علیہ (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:

أَمَّا الْحُكْمُ فِي الْمَسْأَلَةِ عِنْدَ الْفُقَهَاءِ، فَاجْمَعُوا عَلَى جَوَازِ  
التَّخْتُمِ فِي الْيَمِينِ وَعَلَى جَوَازِهِ فِي الْيَسَارِ وَلَا كَرَاهَةَ فِي  
وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا.

”فقہاء کا دائیں و بائیں ہر دو ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کے جواز پر اجماع ہے، کسی ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کی کراہت نہیں۔“

(شرح صحیح مسلم: 72/14)

**(سوال):** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی کیسی تھی؟

**(جواب):** سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَبَسَ خَاتَمَ فِضَّةٍ فِي  
يَمِينِهِ، فِيهِ فَصٌّ حَبَشِيٌّ كَانَ يَجْعَلُ فَصَّهُ مِمَّا يَلِي كَفَّهُ.

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاندی کی انگوٹھی اپنے دائیں ہاتھ میں پہنا کرتے تھے، جس میں حبشی (پتھر کا) نگینہ تھا۔ نگینے کا رخ ہتھیلی کی جانب کرتے تھے۔“

(صحیح مسلم: 2094)

**(سوال):** منگنی کے موقع پر انگوٹھی پہنانا کیسا ہے؟

**(جواب):** منگنی کے موقع پر انگوٹھی پہنانا نصرانیوں کی عادت ہے، مسلمانوں کا شیوہ

نہیں۔ کفار کی مشابہت اختیار کرنا ممنوع اور حرام ہے۔ اس موقع پر عموماً انگوٹھی سونے کی



پہنائی جاتی ہے، جبکہ سونا مردوں پر حرام ہے۔

**(سوال):** انگوٹھی کس دھات کی ہونی چاہیے؟

**(جواب):** خواتین کسی بھی دھات کی انگوٹھی پہن سکتی ہیں، البتہ مردوں کے لیے سونے کی انگوٹھی پہننا حرام ہے۔

❁ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى خَاتَمًا مِّنْ ذَهَبٍ فِي يَدِ رَجُلٍ، فَنَزَعَهُ فَطَرَحَهُ، وَقَالَ: يَعْمِدُ أَحَدُكُمْ إِلَى جَمْرَةٍ مِّنْ نَّارٍ فَيَجْعَلُهَا فِي يَدِهِ، فَقِيلَ لِلرَّجُلِ بَعْدَ مَا ذَهَبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خُذْ خَاتِمَكَ انْتَفِعْ بِهِ، قَالَ: لَا، وَاللَّهِ، لَا آخِذُهُ أَبَدًا وَقَدْ طَرَحَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی، تو اتار کر پھینک دی اور فرمایا: آپ انکارا ہاتھ میں لے لیتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد کسی نے اس صحابی سے کہا کہ انگوٹھی اٹھا لیجئے اور اس سے فائدہ حاصل کیجئے، تو انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پھینکا ہے، کبھی نہیں اٹھاؤں گا۔“

(صحیح مسلم: 2090)

غور کیجئے! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابی کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھ کر اسے اتا دیتے

ہیں اور صحابی اسے اٹھانا بھی گوارا نہیں کرتے، گو کہ کسی اور ذریعے سے اسے استعمال میں لایا جاسکتا تھا، مگر رضائے رسول سے سرمو انحراف کا یا را نہیں، ایک ہم ہیں، جو ذرا سی فراوانی دیکھ کر تمام احکام شریعت پس پشت ڈال دیتے ہیں اور سونے کی انگوٹھیاں انگلیوں میں جمانے لگتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ شاید یہ ہماری زینت ہے۔ کیا ہم نبی مکرم ﷺ سے بڑھ کر زینت کے بارے میں معلومات رکھتے ہیں، سونا صرف عورت کے لئے زینت ہے، مرد کے لئے نہیں مرد کی زینت چاندی ہے اور بس۔

❁ سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَلْبَسُ حَرِيرًا وَلَا ذَهَبًا.  
”اللہ اور روزِ آخرت پر جو ایمان رکھتا ہے، ریشم اور سونا نہ پہنے۔“

(مسند الإمام أحمد: 261/5، وسندہ حسن)

❁ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَجُلًا قَدِمَ مِنْ نَجْرَانَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ خَاتَمٌ مِّنْ ذَهَبٍ، فَأَعْرَضَ عَنْهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ: إِنَّكَ جِئْتَنِي وَفِي يَدِكَ جَمْرَةٌ مِّنْ نَّارِ.  
”نجران سے ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ اس نے سونے کی انگوٹھی پہن رکھی تھی، تو نبی کریم ﷺ نے اس سے چہرہ پھیر لیا اور فرمایا: آئے میرے پاس ہیں اور آپ کے ہاتھ میں انگارا ہے۔“

(سنن النسائي: 5188، مسند الإمام أحمد: 14/3، وسندہ حسن)

✿ امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ (۵۲۸۹) نے اس حدیث کو ”صحیح“ کہا ہے۔

✿ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُ خَاتَمًا مِّنْ ذَهَبٍ، فَنَبَذَهُ فَقَالَ: لَا أَلْبَسُهُ أَبَدًا فَنَبَذَ النَّاسُ خَوَاتِيمَهُمْ.

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سونے کی انگوٹھی پہنا کرتے تھے، آپ نے اسے پھینک دیا اور فرمایا: میں آئندہ کبھی سونے کی انگوٹھی نہیں پہنوں گا، تو صحابہ نے بھی انگوٹھیاں پھینک دیں۔“

(صحیح البخاری: 5867)

معلوم ہوا کہ مرد کے لئے سونا پہلے درست تھا، بعد میں منسوخ و ممنوع ہو گیا۔

✿ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سات چیزوں سے منع کیا تھا، ان میں سے ایک سونے کی انگوٹھی تھی۔

(صحیح البخاری: 5863)

**سوال:** کیا انگوٹھی کے نگینے پر کچھ تحریر کروایا جاسکتا ہے؟

**جواب:** انگوٹھی کے نگینے میں جائز الفاظ تحریر کرائے جاسکتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انگوٹھی کے نگینے میں ”محمد رسول اللہ“ نقش تھا۔

(صحیح البخاری: 65، صحیح مسلم: 2092)

**سوال:** کیا محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کا سندھ میں آنا ثابت ہے؟

**جواب:** محمد بن قاسم بن محمد بن حکم ابن ابی عقیل ثقفی رحمۃ اللہ علیہ (۹۸ھ) کا سندھ میں آنا

ثابت نہیں۔ اس واقعہ کا انحصار مندرجہ ذیل سند پر ہے:

عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمَدَائِنِيِّ عَنْ أَبِي مُحَمَّدٍ الْهِنْدِيِّ عَنْ أَبِي الْفَرَجِ .

(فُتُوْحُ الْبُلْدَانِ لِلْبَلَاذُرِيِّ، ص 261)

یہ سند ثابت نہیں۔

① صاحب کتاب بلاذری کی معتبر توثیق ثابت نہیں۔

②، ③ ابو محمد ہندی اور ابو الفرج دونوں کا تعین اور توثیق نہیں مل سکی۔

✽ تاریخ خلیفہ بن خیاط (ص ۳۰۴، ۳۰۵) والی سند بھی ضعیف ہے۔

اس میں عون بن کہمس مجہول ہے، امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ”الشفات“ (۵۱۵/۸)

میں ذکر کیا ہے۔

✽ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لَا أَعْرِفُهُ .

”میں اسے نہیں جانتا۔“

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: 388/6، وسنده صحيح)

عون بن کہمس کی متقدمین میں سے کسی نے توثیق نہیں کی۔

**(سوال):** کیا ذاتی خادم رکھنا جائز ہے؟

**(جواب):** ذاتی خادم رکھنا جائز ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی ذاتی خادم تھے۔ سیدنا

انس بن مالک رضی اللہ عنہ دس سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم رہے۔

(صحيح البخاري: 6038، مسلم: 2309)

البتہ خادمین سے حسن سلوک کیا جائے اور ان کی ضرورتوں کا خیال رکھا جائے، ان کی

طاقت سے بڑھ کر ان سے کام نہ لیا جائے، کام میں ان کا ہاتھ بھی بٹایا جائے۔

## فتاویٰ امن پوری (قسط ۱۷۵)

علامہ مصطفیٰ ظہیر امن پوری

**سوال:** وضو کے بعد چھینٹے مارنا کیسا ہے؟

**جواب:** وضو کے بعد شرمگاہ اور کپڑے پر چھینٹے مارنا ناجائز ہے۔

❁ نافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا تَوَضَّأَ نَضَحَ فَرْجَهُ .

”سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وضو کرتے، تو شرمگاہ پر چھینٹے مارتے۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة: 166/1، وسندہ صحیح)

❁ سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے:

كَانَ يَنْضَحُ بَيْنَ جِلْدِهِ وَثِيَابِهِ .

”آپ رضی اللہ عنہ شرمگاہ اور کپڑے پر چھینٹے مارتے تھے۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة: 166/1، وسندہ صحیح)

❁ محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے:

إِنَّهُ كَانَ إِذَا تَوَضَّأَ فَفَرَّغَ قَالَ بِكَفِّ مِنْ مَاءٍ فِي إِزَارِهِ هَكَذَا .

”آپ رضی اللہ عنہ جب وضو کرتے، تو بعد میں ہتھیلی بھر پانی لیتے اور اپنے تہبند میں

چھینٹے مارتے۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة: 167/1، وسندہ صحیح)

✽ عبد اللہ بن عمر بن حفص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

كَانَ أَبِي يَفْعَلُ ذَلِكَ .

”میرے والد محترم بھی ایسا کیا کرتے تھے۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة: 1/166، وسندهُ صحيحٌ)

✽ مغیرہ بن عبد الرحمن بن ابی ذؤب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

سَأَلْتُ الْقَاسِمَ عَنِ الْبِلَّةِ أَجِدُهَا فِي الصَّلَاةِ فَقَالَ: يَا ابْنَ أَخِي  
انْضَحْهُ وَاللَّهِ عَنْهُ فَإِنَّمَا هُوَ مِنَ الشَّيْطَانِ قَالَ: فَفَعَلْتُ فَذَهَبَ عَنِّي .

”میں نماز میں تری محسوس کرتا تھا، میں نے قاسم بن محمد رضی اللہ عنہ نے سوال کیا، تو فرمایا: بھتیجے! پانی کے چھینٹے لگا لیں، شک کو دور کریں، کیونکہ یہ شیطان کی طرف سے ہے۔ (مغیرہ کہتے ہیں:) ایسا کرنے سے میرا شک زائل ہو گیا۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة: 1/166، وسندهُ حسنٌ)

✽ جعفر بن برقان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

جَاءَ رَجُلٌ إِلَى مَيْمُونِ بْنِ مِهْرَانَ فَشَكَاَ إِلَيْهِ بِلَّةً يَجِدُهَا فَقَالَ  
لَهُ مَيْمُونُ: إِذَا أَنْتَ تَوَضَّأْتَ فَانْضَحْ فَرَجَكَ وَمَا يَلِيهِ مِنْ  
ثَوْبِكَ بِالْمَاءِ فَإِنَّ وَجَدْتَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا فَقُلْ: هُوَ مِنْ ذَلِكَ .

”ایک شخص مایمون بن مهران رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور شکایت کی کہ اُسے تری محسوس ہوتی ہے، تو مایمون رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب آپ وضو کریں، تو شرمگاہ اور کپڑے پر پانی سے چھینٹے مار لیں، اس کے باوجود سوسہ محسوس کریں، تو یہ خیال کریں کہ یہ تری چھینٹوں کی وجہ سے ہے۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة: 167/1، وسنده حسن)

✽ علمائے احناف کا فتویٰ ہے:

لَوْ عَرَّضَ لَهُ الشَّيْطَانُ كَثِيرًا لَا يَلْتَفِتُ إِلَيْهِ ذَلِكَ كَمَا فِي الصَّلَاةِ  
وَيَنْضَحُ فَرَجَهُ بِمَاءٍ حَتَّى لَوْ رَأَى بَلَلًا حَمَلَهُ عَلَى بَلَّةِ الْمَاءِ .  
”اگر بہت زیادہ شیطانی وساوس محسوس کرے، تو ان وساوس کو خاطر میں نہ  
لائے، جیسا کہ نماز میں (وساوس آتے ہیں اور ان کی طرف التفات نہیں کیا  
جاتا۔) نیز شرمگاہ پر چھینٹے مارے، اگر وہ (وسوسے کی بنا پر) تری محسوس  
کرے، تو یہ خیال کرے کہ یہ چھینٹوں کی وجہ سے ہے۔“

(فتاویٰ عالمگیری: 49/1)

شافعی، مالکی اور حنبلی علما کا بھی یہی فتویٰ ہے۔

## مرفوع روایات:

اس بارے میں کوئی مرفوع روایت ثابت نہیں۔

✽ حکم بن سفیان ثقفی بیان کرتے ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا بَالَ يَتَوَضَّأُ وَيَنْضَحُ .  
”رسول اللہ ﷺ جب پیشاب کرتے، تو وضو کرتے اور (بعد میں شرمگاہ پر)

چھینٹے مارتے۔“ (سنن أبي داود: 166، السنن الكبرى للنسائي: 134)

یہ حدیث مضطرب (ضعیف) ہے۔ حکم بن سفیان یا سفیان بن حکم ثقفی کو قاضی

شریک، امام احمد بن حنبل، امام بخاری، امام ابو حاتم، امام علی ابن المدینی اور حافظ ابن  
القطان فاسی وغیر ہم رحمہم اللہ نے تابعی شمار کیا ہے۔ جبکہ امام ابو زرعم اور حافظ ابن عبد البر رحمہما اللہ

سمیت بعض اہل علم اسے صحابی سمجھتے ہیں۔  
 اضطراب کی صورت یہ ہے کہ بعض رواۃ اس حدیث کو حکم بن سفیان عن النبی کی سند سے ذکر کرتے ہیں اور بعض رواۃ حکم بن سفیان عن ابیہ عن النبی کی سند سے ذکر کرتے ہیں۔ دونوں میں شدید اضطراب ہے، ترجیح کی کوئی صورت نہیں۔

### اہل علم کی تحقیق:

اس حدیث کے متعلق اہل علم کے اقوال ملاحظہ ہوں؛

✿ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اضْطْرَبُوا فِي هَذَا الْحَدِيثِ .

”اس حدیث میں رواۃ اضطراب کا شکار ہیں۔“

(سنن الترمذی، تحت الحدیث: 50)

✿ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حَدِيثُهُ مُضْطَرَبٌ . ”حکم بن سفیان کی حدیث مضطرب ہے۔“

(الکاشف: 1176)

✿ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فِيهِ اخْتِلَافٌ كَثِيرٌ عَلَى مُجَاهِدٍ، وَقَدْ أُعْلِيَ بِالْاضْطِرَابِ .

”اس حدیث میں مجاہد پر (راویوں کا) کثیر اختلاف ہے۔ اس حدیث میں

(ضعف کا) سبب اضطراب قرار دیا گیا ہے۔“ (اتحاف المہرۃ: 4/315)

✿ نیز فرمایا:

فِي حَدِيثِهِ اضْطِرَابٌ . ”حکم بن سفیان کی حدیث میں اضطراب ہے۔“



(تقریب التہذیب: 1442)

✿ حافظ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو ضعیف کی فصل میں ذکر کیا ہے۔

(خلاصۃ الأحكام: 123/1)

✿ علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

هَذَا الْحَدِيثُ لَا يَصِحُّ مَتْنُهُ لِأَنَّ فِيهِ اضْطِرَابًا كَثِيرًا.

”اس حدیث کا متن ثابت نہیں، کیونکہ اس میں بہت زیادہ اضطراب ہے۔“

(تمام المنّة، ص 66)

**(سوال):** اہل حق کون ہیں؟

**(جواب):** اہل سنت والجماعت اہل حق ہیں، جو قرآن و سنت کے پیروکار ہیں، مسلک

صحابہ اور سلف صالحین پر قائم ہیں۔ ان کے عقائد و اعمال وہی ہیں، جنہیں اسلاف نے اختیار کیا، یہی فرقہ ناجیہ ہے۔

✿ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

هَذِهِ الْأُمَّةُ أَيْضًا اخْتَلَفُوا فِيمَا بَيْنَهُمْ عَلَى نَحْلِ كُلِّهَا ضَلَالَةٌ  
إِلَّا وَاحِدَةً، وَهُمْ أَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ، الْمُتَمَسِّكُونَ بِكِتَابِ  
اللَّهِ وَسُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَبِمَا كَانَ عَلَيْهِ  
الصَّدْرُ الْأَوَّلُ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ، وَأَيْمَةُ الْمُسْلِمِينَ فِي  
قَدِيمِ الدَّهْرِ وَحَدِيثِهِ.

”یہ امت (محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم) بھی کئی فرقوں میں تقسیم ہو گئی، یہ تمام فرقے گمراہ ہیں، سوائے ایک کے اور وہ اہل سنت والجماعت ہیں، جو کتاب اللہ اور سنت

رسول اللہ ﷺ کو تھامے ہوئے ہیں اور اسی منج و مسلک کو اختیار کیے ہوئے ہیں، جس پر قرون اولیٰ کے صحابہ و تابعین اور پہلے اور بعد والے ائمہ مسلمین تھے۔“

(تفسیر ابن کثیر: 317/6)

یاد رہے کہ اہل سنت والجماعت وہی لوگ ہیں، جن کے عقائد و اعمال سلف صالحین اور محدثین والے ہیں، محض خود کو اہل سنت کہنے سے کوئی اہل حق نہیں بن جاتا، کیونکہ بعض لوگ خود کو اہل سنت والجماعت کی طرف منسوب کرتے ہیں، جبکہ ان کے عقائد و اعمال مسلک محدثین سے متضاد ہیں، انہیں اپنے عقائد و اعمال کی اصلاح کرنے چاہیے اور اعتقادی و فقہی مسائل کو مسلک محدثین کا پابند کر لینا چاہیے، یہی راہِ حق اور راہِ نجات ہے۔

**(سوال):** سجدہ کتنے اعضاء پر کرنا چاہیے؟

**(جواب):** سجدہ سات اعضاء پر کرنا چاہیے؛ دو ہاتھ، دو گھٹنے، دو پاؤں کے پنجے اور ماتھا

بشمول ناک۔

❁ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أَمَرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ؛ عَلَى الْجَبْهَةِ، وَأَشَارَ بِيَدِهِ عَلَى أَنْفِهِ وَالْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ، وَأَطْرَافِ الْقَدَمَيْنِ.....

”مجھے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) حکم دیا گیا ہے کہ میں سات اعضاء پر سجدہ کروں؛ ماتھے پر، آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے ناک کی طرف اشارہ فرمایا، دو ہاتھ، دو گھٹنے، دو پاؤں کے پنجے.....“

(صحیح البخاری: 812، صحیح مسلم: 490)

❁ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

صَلَّى بِنَا النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى رَأَيْتُ أَثَرَ الطِّينِ  
وَالْمَاءِ عَلَى جَبْهَةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَرْبَتِهِ .  
”نبی کریم ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی، تو میں نے (سجدہ کی وجہ سے) رسول  
اللہ ﷺ کی پیشانی اور ناک کے نتھنے پر گارے اور پانی کے نشان دیکھے۔“

(صحیح البخاری: 813، صحیح مسلم: 1167)

❁ سیدنا ابو جمید ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا سَجَدَ أَمَّكَ أَنْفَهُ  
وَجَبْهَتَهُ مِنَ الْأَرْضِ .

”نبی کریم ﷺ جب سجدہ کرتے، تو ناک اور ماتھے کو زمین پر ٹکاتے تھے۔“

(سنن الترمذی: 270، وسندہ حسن)

اس حدیث کو امام ترمذی رضی اللہ عنہ نے ”حسن صحیح“ کہا ہے۔

❁ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَضَعْ أَنْفَهُ عَلَى الْأَرْضِ .

”جو (سجدہ میں) ناک زمین پر نہیں رکھتا، اس کی نماز نہیں۔“

(سنن الدارقطنی: 1318، وسندہ حسن)

بعض آرا:

مندرجہ بالا صحیح احادیث کی رو سے سجدہ میں ناک اور پیشانی زمین پر ٹکانا ضروری ہے،

مگر اس کے برعکس بعض کی آرا ملاحظہ کریں؛

❁ فقہ حنفی کی معتبر کتب میں ہے:

لَوْ تَرَكَ وَضَعَ الْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ جَازَتْ صَلَاتُهُ بِالْإِجْمَاعِ،  
كَذَا فِي السَّرَاجِ الْوَهَّاجِ .

”اگر نمازی دونوں ہاتھ اور دونوں گھٹنے زمین پر نہ رکھے، تو اس کی نماز  
بالاجماع (یعنی امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد بن حسن شیبانی کے  
نزدیک) جائز ہے، ”السراج الوہاج“ میں ایسا ہی لکھا ہے۔“

(فتاویٰ عالمگیری 70/1، العنایة فی شرح الہدایة: 496/1)

✿ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

وَضَعُ الْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ سُنَّةٌ عِنْدَنَا لِتَحْقُقِ السُّجُودَ بِدُونِهِمَا .  
” (سجدے میں) ہاتھوں اور گھٹنوں کو (زمین پر) رکھنا ہمارے نزدیک سنت  
ہے، کیونکہ ان کے بغیر سجدہ ہو جاتا ہے۔“

(الہدایة: 47/1)

✿ علمائے احناف نے لکھا ہے:

السُّجُودُ بِوَضْعِ الْجَبْهَةِ وَإِحْدَى الْيَدَيْنِ وَإِحْدَى الرُّكْبَتَيْنِ  
وَشَيْءٍ مِنْ أَطْرَافِ أَصَابِعِ إِحْدَى الْقَدَمَيْنِ .  
”پیشانی، ایک ہاتھ، ایک گھٹنا، ایک پاؤں کی کچھ انگلیاں زمین پر رکھنے سے  
سجدہ ہو جاتا ہے۔“

(اللَّبَابِ فِي شَرْحِ الْكِتَابِ: 65/1، مَرَاقِي الْفَلَاحِ، ص 86)

علمائے احناف کی یہ آرا انتہائی غیر محتاط ہیں، صحیح احادیث کی رو سے سجدے میں ناک  
اور پیشانی رکھنا فرض ہے، اس کے بغیر سجدہ نہیں، کیونکہ اس کا رسول اللہ ﷺ کو بھی حکم دیا

گیا تھا، جیسا کہ صحیحین کی حدیث سے واضح ہو چکا ہے۔  
 بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ پیشانی اور ناک میں سے کسی ایک پر سجدہ کر لیا جائے، تو  
 بھی کافی ہے، یہ بات بھی صحیح احادیث اور اجماع کے خلاف ہے۔  
 علامہ ابن نجیم حنفی لکھتے ہیں:

..... الْإِقْتِصَارُ عَلَى الْأَنْفِ فَعِنْدَهُ يَجُوزُ مُطْلَقًا وَعِنْدَهُمَا لَا  
 يَجُوزُ إِلَّا مِنْ عُدْرٍ بِالْجَبْهَةِ كَمَا صَرَّحَ بِهِ صَاحِبُ الْهِدَايَةِ .  
 ”..... (سجدہ میں) ناک پر اکتفا کرنا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر حالت  
 میں جائز ہے، جبکہ امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک پیشانی میں تکلیف کی  
 وجہ سے صرف ناک پر سجدہ کرنا جائز ہے، جیسا کہ صاحب ہدایہ نے اس بات  
 کی صراحت کی ہے۔“

(البحر الرائق: 2/358)

صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

إِنْ اقْتَصَرَ عَلَى أَحَدِهِمَا جَازَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ  
 تَعَالَى، وَقَالَ: لَا يَجُوزُ الْإِقْتِصَارُ عَلَى الْأَنْفِ إِلَّا مِنْ عُدْرٍ .  
 ”اگر نمازی (سجدہ میں) پیشانی اور ناک میں سے کسی ایک پر اکتفا کر لے، تو  
 امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے، جبکہ امام ابو یوسف اور امام محمد کہتے ہیں  
 کہ ناک پر اکتفا کرنا صرف عذر کی صورت میں جائز ہے۔“

(الهداية: 1/47)

اس کے رد میں امام ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ (۳۱۹ھ) فرماتے ہیں:

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

هَذَا قَوْلُ النُّعْمَانِ، وَهُوَ قَوْلٌ لَا أَحْسِبُ أَحَدًا سَبَقَهُ إِلَيْهِ، وَلَا تَبِعَهُ عَلَيْهِ.

”یہ نعمان (بن ثابت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ) کا قول ہے، میں نہیں جانتا کہ کسی نے ان سے پہلے ایسی بات کہی ہو، یا بعد والوں میں سے کسی نے ان کی موافقت کی ہو۔“

(الأوسط: 3/175)

✽ حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ امام ابن منذر رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں:

إِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ عَلَى أَنَّهُ لَا يُجْزِئُ السُّجُودَ عَلَى الْأَنْفِ وَحَدَهُ.  
”صحابہ کرام کا اجماع ہے کہ سجدوں میں صرف ناک پر اکتفا کرنا جائز نہیں۔“

(فتح الباري: 2/296)

✽ علامہ ابن قدامہ رضی اللہ عنہ (۶۲۰ھ) فرماتے ہیں:

رُوي عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ، أَنَّهُ إِنْ سَجَدَ عَلَى أَنْفِهِ دُونَ جَبْهَتِهِ،  
أَجْزَأَهُ..... وَهَذَا قَوْلٌ يُخَالِفُ الْحَدِيثَ الصَّحِيحَ وَالْإِجْمَاعَ.  
”امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اگر نمازی سجدہ میں ناک زمین پر لگائے  
اور پیشانی نہ لگائے، تو اس کا سجدہ درست ہے۔..... یہ قول صحیح حدیث اور  
اجماع کے مخالف ہے۔“

(المغني: 1/371)

خلاصہ بحث:

سجدہ سات اعضا پر واجب ہے، ناک اور پیشانی دونوں پر سجدہ کرنا واجب ہے، کسی  
ایک پر اکتفا کرنا جائز نہیں۔

**سوال:** ختنہ کا کیا حکم ہے؟

**جواب:** بچوں کا ختنہ کرنا مشروع و مستحب ہے، اسی فطرت قرار دیا گیا ہے۔

✽ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ ذَلِكَ مَشْرُوعٌ مُؤَكَّدٌ لِلْمُسْلِمِينَ بِاتِّفَاقِ الْأُمَّةِ .

”مسلمانوں کے لیے ختنہ مشروع اور (مستحب) مؤکد ہے، اس پر ائمہ کا اتفاق ہے۔“

(مجموع الفتاوی: 114/21)

✽ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

الْفِطْرَةُ خَمْسٌ، أَوْ خَمْسٌ مِّنَ الْفِطْرَةِ الْخِتَانُ، وَالْإِسْتِحْدَادُ، وَتَنْفُ الْبَابِطِ، وَتَقْلِيمُ الْأَظْفَارِ، وَقَصُّ الشَّارِبِ .

”پانچ چیزیں فطرت ہیں؛ ختنہ کروانا، لوہے کا استعمال (زیر ناف بالوں کی صفائی کے لئے)، بغلوں کے بال اکھاڑنا، ناخن کاٹنا اور مونچھیں پست کرنا۔“

(صحیح البخاری: 5889، صحیح مسلم: 257)

**سوال:** نماز خسوف کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

**جواب:** چاند یا سورج کو گرہن لگے، تو اس وقت ایک خاص نماز مشروع کی گئی ہے،

جسے ”نماز خسوف یا کسوف“ کہتے ہیں۔ یہ نماز دو رکعت ہے۔ ہر رکعت میں ایک رکوع، دو رکوع، تین رکوع اور چار رکوع کرنا ثابت ہیں۔ یہ نماز مختلف اوقات میں مختلف طریقوں سے ادا کی گئی۔ اس پر کوئی دلیل نہیں کہ عہد نبوی میں ایک ہی مرتبہ سورج گرہن لگا۔

ذیل میں ہر صورت کو مدلل بیان کی جاتا ہے۔

## ہر رکعت میں ایک رکوع:

① سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ

(صحیح البخاری: 1040)

② سیدنا عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ

(صحیح مسلم: 913، سنن النسائي: 1461، وسندہ صحیح)

③ سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ

(سنن أبي داود: 1184، سنن النسائي: 1484، سنن الترمذي: 562 وقال: «حسنٌ

صحیحٌ غریبٌ»، سنن ابن ماجه: 1264، وسندہ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ رضی اللہ عنہ (1397) امام ابن حبان رضی اللہ عنہ (597) نے ”صحیح“ کہا ہے۔ امام حاکم رضی اللہ عنہ (1/329) نے اسے بخاری و مسلم کی شرط پر ”صحیح“ قرار دیا ہے اور حافظ ذہبی رضی اللہ عنہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

حافظ نووی رضی اللہ عنہ نے اس کی سند کو ”حسن“ کہا ہے۔

(خُلاصة الأحكام: 891/2)

④ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما

(سنن أبي داود: 1194، وسندہ حسنٌ)

⑤ سیدنا محمود بن لبید رضی اللہ عنہ

(مسند الإمام أحمد: 428/5، وسندہ حسنٌ)

## ہر رکعت میں دو رکوع:

① سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا



(صحیح البخاری: 1046، صحیح مسلم: 901)

② سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

(صحیح البخاری: 1052، صحیح مسلم: 907)

③ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما

(صحیح مسلم: 904)

ہر رکعت میں تین رکوع:

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما

(صحیح مسلم: 904)

ہر رکعت میں چار رکوع:

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

(صحیح مسلم: 909)

سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى بِهِمْ فَقَرَأَ بِسُورَةِ مِّنَ الطُّوْلِ وَرَكَعَ خَمْسَ رَكَعَاتٍ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ قَامَ الثَّانِيَةَ فَقَرَأَ سُورَةَ مِّنَ الطُّوْلِ وَرَكَعَ خَمْسَ رَكَعَاتٍ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ جَلَسَ كَمَا هُوَ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ يَدْعُو حَتَّىٰ انْجَلَىٰ كُسُوفُهَا .

”رسول اکرم ﷺ کے دور میں سورج گرہن ہوا، آپ ﷺ نے نماز میں لمبی سورت تلاوت فرمائی اور پانچ رکوع کئے، دو سجدے کئے، پھر دوسری رکعت میں قیام کیا، لمبی سورت پڑھی اور پانچ رکوع کئے، دو سجدے کئے، پھر اسی طرح قبلہ رخ بیٹھ کر دعائے مانگتے رہے حتیٰ کہ کسوف ختم ہو گیا۔“

(سنن أبي داود: 1182، زوائد مسند الإمام أحمد: 4/134)

سند ”ضعیف“ ہے۔

🌸 امام ابن حبان رحمہ اللہ ربیع بن انس کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

الْأَناسُ يَتَّقُونَ حَدِيثَهُ مَا كَانَ مِنْ رِوَايَةِ أَبِي جَعْفَرٍ عَنْهُ لِأَنَّ فِيهَا  
اضْطِرَابًا كَثِيرًا.

”محدثین اس کی ان احادیث سے بچتے تھے، جو اس سے ابو جعفر نے بیان کی ہیں، کیونکہ ان میں بہت اضطراب ہے۔“

(الثقات: 4/228)

ثابت ہوا کہ پانچ رکوع والی حدیث ”ضعیف“ ہے۔ اس کے راوی کے بارے میں جرح مفسر آئی ہے۔

🌸 علامہ ابن حزم رحمہ اللہ (۴۵۶ھ) فرماتے ہیں:

مَا رَوَوْا قَطُّ عَنْ أَحَدٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ  
يُصَلِّ الْكُسُوفَ إِلَّا مَرَّةً وَكُسُوفِ الشَّمْسِ يَكُونُ مُتَوَاتِرًا،  
بَيْنَ كُلِّ كُسُوفَيْنِ خَمْسَةُ أَشْهُرٍ قَمَرِيَّةٍ، فَأَيُّ نَكْرَةٍ فِي أَنْ  
يُصَلِّيَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيهِ عَشْرَاتٍ مِنَ الْمَرَاتِ فِي نُبُوتِهِ؟.

”محدثین نے کسی صحابی سے نقل نہیں کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ہی مرتبہ نماز کسوف ادا کی ہو۔ سورج گرہن تو ہوتا ہی رہتا ہے، ہر پانچ قمری مہینوں کے بعد کسوف ہو سکتا ہے، لہذا بعید نہیں کہ نبی کریم ﷺ نے عہد نبوت میں دسیوں مرتبہ یہ نماز ادا کی ہو۔“

(المحلی بالآثار: 320/3)

✽ حافظ نووی رحمۃ اللہ علیہ (۶۷۶ھ) نقل کرتے ہیں:

قَالَ جَمَاعَةٌ مِنَ الْعُلَمَاءِ مِنْهُمْ إِسْحَاقُ بْنُ رَاهُوَيْهِ وَابْنُ جَرِيرٍ وَابْنُ الْمُنْذِرِ: جَرَتْ صَلَاةُ الْكُسُوفِ فِي أَوْقَاتٍ وَاخْتِلَافٍ صِفَاتِهَا مَحْمُولٌ عَلَى بَيَانِ جَوَازِ جَمِيعِ ذَلِكَ فَتَجُوزُ صَلَاتُهَا عَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الْأَنْوَاعِ الثَّابِتَةِ وَهَذَا قَوِيٌّ وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

”علما کی ایک جماعت، جس میں امام اسحاق بن راہویہ، امام ابن جریر طبری اور امام ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ شامل ہیں، کا کہنا ہے: نماز کسوف مختلف اوقات میں ادا کی گئی۔ اس میں مختلف طریقے بیان جواز کے لیے ہیں، لہذا نماز کسوف کسی بھی ثابت طریقے سے ادا کی جاسکتی ہے، یہ قوی بات ہے۔ واللہ اعلم!“

(شرح النووي: 199/6)

حنفیہ کے نزدیک نماز کسوف کی صرف ایک ہی صورت جائز ہے، وہ یہ کہ عام نمازوں کی طرح دو رکعت پڑھی جائے گی، ہر رکعت میں ایک ہی رکوع ہوگا اور ایک ہی قرأت ہو گی۔ احناف بقیہ تمام ثابت صورتوں کو تسلیم نہیں کرتے۔

(سوال): نماز کسوف میں قرأت جہری ہوگی یا سری؟

(جواب): نماز کسوف میں قرأت جہری اور سری دونوں ثابت ہے۔

نماز کسوف و خسوف میں جہری قرأت:

❁ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَهَرَ فِي صَلَاةِ الْخُسُوفِ  
بِقِرَائَتِهِ، فَصَلَّى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فِي رَكَعَتَيْنِ وَأَرْبَعَ سَجَدَاتٍ .  
”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز خسوف میں جہری قرأت کی، دو رکعتوں میں چار رکوع  
اور چار سجدے کئے۔“

(صحیح البخاری: 1065، صحیح مسلم: 901)

مخفی قرأت:

① سیدنا جابر بن سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

صَلَّى بِنَا رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي كُسُوفِ  
الشَّمْسِ رَكَعَتَيْنِ، لَا نَسْمَعُ لَهُ فِيهِمَا صَوْتًا .  
”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سورج گرہن میں دو رکعت نماز پڑھائی۔ ان دونوں  
رکعتوں میں ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز نہیں سنتے تھے۔“

(مسند الإمام أحمد: 16/4، سنن أبي داود: 1184، سنن النسائي: 1484، سنن

الترمذي: 562، وقال: «حسنٌ صحيحٌ غريبٌ»، سنن ابن ماجه: 1264، وسنده حسنٌ)

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ رضی اللہ عنہ (1397) اور امام ابن حبان رضی اللہ عنہ (597) نے

”صحیح“ کہا ہے۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ (1/329) نے اسے بخاری و مسلم کی شرط پر ”صحیح“ قرار دیا ہے اور حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

✿ حافظ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے سند کو ”حسن“ کہا ہے۔

(خُلاصة الأحكام: 891/2)

✿ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے سند کو ”قوی“ کہا ہے۔

(نتائج الأفكار، ص: 412)

ثعلبہ بن عباد ”حسن الحدیث“ ہے، جمہور محدثین نے اس کی توثیق کی ہے۔

② سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

كُنْتُ إِلَى جَنْبِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ كُسِفَتِ الشَّمْسُ، فَلَمْ أَسْمَعْ لَهُ قِرَاءَةً.

”میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں سورج گرہن کی نماز پڑھی۔ لیکن آپ کی قراءت نہ سن سکا۔“

(المعجم الكبير للطبراني: 11/192، ح: 11612، وسنده حسن)

موسیٰ بن عبد العزیز جمہور محدثین کے نزدیک ”صدوق، حسن الحدیث“ ہے۔

③ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

انْخَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَصَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا نَحْوًا مِّنْ قِرَاءَةِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ.

”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں سورج گرہن ہو گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز

پڑھی، سورت بقرہ کی قرأت کے برابر لمبا قیام کیا۔“

(صحیح البخاری: 1052، صحیح مسلم: 907)

③ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

كُسِفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَخَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَصَلَّى بِالنَّاسِ، فَقَامَ فَحَزَرْتُ قِرَائَتَهُ، فَرَأَيْتُ أَنَّهُ قَرَأَ بِسُورَةِ الْبَقْرَةِ ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ، ثُمَّ قَامَ فَأَطَالَ الْقِرَاءَةَ فَحَزَرْتُ قِرَائَتَهُ أَنَّهُ قَرَأَ بِسُورَةِ آلِ عِمْرَانَ.

”عہد رسالت میں سورج گرہن ہوا، آپ ﷺ باہر تشریف لائے، لوگوں کو نماز پڑھائی، آپ ﷺ نے قیام کیا، میں نے آپ ﷺ کی قرأت کا اندازہ لگایا، میرے خیال میں آپ ﷺ نے سورت بقرہ کی تلاوت فرمائی، (پھر راوی نے بقیہ حدیث بیان کی) پھر آپ ﷺ نے دو سجدے کیے، بعد میں کھڑے ہو کر لمبی قرأت کی، میں نے آپ ﷺ کی قرأت کا اندازہ لگایا، میرے خیال میں آپ ﷺ نے سورت آل عمران کی تلاوت فرمائی۔“

(سنن أبي داود: 1187، سندہ حسن)

اسے امام حاکم رحمہ اللہ (1/334) نے مسلم رحمہ اللہ کی شرط پر ”صحیح“ کہا ہے۔

**سوال:** کیا نماز کسوف میں اذان و اقامت ہے؟

**جواب:** نماز کسوف میں بالا جماع اذان و اقامت نہیں۔

**سوال:** کیا فرض اور واجب میں فرق ہے؟

(جواب): محدثین عظام فرض اور واجب میں فرق نہیں کرتے تھے۔ احناف کے نزدیک دلالت اور ثبوت قطعی ہو، تو فرضیت ثابت ہوتی ہے اور اگر ثبوت قطعی نہ ہو، بلکہ ظنی ہو، تو وجوب ثابت ہوتا ہے۔ فرض اور واجب کی اصطلاحات میں یہ فرق بدعی ہے۔

✽ علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ (۷۸۶ھ) فرماتے ہیں:

هَذَا اصطلاحٌ جَدِيدٌ لَمْ تَكُنِ الصَّحَابَةُ يَتَخاطَبُونَ بِهٖ .

”یہ نئی اصطلاح ہے، صحابہ کرام اسے استعمال نہیں کرتے تھے۔“

(الکواکب الدراری شرح صحیح البخاری: 157/6)

✽ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَأَمْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ﴾ (المائدة: ۶)

”اپنے سر کا مسح کرو۔“

یہ قرآنی نص مطلق ہے، احناف کے نزدیک مطلق خاص کی نوع ہے۔ اس کے باوجود احناف سر کے ایک چوتھائی حصہ پر مسح کو فرض کہتے ہیں اور بقیہ سر کا مسح مستحب سمجھتے ہیں۔ معلوم نہیں احناف نے ایک مطلق نص کو خبر واحد کی بنیاد پر چوتھائی سر سے مقید کیوں کر دیا؟ حالانکہ قرآن کریم میں پورے سر کا مسح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اسی طرح قرآن کریم میں ثبوت رضاعت کے لیے دو سال کی مدت مقرر کی گئی ہے۔ (البقرہ: ۲۳۳) مگر احناف نے بغیر دلیل کے اڑھائی سال مدت رضاعت بیان کی ہے۔

(سوال): روایت: ”رات با وضو سونے والے پر اللہ تعالیٰ فرشتہ مقرر کر دیتا ہے، وہ جب بھی جاگتا ہے، تو فرشتہ اس کے لیے دعائے مغفرت کرتا ہے.....“ کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

☆ ☆ ————— ● ————— ● ————— ☆ ☆

(جواب): یہ روایت صحیح ابن حبان (۱۰۵۱) میں آتی ہے۔ اس کی سند ضعیف ہے۔

① حسن بن ذکوان راوی ضعیف اور مدلس ہے، سماع کی تصریح بھی نہیں کی۔

حسن بن ذکوان کی متابعت عباس (یا عیاش) بن عتبہ نے کی ہے، یہ بھی مجہول ہے،

صرف ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ”الثقات“ (۲۹۳/۷) میں ذکر کیا ہے۔

✿ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لَا يَصِحُّ حَدِيثُهُ .

”اس کی حدیث ثابت نہیں۔“

(میزان الاعتدال: 2/384)

② عطاء بن ابی رباح کا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سماع ثابت نہیں، یہی راجح ہے۔

✿ باوضو سونے کی فضیلت میں صحیح بخاری (۲۳۷) کی حدیث موجود ہے۔

✿ سیدنا عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا مِنْ رَجُلٍ يَبِيتُ عَلَى طَهْرٍ ثُمَّ يَتَعَارَّ مِنَ اللَّيْلِ، فَيَذْكُرُ

وَيَسْأَلُ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ خَيْرًا مِّنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ إِلَّا آتَاهُ

اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ إِيَّاهُ .

”جو شخص باوضو سوتا ہے، پھر رات کو اس کی آنکھ کھل جاتی ہے، تو وہ اللہ تعالیٰ کو

یاد کرتا ہے، اس سے دنیا و آخرت کی جو بھی بھلائی مانگتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے وہ

بھلائی عطا کر دیتا ہے۔“

(مسند الإمام أحمد: 4/113، وسندہ حسن)



## فتاویٰ امن پوری (قسط ۶۷۱)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

**سوال:** میت کو عمامہ باندھنا کیسا ہے؟

**جواب:** میت کو عمامہ باندھنا ثابت نہیں۔

✽ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے کفن کے متعلق بیان کرتی ہیں:

لَيْسَ فِيهَا قَمِيصٌ وَلَا عِمَامَةٌ.

”اس میں قمیص تھی، نہ عمامہ۔“

(صحیح البخاری: 1273، صحیح مسلم: 941)

✽ علمائے احناف لکھتے ہیں:

تُكْرَهُ الْعِمَامَةُ لِلْمَيِّتِ فِي الْأَصَحِّ.

”صحیح ترین قول کے مطابق میت کو عمامہ باندھنا مکروہ ہے۔“

(الدر المختار للحصكفي: 578/1، البحر الرائق لابن نجيم: 189/2)

**تنبیہ:**

✽ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُفِّنَ فِي سَبْعَةِ أَثْوَابٍ.

”نبی کریم ﷺ کو سات کپڑوں میں کفنایا گیا۔“

(مسند الإمام أحمد: 94/1)

سند ضعیف ہے۔ عبداللہ بن محمد بن عقیل جمہور کے نزدیک سیء الحفظ ہونے کی وجہ سے ”ضعیف“ ہے۔ جن اہل علم نے ان کی توثیق کی ہے، وہ سیء الحفظ ہونے سے پہلے پر محمول ہے۔

حافظ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

هُوَ ضَعِيفٌ عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْحَدِيثِ .  
 ”جمہور محدثین کے ہاں ضعیف ہے۔“

(المجموع شرح المہذب: 1/155، 435، تہذیب الأسماء واللغات: 50/4)

نیز فرماتے ہیں:

اِحْتَجَّ بِهِ الْأَكْثَرُونَ .  
 ”اس سے اکثر محدثین نے حجت پکڑی ہے۔“

(المجموع شرح المہذب: 1/339)

یہ بات درست نہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ جمہور نے حجت نہیں پکڑی۔

علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ حافظ ابن سید الناس یحمری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں:

ضَعَّفَهُ الْأَكْثَرُ لِسُوءِ حِفْظِهِ .

”اکثر محدثین نے اسے حافظے کی خرابی کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔“

(فیض القدير: 5/527)

حافظ بیہمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

هُوَ ضَعِيفٌ عِنْدَ الْأَكْثَرِينَ .  
 ”اکثر محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔“

(مَجْمَعُ الزَّوَائِدِ: 1/134)

عُطِيَهُ الدُّعَاءُ سَهْلًا مَسْرُوبًا هُوَ:

..... فَاشْتَرَيْنَا لَهُ بِثَلَاثِمِائَةِ دِرْهَمٍ قَمِيصًا وَعَمَامَةً وَثَلَاثَ لَفَائِفَ .

”ہم نے سیدنا حکم بن حارث سلمیؓ (کو کفن دینے) کے لیے تین سو درہم میں قمیص، عمامہ اور تین لفافے (میت کو لپیٹنے کے لیے بڑی چادریں) خریدے۔“

(معجم الصحابة للبخاري: 485، معرفة الصحابة لأبي نعيم الأصبهاني: 1915)

اس اثر کی سند ضعیف ہے، عطیہ الدعاء سلمی کو صرف ابن حبانؒ نے ”الثقات“

(۲۶۳/۵) میں ذکر کیا ہے، لہذا یہ مجہول الحال ہے۔

حافظ بیہقیؒ فرماتے ہیں:

عَطِيَّةُ الدُّعَاءِ، وَلَمْ أَعْرِفْهُ .

”عطیہ دُعَاوِی (کی عدالت) کو میں نہیں پہچانتا۔“

(مَجْمَعُ الزَّوَائِدِ: 3/44)

نیز محمد بن حمران غلطی کا شکار ہو جاتا تھا، یہ بھی اس کی خطا معلوم ہوتی ہے۔

روایت ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ اپنی میت کو پانچ کپڑوں میں

کفنتے تھے، جن میں پگڑی، قمیص اور تین لفافے ہوتے تھے۔

(مصنّف عبد الرزّاق: 6180، 6181، 6182)

سند ضعیف ہے۔ عبدالرزاق بن ہمام مدلس ہیں، سماع کی تصریح نہیں کی۔

(سوال): زید بن الحواری العمی کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

(جواب): زید العمی جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔

✽ حافظ پیشمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ضَعْفُهُ الْجُمْهُورُ .

”اسے جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔“

(مجمع الزوائد: 5/126، 10/115، 260)

✽ حافظ ابن عبد الہادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الْأَكْثَرُ عَلَى تَضْعِيفِهِ وَعَدَمِ الْإِحْتِجَاجِ بِهِ .

”اکثر محدثین کے ہاں یہ ضعیف ہے اور اس سے حجت پکڑنا ناجائز نہیں۔“

(مجموع رسائل ابن عبد الہادی، ص 68)

✽ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ضَعِيفٌ عِنْدَ الْجُمْهُورِ .

”جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔“

(نتائج الأفكار: 1/253)

**(سوال):** نماز کسوف کے خطبہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

**(جواب):** نماز خسوف و کسوف کا خطبہ مسنون ہے، جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد

ارشاد فرماتے تھے۔

① سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتے ہیں:

ثُمَّ سَلَّمَ فَقَامَ فِيهِمْ فَحَمِدَ اللَّهُ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ : إِنَّ

الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَنْخَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ،

وَلَكِنَّهُمَا آيَاتَانِ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ، فَأَيُّهُمَا خَسِفَ بِهِ أَوْ بِأَحَدِهِمَا

فَافْزَعُوا إِلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ بِذِكْرِ الصَّلَاةِ .

”سلام پھیرا اور کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرنے لگے، فرمایا: سورج اور چاند کو کسی کی موت و حیات کے سبب گریہ نہیں لگتا، یہ تو اللہ کی نشانیاں ہیں، اگر انہیں گریہ لگ جائے تو فوراً نماز کے لئے نکلیں۔“

(مسند أحمد: 2/159، سنن النسائي: 1497، واللفظ له، سنن أبي داود: 1194)

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ (901، 1389، 1392) اور امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ (2838، 2839) نے ”صحیح“ کہا ہے۔

② سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

انْجَلَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ أَنْ يَنْصَرِفَ، ثُمَّ قَامَ، فَأَثْنَى عَلَى اللَّهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ثُمَّ قَالَ: هُمَا آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ، لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُمَا فَافْزَعُوا إِلَى الصَّلَاةِ .

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا تو سورج روشن ہو چکا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی، جو اس کے شانیاں تھی، فرمایا: یہ اللہ کی نشانیاں ہیں، کسی کی موت یا زندگی سے گریہ نہیں ہوتے، گریہ نہ دیکھیں، تو نماز کی طرف لپکیں۔“

(صحیح البخاري: 1046، صحیح مسلم: 901)

③ سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

قَدْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ، فَخَطَبَ النَّاسَ، وَحَمِدَ اللَّهُ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ، ثُمَّ قَالَ: أَمَّا بَعْدُ .

”سورج چمک رہا تھا، آپ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا، اللہ کے شایان شان حمد و ثنا کی، فرمایا: اما بعد!“ (صحیح البخاری: 922، صحیح مسلم: 901)

② سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے نماز کسوف کے بعد خطبہ ارشاد فرمایا:

إِنِّي رَأَيْتُ الْجَنَّةَ، فَتَنَاوَلْتُ عُنُقُودًا، وَلَوْ أَصَبْتَهُ لَأَكَلْتُمْ، مِنْهُ مَا بَقِيَتْ الدُّنْيَا، وَأَرَيْتُ النَّارَ، فَلَمْ أَرْ مَنْظَرًا كَالْيَوْمِ قَطُّ أَفْطَعَ، وَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا النِّسَاءَ قَالُوا: بِمَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: بِكُفْرِهِنَّ قِيلَ: يَكْفُرْنَ بِاللَّهِ؟ قَالَ: يَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ، وَيَكْفُرْنَ الْأَحْسَانَ، لَوْ أَحْسَنْتَ إِلَى إِحْدَاهُنَّ الدَّهْرَ كُلَّهُ، ثُمَّ رَأَتْ مِنْكَ شَيْئًا، قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ.

”میں نے جنت دیکھی، تو اس سے انگوڑا خوشہ لینا چاہا، اگر لے لیتا، تو رہتی دنیا تک آپ اسے کھاتے رہتے، میں نے جہنم بھی دیکھی، ایسا منظر میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا، جیسا آج دیکھا ہے اور میں نے اس میں عورتوں کی کثرت دیکھی۔ عرض کیا: اللہ کے رسول ﷺ! وجہ کیا ہے؟ فرمایا: ناشکری۔ کسی نے پوچھا: کیا وہ اللہ کی ناشکری کرتی ہیں؟ فرمایا: شوہر کی ناشکری کرتی ہیں اور احسان فراموش ہیں، اگر آپ زندگی بھر بیوی سے احسان کرتے رہیں، پھر وہ آپ کی طرف سے خلاف منشا کوئی بات دیکھ لے، تو کہے گی: میں نے کبھی آپ میں خیر نہیں دیکھی۔“

(صحیح البخاری: 1052، صحیح مسلم: 710)

⑤ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

”سورج گرہن ختم ہو چکا تھا، آپ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور اللہ کی حمد و ثنا بیان کی فرمایا: سورج اور چاند اللہ عز و جل کی نشانیوں ہیں، انہیں کسی کی موت یا زندگی کی وجہ سے گرہن نہیں لگتا، ایسا منظر دیکھیں، تو دعا کریں، اللہ تعالیٰ کی کبریائی بیان کریں، نماز پڑھیں، صدقہ کریں، پھر فرمایا: اے امت محمد ﷺ! اللہ کی قسم! اللہ سے بڑھ کر اس بات میں کوئی غیرت والا نہیں کہ اس کا غلام یا لونڈی (مرد یا عورت) زنا کرے، اے امت محمد! اگر آپ وہ باتیں جانتے ہوتے، جو میں جانتا ہوں، تو روتے زیادہ اور ہنتے کم۔“

(صحیح البخاری: 1044، صحیح مسلم: 901)

⑥ سیدنا سمیرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے خطبہ کسوف کے متعلق بیان

کرتے ہیں:

فَسَلَّمَ، فَحَمِدَ اللَّهَ، وَأَتْنِي عَلَيْهِ، وَشَهِدَ أَنَّهُ عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ،  
ثُمَّ قَالَ: أَيُّهَا النَّاسُ، أَنشُدْكُمْ بِاللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ أَنِّي  
قَصَّرْتُ عَنْ شَيْءٍ مِّنْ تَبْلِيغِ رِسَالَاتِ رَبِّي لَمَا أَخْبَرْتُمُونِي  
ذَٰكَ، فَبَلَّغْتُ رِسَالَاتِ رَبِّي كَمَا يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُبَلَّغَ، وَإِنْ كُنْتُمْ  
تَعْلَمُونَ أَنِّي بَلَّغْتُ رِسَالَاتِ رَبِّي لَمَا أَخْبَرْتُمُونِي ذَٰكَ.

”نبی کریم ﷺ نے سلام پھیر کر اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور اپنے بندہ خدا اور اس کا رسول ہونے کی گواہی دے کر فرمایا: لوگو! میں آپ کو اللہ رب العزت کی قسم دلا کر پوچھتا ہوں کہ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ میں نے رب کا پیغام آپ تک

پہنچانے میں کوتاہی کی ہے، تو مجھے بتادیں، میں نے کما حقہ رب کا پیغام پہنچا دیا ہے، اگر آپ سمجھتے ہیں کہ میری طرف سے رب کا پیغام آپ تک پہنچ گیا ہے، تب بھی بتادیں۔“

(مسند الإمام أحمد : 16/4 ، سنن أبي داود : 1184 ، سنن النسائي : 1484 ، سنن الترمذي : 562 ، وقال : «حسنٌ صحيحٌ غريبٌ» ، سنن ابن ماجه : 1264 ، وسندهُ حسنٌ) اس حدیث کو امام ابن خزمیہ رحمہ اللہ (1397) اور امام ابن حبان رحمہ اللہ (597) نے ”صحیح“ کہا ہے۔ امام حاکم رحمہ اللہ (1/329) نے اسے بخاری و مسلم کی شرط پر ”صحیح“ قرار دیا ہے اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

✿ حافظ نووی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ”حسن“ کہا ہے۔

(مُخَلَصَةُ الْأَحْكَامِ : 891/2)

✿ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ”قوی“ کہا ہے۔

(نتائج الأفكار : 4/2)

ثابت ہوا کہ نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ بھی ارشاد فرمایا تھا۔

✿ نماز کے بعد سورج گرہن ختم ہو جائے، تو بھی خطبہ مسنون ہے۔

**سوال** : کیا محدثین کا اجماع حجت ہے؟

**جواب** : جس چیز پر محدثین کرام کا اتفاق ہو جائے، وہ حجت ہے۔

✿ امام ابو حاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

إِنْفَاقُ أَهْلِ الْحَدِيثِ عَلَى شَيْءٍ يَكُونُ حُجَّةً .

”جس چیز پر محدثین کا اتفاق ہو جائے، تو وہ حجت ہوتی ہے۔“

(المراسيل لابن أبي حاتم، ص 192، جامع التحصيل للعلائي، ص 269، إكمال



تہذیب الڪمال للمغلطائي: 341/10)

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۷۷۲ھ) فرماتے ہیں:

إِذَا اجْتَمَعَ أَهْلُ الْحَدِيثِ عَلَى تَصْحِيحِ حَدِيثٍ لَمْ يَكُنْ إِلَّا صِدْقًا.  
”جب محدثین کسی حدیث کو صحیح قرار دینے پر متفق ہو جائیں، تو وہ حق ہوتا ہے۔“

(مجموع الفتاوی: 10/1)

**(سوال):** کیا شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ جہنم کے فنا ہونے کے

قائل تھے؟

**(جواب):** ہم نے ایک مضمون میں لکھا تھا کہ ”شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ

ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کا میلان یہ ہے کہ ایک وقت جہنم بھی فنا ہو جائے گی۔“

یہ ہماری خطا تھی، اسے نصوص پر عدم واقفیت پر محمول کیا جائے، جس بنا پر شیخین کی طرف غلط عقیدے کا انتساب ہو گیا۔ درست بات یہ ہے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور شیخ الاسلام ثانی ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فنائے نار کے قائل نہیں۔ جنت و جہنم کے متعلق آپ دونوں کا وہی عقیدہ ہے، جو اہل سنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری خطا کو معاف فرمائے، آمین۔ شیخین کی عبارات ملاحظہ ہوں؛

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۷۷۲ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّهُمَا لَا تَزَالَانِ بَاقِيَتَيْنِ، وَكَذَلِكَ أَهْلُ الْجَنَّةِ لَا يَزَالُونَ فِي  
الْجَنَّةِ يَتَنَعَّمُونَ، وَأَهْلُ النَّارِ فِي النَّارِ يُعَذَّبُونَ، لَيْسَ لِدَلِكِ آخِرٌ.

”بلاشبہ جنت اور جہنم ہمیشہ باقی رہیں گی، جنتی ہمیشہ جنت میں نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے اور دوزخی جہنم میں ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہیں

گے، اس (نعمت اور عذاب) کی کوئی انتہا نہیں ہوگی۔“

(درء تعارض العقل والنقل: 358/2)

✽ نیز فرماتے ہیں:

قَدْ اتَّفَقَ سَلَفُ الْأُمَّةِ وَأَيْمَتُهَا وَسَائِرُ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ عَلَى  
أَنَّ مِنَ الْمَخْلُوقَاتِ مَا لَا يَعْدُمُ وَلَا يَفْنَى بِالْكُلِّيَّةِ كَالْجَنَّةِ  
وَالنَّارِ وَالْعَرْشِ وَغَيْرِ ذَلِكَ .

”اسلاف اُمت، ائمہ اور تمام اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے کہ بعض مخلوقات  
ایسی ہیں، جو کبھی طور پر فنا نہیں ہوں گی، جیسے جنت، جہنم اور عرش وغیرہ۔“

(مجموع الفتاوی: 307/18)

✽ علامہ ابن قیمؒ (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

دَوْرُهُمْ ثَلَاثَةٌ؛ دَارُ الطَّيِّبِ الْمَحْضِ، وَدَارُ الْخَبِيثِ الْمَحْضِ،  
وَهَاتَانِ الدَّارَانِ لَا تَفْنَيَانِ، وَدَارٌ لِمَنْ مَعَهُ خَبِيثٌ وَطَيِّبٌ وَهِيَ  
الدَّارُ الَّتِي تَفْنَى وَهِيَ دَارُ الْعُصَاةِ، فَإِنَّهُ لَا يَبْقَى فِي جَهَنَّمَ  
مِنْ عُصَاةِ الْمُؤَحِّدِينَ أَحَدٌ، فَإِنَّهُ إِذَا عَذَّبُوا بِقَدْرِ جَزَائِهِمْ  
أَخْرَجُوا مِنَ النَّارِ فَأَدْخِلُوا الْجَنَّةَ، وَلَا يَبْقَى إِلَّا دَارُ الطَّيِّبِ  
الْمَحْضِ، وَدَارُ الْخَبِيثِ الْمَحْضِ .

” (روز قیامت) لوگ تین گھروں میں تقسیم ہوں گے؛ ① خالص پاکیزہ  
لوگوں کا گھر (جنت) ② خالص خبیث لوگوں کا گھر (جہنم)۔ یہ دونوں گھر فنا

نہیں ہوں گے۔ (۳) وہ گھر، جس میں اچھائی و برائی والے لوگ ہوں گے، یہ گھر ایک وقت فنا ہو جائے گا، اسے ”دارالعصاة“ (گناہ گار موحدین کا گھر) کہتے ہیں، کیونکہ جہنم میں گناہ گار موحدین میں سے کوئی بھی (ہمیشہ) باقی نہیں رہے گا، بلکہ ایسے لوگوں کو جب ان کی بد اعمالیوں کے مطابق عذاب دے دیا جائے گا، تو انہیں جہنم سے سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد صرف ”دارالطيب المحض“ (خالص پاکیزہ لوگوں کا گھر یعنی جنت) اور ”دارالنجث المحض“ (خالص خبیث لوگوں کا گھر یعنی جہنم) باقی رہ جائیں گے۔“

(الوابل الصیب، ص 20)

**(سوال):** اُصول حدیث میں سب سے بہتر کتاب کون سی ہے؟

**(جواب):** ”معرفة علوم الحدیث للحاکم“ اُصول حدیث پر مبنی مایہ ناز کتاب ہے، اہل علم

نے اس کتاب کی تعریف کی ہے۔

✽ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

لَمْ يَسْبِقْ إِلَى مِثْلِهِ .

”اس جیسی کتاب کوئی نہیں۔“

(مجموع الفتاوی: 390/5)

**(سوال):** حبیب الرحمن صدیقی کا ندھلوی کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

**(جواب):** حبیب الرحمن صدیقی کا ندھلوی صاحب کا تعلق مسلک دیوبند سے تھا۔

کا ندھلوی صاحب اہل سنت سے منحرف تھے، پکے ناصبی تھے۔

✽ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لِيُحِبُّنِي قَوْمٌ حَتَّى يَدْخُلُوا النَّارَ فِيَّ، وَيَكْبُغِضُنِي قَوْمٌ حَتَّى يَدْخُلُوا النَّارَ فِي بَعْضِي .

”ایک قوم میری محبت میں غلو کی وجہ سے، دوسری قوم میرے ساتھ بغض کے سبب آگ میں داخل ہوگی۔“

(السنة لابن أبي عاصم: 983، وسنده صحيح)

✽ کا دھلوی صاحب لکھتے ہیں:

”حضرت علیؑ ابتدا ہی سے خلافت کے متمنی تھے، لیکن ان کا بس نہ چل سکا اور جب ان کو ایک پارٹی مل گئی، تو ہراس ہستی کو خس و خاشاک کی طرح بہانے کے لیے تیار ہو گئے، جو ان کی راہ میں حائل ہو۔ بالفاظ دیگر حضرت علیؑ نے جتنی جنگیں لڑیں، وہ اپنے اقتدار کے لیے لڑی ہیں۔“

(مذہبی داستانیں: 1/303)

یہ سیدنا علی بن ابی طالبؑ پر بہتان ہے۔ آپؑ کبھی بھی خلافت کے متمنی نہیں رہے، بلکہ مسلمانوں نے آپؑ کو خلیفہ منتخب کیا۔ آپؑ اسی طرح منتخب ہوئے، جس طرح ابو بکر و عمر اور عثمانؓ منتخب ہوئے تھے۔ ہمارے مطابق سیدنا علیؑ کی خلافت کا انکار درحقیقت خلفائے ثلاثہ کی خلافت کا انکار ہے اور خلفائے ثلاثہ کی خلافت کا انکار درحقیقت خلافت علیؑ کا انکار ہے۔ آپؑ برحق اور سچے خلیفہ تھے۔

✽ فرزند علیؑ، محمد ابن حنفیہؓ بیان کرتے ہیں:

كُنْتُ مَعَ عَلِيٍّ، وَعُثْمَانُ مَحْصُورٌ، قَالَ: فَاتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ: إِنَّ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ مَقْتُولٌ، ثُمَّ جَاءَ آخِرُ فَقَالَ: إِنَّ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ

مَقْتُولِ السَّاعَةِ، قَالَ : فَقَامَ عَلِيٌّ، قَالَ مُحَمَّدٌ : فَأَخَذْتُ  
بِوَسْطِهِ تَخَوُّفًا عَلَيْهِ، فَقَالَ : خَلَّ لَا أُمَّ لَكَ، قَالَ : فَأَتَى عَلِيٌّ  
الدَّارَ، وَقَدْ قُتِلَ الرَّجُلُ، فَأَتَى دَارَهُ فَدَخَلَهَا، وَأَغْلَقَ عَلَيْهِ  
بَابَهُ، فَأَتَاهُ النَّاسُ فَضْرَبُوا عَلَيْهِ الْبَابَ، فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا :  
إِنَّ هَذَا الرَّجُلَ قَدْ قُتِلَ وَلَا بُدَّ لِلنَّاسِ مِنْ خَلِيفَةٍ، وَلَا نَعْلَمُ  
أَحَدًا أَحَقَّ بِهَا مِنْكَ، فَقَالَ لَهُمْ عَلِيٌّ : لَا تُرِيدُونِي، فَإِنِّي لَكُمْ  
وَزِيرٌ خَيْرٌ مِنِّي لَكُمْ أَمِيرٌ، فَقَالُوا : لَا وَاللَّهِ مَا نَعْلَمُ أَحَدًا أَحَقَّ  
بِهَا مِنْكَ، قَالَ : فَإِنِ أَيْبَتُمْ عَلِيًّا فَإِنَّ بَيْعَتِي لَا تَكُونُ سِرًّا،  
وَلَكِنْ أَخْرَجْ إِلَى الْمَسْجِدِ فَمَنْ شَاءَ أَنْ يَبَايَعَنِي بَايَعَنِي،  
قَالَ : فَخَرَجَ إِلَى الْمَسْجِدِ فَبَايَعَهُ النَّاسُ .

”ان دنوں جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ محصور تھے، میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس موجود  
تھا کہ ایک شخص حاضر ہوا، کہنے لگا: امیر المؤمنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا  
گیا ہے، پھر ایک اور آدمی نے خبر دی کہ ابھی ابھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر  
دیئے گئے ہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے، میں نے کسی اندیشہ  
کے پیش نظر انہیں کمر سے تھام لیا، تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہ ہو آپ کی ماں،  
چھوڑیے! آپ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے، دیکھا کہ آپ رضی اللہ عنہ شہید ہو چکے  
ہیں، واپس گھر آ گئے، دروازہ بند کر لیا۔ لوگ آپ کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹانے  
لگے، دروازہ کھولا، تو آپ کے پاس آ کر کہنے لگے، عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے،

اب ضروری ہے کہ کوئی خلیفہ ہو! اور ہم سمجھتے کہ اس منصب کا اہل آپ سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ سیدنا علیؑ فرمانے لگے: میرے بارے ایسا مت سوچئے، میں بجائے اس کے کہ امیر بنوں، وزیر ہی بہتر ہوں۔ لوگ کہنے لگے: اللہ کی قسم! آپ سے زیادہ اس منصب کا اہل کوئی نہیں ہے۔ فرمایا: اگر مجھے ہی بنانا چاہتے ہو، تو میری بیعت چھپ کر نہیں ہوگی، میں مسجد چلا جاتا ہوں، جسے بیعت کرنی ہو وہاں آ کر بیعت کر لے۔ آپ مسجد کی طرف نکل گئے، وہاں لوگوں نے آپؑ کی بیعت کی۔“

(فضائل الصحابة للإمام أحمد بن حنبل: 969، وسندہ صحیح)

یہاں یہ بھی واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ سیدنا علیؑ کے بارے میں یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے کہ آپ خلافت کے دعویدار تھے، آپؑ تو چوتھے خلیفہ ہونے پر راضی نہیں، بلکہ وزیر ہونا چاہتے ہیں، چہ جائیکہ خلافت بلا فصل کا دعویٰ کریں۔

کاندھلوی صاحب لکھتے ہیں:

”ان امور سے یہ بات خود بخود ثابت ہو جاتی ہے کہ حضرت حسنؑ صحابی نہ تھے، کجا کہ حضرت حسینؑ کی صحابیت۔“

(مذہبی داستانیں: 1/287، 293)

سیدنا حسن و حسینؑ کے شرف صحابیت پر اہل حق کا اجماع و اتفاق ہے۔

**(سوال):** ناصیبت کے حوالہ سے چند کتب کی راہنمائی فرمادیں۔

**(جواب):** دشمنان صحابہ دو طرح کے ہیں؛ ① روافض ② نواصب۔ ہر ناصبی رافضی

ہوتا ہے اور ہر رافضی ناصبی ہوتا ہے۔

- ① خلافت معاویہ ویزید (محمود احمد عباسی)
- ② تحقیق مزید فی خلافت معاویہ ویزید (محمود احمد عباسی)
- ③ ضربِ محمودی بر فتنہ موذوی (محمود احمد عباسی)
- ④ سبائی سبز باغ (عزیر احمد صدیقی)
- ⑤ ارمغانِ عرب (عزیر احمد صدیقی)
- ⑥ ارمغانِ عجم (عزیر احمد صدیقی)
- ⑦ ساداتِ بنی رقیہ (فیض احمد صدیقی)
- ⑧ عمرتِ رسول (فیض احمد صدیقی)
- ⑨ حقیقتِ مذہبِ شیعہ (فیض احمد صدیقی)
- ⑩ مذہبی داستانیں اور ان کی حقیقت (حبیب الرحمن کاندھلوی)
- ⑪ تاریخِ الامت (اسلم جیراچپوری)
- ⑫ سیدنا امیر معاویہ (عبدالرحمن خلیق)
- ⑬ سانحہ کربلا (ابومعاویہ اموی)
- ⑭ رشید ابن رشید (ابویزید محمد دین بٹ)
- ⑮ حیاتِ سیدنا یزید (عظیم الدین صدیقی)

**سوال:** تجویب کے بارے میں مندرجہ ذیل روایت کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

✽ مجاہد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

كُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ فَثَوَّبَ رَجُلٌ فِي الظُّهْرِ أَوْ العَصْرِ، قَالَ:  
اخرُجْ بنا فَإِنَّ هَذِهِ بِدْعَةٌ.

”میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا کہ ایک شخص نے ظہر یا عصر کی اذان کے بعد ”تھویب“ کی، تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہمیں یہاں سے نکالیے، یہ بدعت ہے۔“

(سنن أبي داود: 538)

(جواب): اس اثر کی سند ضعیف ہے۔ ابویحییٰ قاتل جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔

✽ حافظ ابن رجب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ضَعَفَهُ أَحْمَدُ وَيَحْيَىٰ وَالْأَكْثَرُونَ .

”اسے امام احمد، امام یحییٰ بن معین اور اکثر محدثین رضی اللہ عنہم نے ضعیف قرار دیا ہے۔“

(فتح الباري لابن رجب: 405/2)

✽ حافظ ابن ملقن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

جَرَّحَهُ الْأَكْثَرُونَ .

”اس پر اکثر محدثین نے جرح کی ہے۔“

(البدرد المنير: 325/2)

✽ حافظ یثمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ضَعِيفٌ عِنْدَ الْجُمْهُورِ .

”جمہور کے ہاں ضعیف ہے۔“

(مجمع الزوائد: 200/7)

✽ حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ضَعَفَهُ الْجُمْهُورُ .



”جمہور نے ضعیف کہا ہے۔“

(زوائد مختصر مسند البزار: 2/393)

**سوال:** مندرجہ ذیل روایت کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

✽ ثابت بنانی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہیں سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

يَا ثَابِتُ خُذْ عَنِّي فَإِنَّكَ لَنْ تَأْخُذَ عَنْ أَحَدٍ أَوْثَقَ مِنِّي، إِنِّي  
أَخَذْتُه عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَخَذَهُ رَسُولُ  
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ جِبْرِيلَ، وَأَخَذَهُ جِبْرِيلُ عَنِ  
اللَّهِ تَعَالَى .

”ثابت! مجھ سے سیکھ لیجئے، کیونکہ مجھ سے بہتر کسی سے نہیں سیکھ سکتے، میں نے  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے سیکھا اور جبریل  
نے اللہ تعالیٰ سے لیا۔“

(سنن الترمذی: 3831)

**جواب:** اس کی سند ضعیف ہے۔ میمون بن عبد اللہ (یا ابان) ابو عبد اللہ مجہول ہے،

اسے صرف امام ابن حبان رضی اللہ عنہ نے ”الثقات“ (۲/۷۷۲) میں ذکر کیا ہے۔

✽ حافظ ذہبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لَا يُعْرَفُ .

”اس کا کوئی پتا ہے۔“

(میزان الاعتدال: 4/233)

✽ حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ نے ”مجہول“ کہا ہے۔

(تقریب التہذیب: 7048)

اس روایت کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ”حسن غریب“ کہا ہے۔ حسن سے مراد ضعیف ہے، جیسا کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی خاص اصطلاح ہے۔

**(سوال):** لواطت کرنے اور کرانے والے کا کیا حکم ہے؟

**(جواب):** لواطت زنا کی فبیح صورت ہے۔ لواطت کرنے اور کرانے والے کی سزا قتل ہے، جس کا نفاذ مسلم ریاست کی ذمہ داری ہے، کسی کو شرعی حدود اپنے ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں، یہ فساد فی الارض ہے۔

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

هَذَا هُوَ الَّذِي دَلَّتْ عَلَيْهِ السُّنَّةُ وَاتَّفَاقُ الصَّحَابَةِ .

” (لواطت میں فاعل اور مفعول کی سزا قتل ہے) اس پر احادیث اور اجماع صحابہ دلیل ہیں۔“

(مجموع الفتاوی: 390/20)

**(سوال):** قرآن و حدیث میں نسخ اور منسوخ قرار دینے کا اختیار کس کے پاس ہے؟

**(جواب):** قرآن و حدیث میں نسخ و منسوخ کا اختیار محدثین اور کبار ائمہ مسلمین کو حاصل ہے۔ بعض لوگ جو دلیل ان کے مذہب کے خلاف ہوتی ہے، بغیر دلیل کے اسے منسوخ کہہ دیتے ہیں، یہ اقدام کسی طرح صحیح نہیں۔ احادیث محدثین کی ہیں، انہیں منسوخ کہنے کا حق بھی محدثین کے پاس ہے۔ ہمارے ذمہ محدثین کے علم کی پیروی ہے۔

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

نَجِدُ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ مِمَّنْ يُخَالِفُ الْحَدِيثَ الصَّحِيحَ مِنْ

أَصْحَابِ أَبِي حَنِيفَةَ أَوْ غَيْرِهِمْ يَقُولُ: هَذَا مَنْسُوخٌ وَقَدْ  
 اتَّخَذُوا هَذَا مَجْنَةً؛ كُلُّ حَدِيثٍ لَا يُوَافِقُ مَذْهَبَهُمْ يَقُولُونَ:  
 هُوَ مَنْسُوخٌ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَعْلَمُوا أَنَّهُ مَنْسُوخٌ وَلَا يَثْبُتُوا مَا  
 الَّذِي نَسَخَهُ.

”ہم نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے پیروکاروں اور ان کے علاوہ دوسرے بہت  
 سارے لوگوں کو دیکھا ہے، جو صحیح حدیث کے مخالف ہیں، وہ کہہ دیتے ہیں: یہ  
 منسوخ ہے، یہ ان کا وطیرہ ہے۔ جو حدیث ان کے مذہب کے موافق نہ ہو،  
 بغیر علم کے اسے منسوخ قرار دیتے ہیں، وہ اس حدیث کا نسخ بھی ثابت  
 کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔“

(مجموع الفتاویٰ: 150/21)

**سوال:** قربانی کی مشروعیت کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

**جواب:** اہل سنت والجماعت کے ہاں قربانی مشروع ہے۔ قربانی میں مخصوص دن کو  
 مخصوص عمر کے جانوروں کا خون بہایا جاتا ہے۔ یہ مسلمانوں کا متواتر عمل ہے اور اس پر  
 امت کا تعامل رہا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود قربانی کی، صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ  
 دین قربانی کرتے رہے۔

نیز قربانی کے استحباب و مشروعیت پر کتاب و سنت اور امت کا اجماع دلیل ہے۔ یہ  
 اسلام کا شعار اور اللہ کریم کے شکر کا نرالہ انداز بھی ہے۔ قربانی اللہ کا حق ہے اور اس کے  
 قرب کا بہترین ذریعہ ہے۔

جو لوگ قربانی کی اہانت کرتے ہوئے اس کو ترک کر دیتے ہیں، وہ گناہ گار ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ  
مِّنْ بَهِيمَةٍ الْأَنْعَامِ﴾ (الحج: ۳۴).

”ہم نے ہر امت کے لئے قربانی مقرر کی ہے، تاکہ وہ ان کو عطا کردہ چوپاؤں  
پر اللہ کا نام ذکر کریں۔“

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

ضَحَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَبْشَيْنِ أَمْلَحَيْنِ، فَرَأَيْتُهُ  
وَاضِعًا قَدَمَهُ عَلَىٰ صِفَاحِهِمَا، يُسَمِّي وَيُكَبِّرُ، فَذَبَحَهُمَا بِيَدِهِ.  
”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سفید و سیاہ رنگ کے مینڈھے قربان کئے، میں نے  
دیکھا کہ آپ نے اپنا قدم مبارک ان کی گردنوں پر رکھا، اللہ کا نام لیا تکبیر کہی  
اور ان کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کر دیا۔“

(صحیح البخاری: 5558، صحیح مسلم: 1966)

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ (682ھ) لکھتے ہیں:

أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلَىٰ مَشْرُوعِيَّةِ الْأُضْحِيَّةِ.  
”مسلمانوں کا قربانی کی مشروعیت پر اجماع ہے۔“

(الشرح الكبير: 3/530)

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ (463ھ) لکھتے ہیں:

الَّذِي يُضَحِّي بِهِ بِإِجْمَاعٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ الْأَرْوَاجُ الثَّمَانِيَّةُ  
وَهِيَ الضَّأْنُ وَالْمَعِزُّ وَاللَّيْلُ وَالْبَقَرُ.

”مسلمانوں کا اجماع ہے کہ چار قسم کے جوڑوں کی قربانی ہوگی، بھینڑ، بکری، اونٹ اور گائے۔“

(التَّمْهِيدُ لِمَا فِي الْمُؤَطَّأِ مِنَ الْمَعَانِي وَالْأَسَانِيدِ: 188/23)

❁ امام ابن منذر رحمہ اللہ (319ھ) لکھتے ہیں:

أَجْمَعُوا عَلَى أَنَّ الضَّحَايَا لَا يَجُوزُ ذَبْحُهَا قَبْلَ طُلُوعِ الْفَجْرِ  
مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ .

”اجماع ہے کہ دس ذوالحجہ کے طلوع فجر سے پہلے قربانیاں ذبح کرنا جائز نہیں۔“

(الاجماع، ص 78)

❁ علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ (۱۲۵۲ھ) فرماتے ہیں:

إِذَا أَنْكَرَ أَصْلَ مَشْرُوعِيَّتِهِ الْمُجْمَعِ عَلَيْهَا بَيْنَ الْأُمَّةِ فَإِنَّهُ يَكْفُرُ .  
”جس عمل کی مشروعیت پر امت کا اجماع ہو، اس کا سرے سے انکار کر دے، تو کافر ہو جائے گا۔“

(فتاویٰ شامی: 314/6)

❁ نیز نقل کرتے ہیں:

لَوْ أَنْكَرَ أَصْلَ الْوَتْرِ وَأَصْلَ الْأُضْحِيَّةِ كَفَرَ .

”اگر کوئی شخص وتر اور قربانی کی مشروعیت کا انکار کرے، وہ کافر ہو جائے گا۔“

(فتاویٰ شامی: 314/6)



## فتاویٰ امن پوری (قسط ۱۷۶)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

**(سوال):** موزوں پر مسح کی مدت کیا ہے؟

**(جواب):** مسح کی مدت مسافر کے لیے تین دن اور مقیم کے لیے ایک دن ہے۔ اس مدت کا آغاز اس وقت ہوگا، جب بے وضو حالت میں پہلی مرتبہ مسح کرے گا۔

**(سوال):** حالت احرام میں موزیں پہننا کیسا ہے؟

**(جواب):** احرام کی حالت میں موزیں پہننا جائز نہیں، البتہ اگر جوتا دستیاب نہ ہو، تو موزیں پہننے جاسکتے ہیں، مگر ٹخنوں کے نیچے تک کاٹ لیے جائیں۔

❁ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَجُلًا نَادَى فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا يَجْتَنِبُ الْمُحْرِمُ مِنَ الثِّيَابِ فَقَالَ: لَا يَلْبَسُ السَّرَاوِيلَ وَلَا الْقَمِيصَ وَلَا الْبُرْنُسَ وَلَا الْعِمَامَةَ وَلَا ثَوْبًا مَسَّهُ زَعْفَرَانٌ وَلَا وَرْسٌ وَلِيُحْرِمَ أَحَدُكُمْ فِي إِزَارٍ وَرِدَاءٍ وَنَعْلَيْنِ، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ نَعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسْ خُفَيْنِ وَلْيَقْطَعْهُمَا حَتَّى يَكُونَا إِلَى الْكَعْبَيْنِ.

”ایک آدمی نے باواز بلند پوچھا: اللہ کے رسول! محرم کون سا لباس نہیں پہن سکتا؟، فرمایا: محرم شلوار، قمیص، ٹوپی (جو سر کے ساتھ چپکی ہو) اور عمامہ نہیں

پہن سکتا، نہ ہی ایسا کپڑا پہن سکتا ہے، جسے زعفران یا ورس (ایک قسم کی گھاس جو رنگنے کے کام آتی ہے) سے رنگا گیا ہو، احرام میں تہبند، چادر اور جوتے پہن سکتے ہو، اگر جوتے میسر نہ ہوں، تو موزوں کو ٹخنوں کے نیچے تک کاٹ کر پہن لیں۔“

(صحیح البخاری: 1842، صحیح مسلم: 1177، المنتقی لابن الجارود: 416)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کو خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

السَّرَاوِيلُ لِمَنْ لَمْ يَجِدِ الْإِزَارَ وَالْخُفَّانِ لِمَنْ لَمْ يَجِدِ النَّعْلَيْنِ .  
 ”شلوار پہننے کی اجازت اس کو ہے، جس کے پاس ازار (تہبند) نہ ہو اور  
 موزے پہننے کی اجازت اس کو ہے، جس کے پاس جوتے نہ ہوں۔“

(صحیح البخاری: 5404، صحیح مسلم: 1178، المنتقی لابن الجارود: 417)

**سوال:** مندرجہ ذیل روایت کی تحقیق درکار ہے!

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يُبَغِضُنَا أَهْلَ الْبَيْتِ أَحَدٌ إِلَّا أَدْخَلَهُ اللَّهُ  
 النَّارَ .

”اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! ہم اہل بیت سے بغض  
 رکھنے والے کو اللہ ضرور واصل جہنم کرے گا۔“

(صحیح ابن حبان: 6978)

**جواب:** اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ ہشام بن عمار دمشقی آخری عمر میں تلقین

قبول کرنے لگے تھے، یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ مذکورہ روایت تلقین قبول کرنے سے پہلے کی ہے یا بعد کی؟ لہذا اس روایت کے قبول میں توقف کیا جائے گا۔

اس روایت کی ایک اور سند بھی ہے۔ ❀

(المستدرک للحاکم: 150/3)

اس سند میں تصحیف کا احتمال ہے، لہذا بالجزم حکم نہیں لگایا جاسکتا۔

اس روایت کی دیگر سندیں بھی ضعیف ہیں۔ ❀

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منسوب ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَوْ أَنَّ رَجُلًا صَفَنَ بَيْنَ الرُّكْنِ وَالْمَقَامِ فَصَلَّى ، وَصَامَ ثُمَّ لَقِيَ  
اللَّهَ وَهُوَ مُبْعُضٌ لِأَهْلِ بَيْتِ مُحَمَّدٍ دَخَلَ النَّارَ .

”اگر کوئی شخص حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان کھڑے ہو کر نماز پڑھتا ہو، روزہ بھی رکھتا ہو، لیکن مرتے وقت دل میں اہل بیت سے بغض ہو، تو وہ جہنم میں جائے گا۔“

(المستدرک علی الصحیحین للحاکم: 148/3)

اس حدیث کو امام حاکم رحمہ اللہ نے ”مسلم کی شرط صحیح“ کہا ہے۔

یہ روایت ضعیف و منکر ہے۔

ابو اویس عبداللہ بن عبداللہ مدنی جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔ ❀

(المجموع شرح المہذب للنووی: 20/9)

اس روایت کو امام ابو حاتم رازی رحمہ اللہ نے ”منکر“ کہا ہے۔ ❀

(علل الحدیث لابن ابی حاتم: 407/6)



**(سوال):** مندرجہ ذیل روایت کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى بِهِمُ الصُّبْحَ فَقَرَأَ  
بِهِمُ الرُّومَ فَأَوْهَمَ، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ: إِنَّهُ يَلْبَسُ عَلَيْنَا  
الْقُرْآنَ، إِنَّ أَقْوَامًا مِنْكُمْ يُصَلُّونَ مَعَنَا لَا يُحْسِنُونَ الْوُضُوءَ،  
فَمَنْ شَهِدَ الصَّلَاةَ مَعَنَا فَلْيُحْسِنِ الْوُضُوءَ.

”رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو نماز فجر پڑھائی اور اس میں سورت روم کی تلاوت کی، تو آپ ﷺ کو متشابہ لگ گیا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے، تو فرمایا: ہمیں قرآن میں متشابہ ہوا ہے، اس لیے کہ آپ میں سے بعض لوگ ہمارے ساتھ نماز پڑھتے ہیں، مگر اچھی طرح وضو نہیں کرتے۔ لہذا جو بھی ہمارے ساتھ نماز میں حاضر ہو، وہ سنوار کر وضو کرے۔“

(مسند الإمام أحمد: 472/3)

**(جواب):** سند ضعیف ہے۔ شیبیب ابوروح کو صرف ابن حبان رحمہ اللہ نے ”الثقات“

(۳۵۹/۴) میں ذکر کیا ہے، لہذا مجہول الحال ہے۔

حافظ ابن القطان الفاسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَا تُعْرَفُ حَالُهُ.

”اس کی عدالت غیر معروف ہے۔“

(بیان الوهم والإیہام: 223/2)

**(سوال):** مندرجہ ذیل روایت کا مفہوم کیا ہے؟

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كُنْتُ أَدْخُلُ بَيْتِي الَّذِي دُفِنَ فِيهِ رَسُولُ اللَّهِ، صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
 وَسَلَّمَ، وَأَبِي، فَأَضَعُ ثَوْبِي، وَأَقُولُ: إِنَّمَا هُوَ زَوْجِي وَأَبِي،  
 فَلَمَّا دُفِنَ عُمَرُ مَعَهُمْ، فَوَاللَّهِ! مَا دَخَلْتُهُ، إِلَّا وَأَنَا مَشْدُودَةٌ  
 عَلَيَّ ثِيَابِي، حَيَاءً مِّنْ عُمَرَ .

”میں اپنے اس حجرے میں، جس میں رسول اللہ ﷺ اور میرے والد (سیدنا  
 ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ) مدفون تھے، داخل ہوتی تو (سرکا) کپڑا اتار دیا کرتی تھی اور  
 (دل میں) یہ کہتی کہ یہاں میرے خاوند اور میرے والد ہی تو ہیں۔ لیکن جب  
 ان کے ساتھ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی دفن ہو گئے تو اللہ کی قسم! میں اس حجرے میں  
 صرف اسی حالت میں داخل ہوئی کہ میں اپنا (سرکا) کپڑا سختی سے باندھ لیتی  
 تھی۔ میں یہ کام سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے حیا کرتے ہوئے کرتی تھی۔“

(مسند الإمام أحمد: 202/6، المستدرک علی الصحیحین للحاکم: 62/3، ح:

4402، 8/4، ح: 6721، وسنده صحیح)

امام حاکم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح بخاری و مسلم کی شرط پر ”صحیح“ قرار دیا ہے۔

✿ حافظ پیشی لکھتے ہیں:

رِجَالُهُ رِجَالُ الصَّحِيحِ .

”اس کے راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں۔“

(مجمع الزوائد: 26/8)

✿ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

مَا زِلْتُ أَضَعُ خِمَارِي، وَأَتَفَضَّلُ فِي ثِيَابِي فِي بَيْتِي، حَتَّى

دُفِنَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فِيهِ، فَلَمْ أَزَلْ مُتَحَفِّظَةً فِي ثِيَابِي،  
حَتَّى بَنَيْتُ بَيْنِي وَبَيْنَ الْقُبُورِ جِدَارًا، فَتَفَضَّلْتُ بَعْدُ.

”میں ہمیشہ اپنے حجرے میں اپنا دوپٹہ اتار دیتی اور کام کاج کے معمولی کپڑے پہن لیتی تھی حتیٰ کہ اس میں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ دفن کر دیئے گئے۔ اس وقت سے میں اپنے کپڑوں میں لپٹی ہوئی رہتی تھی، یہاں تک کہ میں نے قبروں کے سامنے ایک دیوار بنا دی، اس کے بعد میں نے گھر میں کام کاج کے معمولی کپڑے پہننا شروع کر دیئے۔“

(طبقات ابن سعد: 277/3، تاریخ مدینة لابن شبة: 945/3، وسندہ حسن)

(جواب): کچھ کام انسان طبعی طور پر بے ساختہ کرتا ہے اور ان کے پیچھے کوئی عقیدہ و نظریہ کارفرما نہیں ہوتا، جیسا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کو چومتے ہوئے سنت کی محبت میں بے ساختہ اسے مخاطب کیا اور فرمایا:

أَمَّا وَاللَّهِ، إِنِّي لَأَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ، لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ، وَكَوْلَا  
أَنِّي رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَلَمَكَ مَا اسْتَلَمْتُكَ.  
”اللہ کی قسم! میں جانتا ہوں کہ تُو ایک پتھر ہے، تُو نہ نفع دے سکتا ہے نہ نقصان۔  
اگر میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے چومتے نہ دیکھا ہوتا، تو تجھے نہ چومتا۔“

(صحیح البخاری: 1605، صحیح مسلم: 1270)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس عمل کو بھی اسی پر محمول کیا جائے گا، ورنہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا یا کسی بھی صحابی سے مردوں کے زندوں کو دیکھنے یا ان کی باتیں سننے کا عقیدہ و نظریہ ثابت نہیں، نہ خیر القرون یا بعد کے ائمہ اہل سنت نے اس روایت سے یہ مسئلہ اخذ ہی کیا۔ مردوں سے

پردہ کرنے کا کوئی بھی قائل نہیں۔

**سوال:** خنزیر کا کیا حکم ہے؟

**جواب:** خنزیر نجس العین ہے۔ بالاتفاق حرام ہے۔ کسی ملت میں بھی حلال نہیں رہا۔

✽ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالِدَمُّ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ﴾ (المائدة: ۳)

”تم پر مردار، (ذبح کے وقت بہنے والا) خون اور خنزیر کا گوشت حرام ہے۔“

✽ نیز فرمایا:

﴿قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوْحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا

أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ﴾

(الأنعام: ۱۴۵)

”(اے نبی!) کہہ دیجئے کہ مجھ پر جو وحی کی گئی ہے، اس میں کھانے والے پر

صرف یہ حرام ہے؛ مردار، (ذبح کے وقت) بہنے والا خون اور خنزیر کا گوشت،

اس لیے کہ یہ پلید ہے۔“

✽ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو پاک اور حلال چیزیں کھانے کا حکم دیا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ﴾ (البقرة: ۱۷۲)

”مومنو! ہمارا دیا ہوا پاکیزہ اور حلال رزق کھاؤ۔“

✽ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ، وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيرِ وَالْأَصْنَامِ.

”بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ذریعہ شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی

تجارت کو حرام قرار دیا ہے۔“

(صحیح البخاری: 2236، صحیح مسلم: 1581)

❁ سیدنا بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ لَعِبَ بِالنَّرْدَشِيرِ، فَكَأَنَّمَا صَبَغَ يَدَهُ فِي لَحْمِ خِنْزِيرٍ وَدَمِهِ .

”جس نے شطرنج کھیلی، اس نے گویا خنزیر کے گوشت اور خون میں اپنا ہاتھ

رنگ دیا۔“ (صحیح مسلم: 2260)

❁ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَقْتُلُ الْخِنْزِيرَ .

”عیسیٰ علیہ السلام (قرب قیامت نزول فرمائیں گے اور) خنزیر کو قتل کریں گے۔“

(صحیح البخاری: 2222، صحیح مسلم: 155)

❁ اس حدیث کے تحت حافظ خطابی رحمۃ اللہ علیہ (۳۸۸ھ) فرماتے ہیں:

فِيهِ دَلِيلٌ عَلَى نَجَاسَةِ عَيْنِهِ وَأَنَّ سُورَةَ مُحَرَّمٌ، وَالشَّيْءُ الطَّاهِرُ

الْمُنْتَفِعُ بِهِ لَا يُؤْمَرُ بِقَتْلِهِ وَإِتْلَافِهِ .

”اس حدیث میں دلیل ہے کہ خنزیر نجس العین ہے اور اس کا جھوٹا حرام ہے،

کیونکہ جو چیز پاک اور نفع مند ہو، اسے قتل اور تلف کرنے کا حکم نہیں دیا

جاتا۔“

(أعلام الحديث: 3/1562)

❁ امام ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ (۳۱۹ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعَ أَهْلُ الْعِلْمِ عَلَى تَحْرِيمِ الْخِنْزِيرِ، وَالْخِنْزِيرُ مُحَرَّمٌ بِالْكِتَابِ

وَالسُّنَّةِ وَاتِّفَاقِ الْأُمَّةِ .

”خنزیر کی حرمت پر اہل علم کا اجماع ہے۔ کتاب و سنت اور امت کے اجماع کی رو سے خنزیر حرام ہے۔“

(الأوسط في السنن والإجماع والإختلاف: 229/2)

❁ علامہ ابن حزم رحمہ اللہ (۴۵۶ھ) فرماتے ہیں:

اتَّفَقُوا ..... أَنَّ لَحْمَ الْخِنزِيرِ وَشَحْمَهُ وَوَدَكَهُ وَغَضْرُوفَهُ  
وَمُخَهُ وَعَصَبَهُ حَرَامٌ كُلُّهُ وَكُلُّ ذَلِكَ نَجَسٌ .

”اہل علم کا اتفاق ہے کہ..... خنزیر کا گوشت، چربی، چکنائی، نرم ہڈی، بھیجہ اور اعصاب سب کچھ حرام ہے، نیز سب نجس ہے۔“

(مراتب الإجماع، ص 23)

❁ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

الْعَيْنُ الَّتِي حَرَّمَهَا اللَّهُ فِي كُلِّ مِلَّةٍ، وَعَلَى لِسَانِ كُلِّ رَسُولٍ،  
كَالْمَيْتَةِ، وَالِدَمِّ وَالْخِنزِيرِ، فَإِنَّ اسْتِبَاحَتَهُ مُخَالَفَةٌ لِمَا أَجْمَعَتِ  
الرُّسُلُ عَلَى تَحْرِيمِهِ .

”وہ نجس العین چیز، جسے اللہ تعالیٰ نے ہر ملت میں اور ہر رسول کی زبانی حرام کیا، مثلاً مردار، (ذبح کے وقت بننے والا) خون اور خنزیر، تو اسے مباح اور جائز قرار دینے میں تمام رسولوں کی مخالفت ہے کہ انہوں نے متفقہ طور پر اسے

حرام قرار دیا ہے۔“ (زاد المعاد: 676/5)

❁ نیز فرماتے ہیں:

أَمَّا تَحْرِيمُ بَيْعِ الْخِنْزِيرِ، فَيَتَنَاوَلُ جُمْلَتَهُ، وَجَمِيعَ أَجْزَائِهِ  
الظَّاهِرَةَ وَالْبَاطِنَةَ، وَتَأْمَلُ كَيْفَ ذَكَرَ لَحْمَهُ عِنْدَ تَحْرِيمِ  
الْأَكْلِ إِشَارَةً إِلَى تَحْرِيمِ أَكْلِهِ وَمُعْظَمُهُ اللَّحْمَ، فَذَكَرَ اللَّحْمَ  
تَنْبِيْهَا عَلَى تَحْرِيمِ أَكْلِهِ دُونَ مَا قَبْلَهُ، بِخِلَافِ الصَّيْدِ، فَإِنَّهُ  
لَمْ يَقُلْ فِيهِ : وَحَرَّمَ عَلَيْكُمْ لَحْمَ الصَّيْدِ، بَلْ حَرَّمَ نَفْسَ  
الصَّيْدِ؛ لِيَتَنَاوَلَ ذَلِكَ أَكْلَهُ وَقَتْلَهُ، وَهَاهُنَا لَمَّا حَرَّمَ الْبَيْعَ ذَكَرَ  
جُمْلَتَهُ، وَلَمْ يَخْصَّ التَّحْرِيمَ بِلَحْمِهِ لِيَتَنَاوَلَ بَيْعَهُ حَيًّا وَمَيِّتًا .

”خنزیر کی حرمت میں پورے کا پورا خنزیر داخل ہے، یعنی اس کے تمام ظاہری اور باطنی اجزا۔ ذرا تدبر کیجئے کہ کیسے خنزیر کے گوشت کا ذکر کر کے اس کے کھانے کی حرمت کی طرف اشارہ کر دیا، چونکہ خنزیر میں زیادہ چیز گوشت ہے، اس لیے گوشت کا ذکر کر کے اس کے کھانے کو حرام کر دیا، کسی اور چیز کا ذکر نہیں کیا۔ اس کے برعکس (احرام کے حالت میں) شکار (کی حرمت میں) یہ نہیں کہا کہ تم پر شکار کا گوشت حرام کیا گیا ہے، بلکہ خود شکار کو حرام کیا ہے، اس میں شکار کے جانور کو قتل کرنا اور اسے کھانا دونوں شامل ہیں۔ جبکہ جب (خنزیر کی) تجارت کو حرام کیا، تو پورے خنزیر کا ذکر کیا اور اس کی حرمت گوشت کے ساتھ خاص نہیں کی، تاکہ بیع کی حرمت زندہ اور مردہ خنزیر کو شامل ہو۔“

(زاد المَعَاد: 5/674)

فائدہ:

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

✽ علامہ ابن العربی مالکی رحمۃ اللہ علیہ (۵۴۳ھ) فرماتے ہیں:

”فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ﴾ ”مگر جس جانور کو تم ذبح کر لو (وہ حلال ہے)۔“ خنزیر کو ذبح نہیں کیا جاتا۔ دباغت (چمڑے کو رنگنا) سے زیادہ تطہیر ذبح میں ہے، کیونکہ ذبح کا عمل جانور کے گوشت اور دیگر تمام اجزا پر ہوتا ہے، جبکہ دباغت کا عمل (بعض جزوی) اختلاف کے ساتھ صرف جلد پر ہوتا ہے۔ لہذا جب خنزیر کی جلد میں ذبح کا عمل اثر نہیں کرتا، تو اس میں دباغت کا عمل بالاولیٰ اثر نہیں کرتا (اس لیے اس کے چمڑے کو رنگنا جائز نہیں)۔“

(المسالك في شرح مؤطا الإمام مالك: 310/5)

**سوال:** نماز خوف کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

**جواب:** جب دشمن کے حملہ آور ہونے کا خوف ہو، تو فرض نماز کی رکعات اور طریقہ ادائیگی میں کچھ خاص تخفیف اور رعایت بیان کی گئی ہے، اسے نماز خوف کہتے ہیں، احادیث میں اس کی مختلف حالتیں بیان ہوئی ہیں، جو خوف کی مختلف صورتوں پر محمول ہیں۔

✽ سیدنا ابو عیاش زرقی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

”مقام عسفان پر ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مشرکین کے مد مقابل تھے، ان کے سپہ سالار سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ (جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) تھے، وہ ہمارے اور قبلہ کے درمیان تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ظہر کی نماز پڑھائی، تو مشرکین کہنے لگے: یہ (مسلمان) ایسی حالت میں تھے کہ ہم ان کی غفلت سے فائدہ اٹھا سکتے تھے، پھر کہنے لگے: ابھی ان پر ایک نماز آنے والی ہے، جو انہیں اپنی جانوں اور بیٹوں سے بھی زیادہ محبوب ہے۔ جبریل علیہ السلام نماز ظہر اور



عصر کے درمیان یہ آیت لے کر اترے: ﴿فَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ.....﴾ (جب آپ ان میں موجود ہوں اور انہیں نماز پڑھائیں..... الخ) راوی کہتے ہیں: نماز کا وقت ہوا، تو نبی کریم ﷺ کے حکم سے انہوں نے اسلحہ اٹھالیا، پھر ہم نے آپ کے پیچھے دو صفیں بنائیں، آپ نے رکوع کیا، تو ہم سب نے بھی رکوع کیا، آپ رکوع سے اٹھے، تو ہم بھی اٹھ گئے، پھر نبی کریم ﷺ کے ساتھ پہلی صف والوں نے سجدہ کیا اور دوسری صف والے کھڑے ہو کر ان کی حفاظت کرتے رہے، جب وہ سجدہ کر کے کھڑے ہو گئے، تو دوسری صف والوں نے ان کی جگہ بیٹھ کر سجدہ کیا، پھر پچھلی صف والے آگے اور اگلی صف والے پیچھے چلے گئے، پھر آپ ﷺ کے ساتھ سب نے رکوع کیا اور رکوع سے سر اٹھایا، پھر نبی کریم ﷺ کے ساتھ پہلی صف والوں نے سجدہ کیا اور دوسری صف والے کھڑے ہو کر ان کی حفاظت کرنے لگے، جب وہ سجدہ کر کے بیٹھ گئے، تو دوسری صف والوں نے بھی سجدہ کیا، پھر آپ ﷺ نے سلام پھیر دیا اور چلے گئے۔ نبی کریم ﷺ نے دو دفعہ اس طرح نماز (خوف) پڑھی ہے، ایک دفعہ عسفان میں اور دوسری دفعہ بنی سلیم کے علاقے میں۔“

(مسند الإمام أحمد: 60,59/4، سنن أبي داود: 1236، سنن النسائي: 1551،

المنتقى لابن الجارود: 232، وسنده صحيح)

اس حدیث کو امام ابن الجارود، امام دارقطنی رحمہ اللہ (۶۰/۲) امام ابن حبان رحمہ اللہ (۲۸۷۵) حافظ بغوی رحمہ اللہ (شرح السنة: ۱۰۹۶) اور حافظ نووی رحمہ اللہ (المجموع شرح المہذب: ۴/۴۲۱) نے ”صحیح“ کہا ہے، امام بیہقی رحمہ اللہ (السنن الکبریٰ: ۳/۲۵۷) نے اس

کی سند کو ”صحیح“ کہا ہے، امام حاکم رحمہ اللہ (۱/۳۳۷، ۳۳۸) نے امام بخاری رحمہ اللہ اور امام مسلم رحمہ اللہ کی شرط پر ”صحیح“ کہا ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

✽ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جب نماز خوف کے متعلق پوچھا جاتا، تو فرماتے:

”لوگوں کا ایک گروہ امام کے ساتھ آگے بڑھے اور امام انہیں ایک رکعت نماز پڑھا دے، جب کہ دوسرا گروہ نماز نہ پڑھے، بل کہ ان کے اور دشمن کے درمیان کھڑا رہے، جب وہ لوگ ایک رکعت پڑھ لیں، جو امام کے ساتھ تھے، تو وہ ان لوگوں کی جگہ چلے جائیں جنہوں نے نماز نہیں پڑھی، سلام نہ پھیریں اور جن لوگوں نے نماز نہیں پڑھی، وہ آگے بڑھ کر امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھ لیں، پھر امام جو کہ دو رکعتیں پڑھ چکا ہے، سلام پھیر دے، دونوں گروہ کھڑے ہو کر خود ہی ایک ایک رکعت ادا کر لیں، یوں دونوں گروہوں کی دو دو رکعتیں ادا ہو جائیں گی، اگر خوف بہت زیادہ ہو جائے، تو کھڑے کھڑے نماز پڑھ لیں یا سوار ہو کر پڑھ لیں، نیز منہ قبلہ کی جانب ہو یا کسی اور جانب۔

نافع رحمہ اللہ کہتے ہیں: سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ طریقہ رسول اللہ ﷺ سے ہی بیان کیا ہے۔“

(صحیح البخاری: 4535، المنتقی لابن الجارود: 234)

**سوال:** گھوڑے کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟

**جواب:** گھوڑا حلال ہے۔

✽ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

نَحْرَنَا فَرَسًا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَآكَلْنَاهُ.

”ہم نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں گھوڑا ذبح کیا اور اس کا گوشت کھایا۔“

(صحیح البخاری: 5519، صحیح مسلم: 1942)

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى يَوْمَ خَيْبَرَ عَنْ لُحُومِ  
الْحُمْرِ، وَأَذِنَ فِي لُحُومِ الْخَيْلِ.

”رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے روز گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا اور گھوڑوں

کے گوشت (کھانے) کی اجازت دی۔“

(صحیح البخاری: 4219، صحیح مسلم: 1941، المنتقى لابن الجارود: 885)

**سوال:** گھوڑی کے دودھ کا کیا حکم ہے؟

**جواب:** گھوڑی کا دودھ حلال ہے، کیونکہ یہ گوشت کے تابع ہے۔ جب گھوڑے کا

گوشت حلال ہے اور اس کی حلت احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، تو گھوڑی کا دودھ بھی حلال ہے۔

**سوال:** کیا محض ”لا الہ الا اللہ“ کا تلفظ ادا کرنا کافی ہے؟

**جواب:** اکثر لوگ لا الہ الا اللہ کہتے ہیں، لیکن وہ اخلاص، یقین کامل اور بشارت

قلب جو اس سے حاصل ہونی چاہیے، انہیں نصیب نہیں ہوتی، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ محض

سن سنا کر، دیکھا دیکھی اور ایک عادت کے طور پر اس کا اقرار کرتے ہیں، لہذا ضروری ہے

کہ ہم اس کلمہ کی اصل روح اور اس کے تقاضے و شرائط بیان کر دیں، تاکہ اس سے حقیقی فوائد

حاصل ہو سکیں، کیونکہ صرف الفاظ کو رٹ لینا مفید نہیں۔

حافظ حکمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لَيْسَ الْمُرَادُ مِنْ ذَلِكَ عَدَّ الْأَفْظِهَا وَحِفْظُهَا فَكَمْ مِنْ عَامِيٍّ

اجْتَمَعَتْ فِيهِ وَالْتَزَمَهَا وَلَوْ قِيلَ لَهُ: أُعِدُّهَا لَمْ يُحْسِنِ ذَلِكَ،  
وَكَمْ حَافِظٍ لِأَلْفَاطِهَا يَجْرِي فِيهَا كَالسَّهْمِ وَتَرَاهُ يَقَعُ كَثِيرًا  
فِيمَا يُنَاقِضُهَا.

”کلمہ پڑھنے سے مراد اس کے الفاظ کا شمار اور ٹ لینا نہیں ہوتا، کتنے ہی ان  
پڑھ لوگ ہیں، جنہوں نے کلمہ پڑھا اور پھر اس کے تقاضے بھی پورے کیے، لیکن  
اگر ان سے کہا جائے کہ اس کے الفاظ کو شمار کرو، تو نہ کر سکیں، اس کے برعکس  
کتنے ہی پڑھے لکھے ایسے ہیں کہ پانی کی طرح روانی سے پڑھتے ہیں، لیکن ان  
کے اکثر کام کلمہ کے منافی ہوتے ہیں۔“

(معارج القبول: 1/333)

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ (۷۵۱ھ) لکھتے ہیں:

رُوحُ هَذِهِ الْكَلِمَةِ وَسِرُّهَا: إِفْرَادُ الرَّبِّ جَلَّ ثَنَاؤُهُ، وَتَقَدَّسَتْ  
أَسْمَاؤُهُ، وَتَبَارَكَ اسْمُهُ، وَتَعَالَى جَدُّهُ، وَلَا إِلَهَ غَيْرُهُ بِالْمَحَبَّةِ  
وَالْإِجْلَالِ وَالتَّعْظِيمِ وَالْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ وَتَوَابِعِ ذَلِكَ مِنَ  
التَّوَكُّلِ وَالْإِنَابَةِ وَالرَّغْبَةِ وَالرَّهْبَةِ، فَلَا يُحِبُّ سِوَاهُ، وَكُلُّ مَا  
كَانَ يُحِبُّ غَيْرَهُ فَإِنَّمَا يُحِبُّ تَبَعًا لِمَحَبَّتِهِ، وَكَوْنُهُ وَسِيلَةً إِلَى  
زِيَادَةِ مَحَبَّتِهِ، وَلَا يُخَافُ سِوَاهُ، وَلَا يُرْجَى سِوَاهُ، وَلَا يُتَوَكَّلُ  
إِلَّا عَلَيْهِ، وَلَا يُرْغَبُ إِلَّا إِلَيْهِ، وَلَا يُرْهَبُ إِلَّا مِنْهُ، وَلَا يُحْلَفُ  
إِلَّا بِاسْمِهِ، وَلَا يُنْظَرُ إِلَّا لَهُ، وَلَا يُتَابُ إِلَّا إِلَيْهِ، وَلَا يُطَاعُ إِلَّا

أَمْرُهُ، وَلَا يَتَحَسَّبُ إِلَّا بِهِ، وَلَا يُسْتَعَاثُ فِي الشَّدَائِدِ إِلَّا بِهِ،  
وَلَا يُلْتَجَأُ إِلَّا إِلَيْهِ، وَلَا يُسْجَدُ إِلَّا لَهُ، وَلَا يُدْبَحُ إِلَّا لَهُ  
وَبِاسْمِهِ، وَيَجْتَمِعُ ذَلِكَ فِي حَرْفٍ وَاحِدٍ، وَهُوَ أَنْ لَا يُعْبَدَ إِلَّا  
إِيَّاهُ بِجَمِيعِ أَنْوَاعِ الْعِبَادَةِ، فَهَذَا هُوَ تَحْقِيقُ شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ  
إِلَّا اللَّهُ، وَلِهَذَا حَرَّمَ اللَّهُ عَلَى النَّارِ مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ  
حَقِيقَةَ الشَّهَادَةِ، وَمُحَالٌّ أَنْ يَدْخُلَ النَّارَ مَنْ تَحَقَّقَ بِحَقِيقَةِ  
هَذِهِ الشَّهَادَةِ وَقَامَ بِهَا، كَمَا قَالَ تَعَالَى: ﴿وَالَّذِينَ هُمْ بِشَهَادَاتِهِمْ  
قَائِمُونَ﴾ (الْمَعَارِجُ : ۳۳)، فَيَكُونُ قَائِمًا بِشَهَادَتِهِ فِي ظَاهِرِهِ  
وَبَاطِنِهِ، فِي قَلْبِهِ وَقَالِبِهِ .

”اس کلمہ کی اصل روح اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کو محبت، تعظیم،  
اکرام، خوف، رجاء، توکل، رجوع، رغبت، ہیبت وغیرہ میں کیلنا مانا جائے، یعنی  
اس کے سوا کسی سے محبت نہ کی جائے، اگر اس کے علاوہ کسی سے محبت ہو بھی، تو  
اس کی محبت کے تابع بنا کر یا اس کی محبت کا ذریعہ سمجھ کر اور اس کے سوا کسی سے  
خوف نہ رکھا جائے، نہ کسی سے امید رکھی جائے، نذر دی جائے، تو اس کی،  
رجوع کیا جائے، تو اس کی طرف، بات مانی جائے، تو اس کی، ثواب کی امید کی  
جائے، تو اس سے، مصائب میں مدد مانگی جائے، تو اس سے، فریاد کی جائے، تو  
اسی سے، سجدہ کیا جائے، تو اسی کو، ذبح کیا جائے، تو اسی کے لیے اور اسی کے  
نام پر ان سب باتوں کو ایک ہی جملے میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ عبادت کی کوئی

بھی قسم اس کے علاوہ کسی کے لیے بھی روانہ رکھی جائے۔ یہ ہے لا الہ الا اللہ کا اصل مطلب، یہی وجہ ہے کہ یہ گواہی دینے والے پر آگ حرام ہو جاتی ہے اور جس نے حقیقتاً یہ کلمہ پڑھ لیا اور اس پر ڈٹا رہا، اس کا آگ میں داخل ہونا ناممکن ہے، فرمان الہی ہے: ﴿وَالَّذِينَ هُمْ بِشَهَادَاتِهِمْ قَائِمُونَ﴾ (المعارج: ۳۳) ”وہ لوگ (جہنم سے بچ جائیں گے) جو اپنی گواہی پر قائم رہتے ہیں۔“ یعنی وہ اس گواہی کو اپنے ظاہر و باطن اور قلب و قالب پر قائم کر لیتے ہیں۔“

(الجواب الکافی، ص ۲۹۰)

کلمہ اخلاص کی فضیلت کے بارے میں احادیث بیان کرنے کے بعد

حافظ ابن رجب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”اس بارے میں دو طرح کی احادیث آئی ہیں، ایک تو یہ کہ جو توحید و رسالت کی گواہی دیتا ہے، جنت میں داخل ہو جائے گا، اس سے روکا نہیں جائے گا، یہ تو واضح ہے، جبکہ دوسری احادیث میں یہ ہے کہ وہ آگ پر حرام ہو جائے گا، بعض علمائے اسے ہمیشہ رہنے پر محمول کیا ہے، یعنی وہ ہمیشہ آگ میں نہیں رہے گا، اکثر علما کا کہنا ہے کہ ان احادیث کی مراد یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ جنت میں داخلے اور آگ سے نجات کا سبب ہے، لیکن اس کے کچھ تقاضے ہیں اور یہ تب ہی اپنا کام کرے گا، جب اس کے تقاضے پورے ہوں اور موانع نہ ہوں، بسا اوقات شرائط پوری نہ ہونے یا موانع کی موجودگی کی وجہ سے یہ ناکام ہو جاتا ہے، حسن بصری اور وہب بن منبہ رحمہم اللہ کا یہی قول ہے اور یہی بات راجح ہے۔“

(کلمة الإخلاص وتحقیق معناها لابن رجب ص ۱۲-۱۳)

چنانچہ کلمہ اخلاص کی درج ذیل شروط ہیں:

۱۔ معنی و مفہوم کا علم

۲۔ کامل یقین

۳۔ قبول

۴۔ اطاعت

۵۔ صدق

۶۔ اخلاص

۷۔ محبت

جب کلمہ پڑھنے والے میں یہ سب شرائط موجود ہوں گی، تو یہ کلمہ نفع مند اور نجات و فلاح

کا باعث ہوگا۔

**(سوال):** جس مرغی نے گندگی کھائی ہو، کیا اس کا گوشت حلال ہے؟

**(جواب):** مرغی حلال ہے، مرغی جو گندگی کھاتی ہے، وہ تحلیل ہو جاتی ہے۔

❁ زہد مہجرى ﷺ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَجُلًا، اعْتَرَلَ الدَّجَاجَ، وَقَالَ: رَأَيْتُهَا تَأْكُلُ شَيْئًا فَقَدِرْتُهَا،

فَقَالَ أَبُو مُوسَى رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُهُ.

”ایک آدمی مرغ (کھانے) سے کنارہ کش ہو گیا اور کہنے لگا: میں نے اسے

کچھ کھاتے دیکھا ہے، جس کی وجہ سے مجھے اس سے کراہت ہو گئی ہے، تو سیدنا

ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے، آپ ﷺ اسے

کھا رہے تھے۔“

(صحیح البخاری: 5518، صحیح مسلم: 1649، المنتقی لابن الجارود: 888)

**سوال:** سگریٹ نوشی کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

**جواب:** سگریٹ مضرت اور خباث میں سے ہے، لہذا ناجائز ہے۔

**سوال:** روزے کی حالت میں تمباکو نوشی کا کیا حکم ہے؟

**جواب:** تمباکو نوشی سے بالاتفاق روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

**سوال:** کیا غیر مسلموں کا تحفہ قبول کیا جاسکتا ہے؟

**جواب:** غیر مسلم سے تحفہ لیا جاسکتا ہے۔

❁ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ يَهُودِيَّةً أَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَاةٍ مَسْمُومَةٍ،  
فَأَكَلَ مِنْهَا، فَجِيءَ بِهَا فَقِيلَ: أَلَا نَقْتُلُهَا، قَالَ: لَا، فَمَا زِلْتُ  
أَعْرِفُهَا فِي لَهَوَاتِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

”ایک یہودی عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس زہر آلودہ بکری کا گوشت لے کر آئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کھالیا۔ اس یہودیہ پکڑ لیا گیا اور (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے) پوچھا گیا: کیا ہم اسے قتل کر دیں؟ فرمایا: نہیں۔ اس وقت سے میں (انس رضی اللہ عنہ) اس زہر کا اثر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تالو میں محسوس کرتا رہا ہوں۔“

(صحیح البخاری: 2617، صحیح مسلم: 2190)

**سوال:** کیا غیر مسلموں کی دعوت قبول کی جاسکتی ہے؟

**جواب:** غیر مسلم حلال شے کی دعوت دے، تو اسے قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔



★★ ————— ● ◆ ● ————— ★★

**(سوال):** جس دعوت میں خلاف شرع امور ہوں، اس کا کیا حکم ہے؟

**(جواب):** جس دعوت میں خلاف شرع امور ہوں، اس کو قبول کرنا جائز نہیں۔ یہ گناہ

پر معاونت ہے۔

✽ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾

(المائدة: 2)

”یہی اور تقویٰ کے امور پر ایک دوسرے کی معاونت کیا کریں، گناہ اور ظلم کے

کام پر کسی کا ہاتھ نہ بٹایا کریں۔“

**(سوال):** دعوت ولیمہ کا کیا حکم ہے؟

**(جواب):** دعوت ولیمہ کو قبول کرنا واجب ہے، احادیث کا عموم اور اہل علم کی آراء سے

یہی معلوم ہوتا ہے۔

✽ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ تَرَكَ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللَّهَ وَرَسُولَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

”جس نے (بلا عذر) دعوت (ولیمہ) کو ترک کیا، اس نے اللہ اور اس کے

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔“

(صحیح البخاری: 5177، صحیح مسلم: 1432)

**(سوال):** عبدالاعلیٰ بن عامر ثعالبی کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

**(جواب):** عبدالاعلیٰ بن عامر ثعالبی جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔

✽ حافظ پیشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الْأَكْثَرُ عَلَى تَضْعِيفِهِ .

”اکثر محمدین ضعیف قرار دیتے ہیں۔“

(مجمع الزوائد: 1/147)

حافظ ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ضَعَّفَهُ الْأَكْثَرُونَ .

”اکثر محمدین ضعیف قرار دیتے ہیں۔“

(فتح الباری لابن رجب: 9/257)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قَالَ الْجُمْهُورُ فِي عَبْدِ الْأَعْلَى : لَيْسَ بِقَوِيٍّ .

”عبدالاعلیٰ کے بارے میں جمہور کا کہنا ہے کہ یہ قوی نہیں۔“

(فتح الباری: 13/125)



## فتاویٰ امن پوری (قسط ۸۷)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

**سوال:** کیا آنکھوں سے نکلنے والے آنسو پاک ہیں؟

**جواب:** آنکھ کے آنسو پاک ہیں، ان کے نجس ہونے پر کوئی دلیل نہیں، جو حکم پسینے

اور لعاب کا ہے، وہی آنسوؤں کا ہے۔

**سوال:** ادھار کی ادھار سے خرید و فروخت کا کیا حکم ہے؟

**جواب:** ادھار چیز کی ادھار سے خرید و فروخت بالاتفاق ناجائز و حرام ہے۔

✽ امام ابن منذر رحمہ اللہ (۳۱۹ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعَ أَهْلُ الْعِلْمِ أَنَّ الدَّيْنَ بِالَّذِينَ لَا يَجُوزُ.

”اہل علم کا اجماع ہے کہ ادھار کی ادھار سے خرید و فروخت جائز نہیں۔“

(الإشراف: 44/6)

**سوال:** غیر اللہ کے لیے ذبح کا کیا حکم ہے؟

**جواب:** غیر اللہ کے نام سے منسوب کرنا اور ان کے نام پر ذبح کرنا شرک و کفر

ہے۔ ایسے جانور اور ایسی اشیا کھانا حرام ہے، یہ جانور اور یہ روپیہ پیسہ اللہ تعالیٰ کی عطا

ہے، اللہ تعالیٰ کا واجب حق ہے کہ یہ چیزیں اسی کے نذرانے اور شکرانے میں صرف ہوں۔

✽ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾

لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ﴿۱۶۳﴾

(الأنعام: 162-163)

” (نبی!) کہہ دیجیے کہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ ہی کے لیے ہے، جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔

مجھے یہی حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مطیع ہوں۔“

ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ سے اعلان کروایا کہ میں نماز، جو کہ دین کا ستون اور رکن ہے، قلبی عبادت، جیسے خشوع اور توجہ الی اللہ، قوی عبادت، جیسے تکبیر و تحمید، قرآن کریم کی تلاوت، وغیرہ، عملی عبادت، جیسے قیام، رکوع، سجدہ، جلوس وغیرہ، خالص اللہ رب العالمین کے لیے ادا کرتا ہوں۔ میں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے جانور ذبح کرتا ہوں، مشرکین کی طرح انصاب و اضنام کے لیے نہیں۔ میں ساری زندگی اپنے اللہ کی بندگی اور نیاز مندی میں گزاروں گا اور اسی پر فوت ہوں گا۔ میں اقراری ہوں کہ عبادت کی تمام انواع و اقسام میں اللہ رب العالمین کا کوئی شریک و سہم نہیں۔

🌸 حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (774ھ) فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو حکم فرما رہے ہیں کہ وہ غیر اللہ کی عبادت کرنے والے اور اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر جانور ذبح کرنے والے مشرکوں کو بتا دیں کہ آپ ﷺ ان کاموں میں اُن کے مخالف ہیں، کہ آپ ﷺ کی نماز صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، ذبح اسی کے نام پر کرتے ہیں، وہ (اللہ) اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ

وَأَنْحَرُوا ﴿الکوتر: 2﴾ ”صرف اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں اور اسی کے نام پر ذبح کریں۔“ یعنی اپنی نماز اور ذبح اللہ کے لیے خاص کر دیں، کیونکہ مشرکین مکہ بتوں کی عبادت کرتے تھے اور ان کے لیے جانور ذبح کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو حکم فرمایا کہ آپ ان کی مخالفت کریں، ان کی اس رَؤس سے الگ رہیں اور اپنی نیت و قصد اور عزم کے ساتھ اس بات پر قائم رہیں کہ ہر کام خالص اللہ تعالیٰ کے لیے کرنا ہے۔“

(تفسیر ابن کثیر: 128/3)

عبادات کی تمام انواع جیسے دعا و پکار اور التجا، محبت، خوف، امید ورجا، توکل و بھروسہ، رغبت و رہبت، خشوع و خضوع، رجوع و انابت، استعانت و استغاثہ، ذبح اور نذر و نیاز خالص اللہ کے لیے بجلائیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہرائیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا واجب حق ہے، جو ضروری ہے کہ اسی کے لیے پورا کیا جائے۔ تاحیات اس پر ڈٹے رہنا اور تازیت اس کی دعوت ہر مسلمان کا فریضہ ہے۔

❁ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَعَنَ اللَّهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللَّهِ .

”غیر اللہ کے لئے ذبح کرنے والے پر اللہ کی لعنت ہے۔“

(صحیح مسلم: 1978)

مخلوق کے نام پر جانور ذبح کرنا غیر اسلامی عمل ہے۔ اللہ کے علاوہ کسی کی تعظیم و تقرب کے لیے ذبح کرنا شرک ہے اور ایسا ذبیحہ حرام ہے اور اس کا گوشت کھانا ممنوع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حرام چیزوں کے بیان میں فرمایا:

﴿وَمَا أَهْلَ بِهِ لَعْنِ اللَّهِ﴾ (البقرة: 173)

”جو چیز اللہ کے علاوہ کسی اور کے نام (بہ نیت عبادت و تعظیم) منسوب ہو۔“

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ

① جانور یا کسی اور چیز کو غیر اللہ کے لیے نامزد کیا جائے، خواہ ذبح کے وقت

اللہ کا نام ہی کیوں نہ پکارا جائے، تب بھی حرام ہے۔

② ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا جائے، تو حرام ہے۔

③ بِسْمِ اللَّهِ وَاللَّهُ أَكْبَرُ کہہ کر ذبح کیا جائے اور ساتھ یہ بھی کہہ دیا

جائے کہ اے اللہ! فلاں ولی یا بزرگ کے تقرب کے لیے یہ جانور ذبح کیا گیا ہے، تب بھی

حرام ہے۔

④ اللہ کے لیے ذبح کیا جائے اور بوقت ذبح نام غیر اللہ کا پکارا جائے، یہ بھی

حرام ہے۔

⑤ ذبح اللہ کے لیے کیا جائے، لیکن اللہ تعالیٰ کے مبارک نام کے ساتھ

غیر اللہ کا نام شامل کر دیا جائے، تب بھی حرام ہے۔

✽ علمائے احناف کہتے ہیں:

يَقُولُ: بِسْمِ اللَّهِ، وَاسْمِ فُلَانٍ، أَوْ يَقُولُ: بِسْمِ اللَّهِ وَفُلَانٍ، أَوْ

بِسْمِ اللَّهِ وَمُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ، فَتَحْرُمُ الذَّبِيحَةُ، لِأَنَّهُ أَهْلٌ بِهِ

لِغَيْرِ اللَّهِ.

”اگر کوئی بندہ بوقت ذبح کہے: بِسْمِ اللَّهِ، وَاسْمِ فُلَانٍ اللہ کے نام کے

ساتھ اور فلاں کے نام کے ساتھ، یایِسْمِ اللّٰهِ، وَفَلَانَ ”اللہ اور فلاں کے نام کے ساتھ“، یایِسْمِ اللّٰهِ وَمُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ ”اللہ اور محمد رسول اللہ (ﷺ) کے نام کے ساتھ“، تو ذبیحہ حرام ہو جاتا ہے، کیونکہ اس پر غیر اللہ کا نام پکار دیا گیا ہے۔“

(بدائع الصّنائع للکاسانی: 48/5، الہدایۃ للمرغینانی: 435/2)

**سوال:** جانور کو ذبح کس آلہ سے کیا جائے؟

**جواب:** دانت اور ناخن کے علاوہ ہر دھاری دار چیز سے ذبح کیا جاسکتا ہے، جو جانور کی رگوں کو کاٹ سکے، بہتر ہے کہ تیز دھاری دار چھری سے ذبح کیا جائے، کیونکہ ذبح کے وقت چھری وغیرہ کا تیز ہونا جانور کے ساتھ نیکی ہے کہ اسے تکلیف کم ہوتی ہے۔

✽ سیدنا شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْإِحْسَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ، فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ، وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذَّبْحَ، وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ، فَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ.

”اللہ نے ہر شے کے ساتھ بھلائی کرنا لازم قرار دیا ہے، لہذا جب آپ کسی کو (حق کے ساتھ، مثلاً قصاص و حدود وغیرہ کے نفاذ میں) قتل کریں، تو اچھے طریقے سے کریں اور جب ذبح کریں، تو اچھے طریقے سے ذبح کریں، چھری تیز رکھیں اور ذبح ہونے والے جانور کو آرام پہنچائیں۔“

(صحیح مسلم: 1955)

**سوال:** کیا عورت کے لیے ذبح کرنا جائز ہے؟

(جواب): عورت جانور ذبح کر سکتی ہے۔ اس پر قرآن وحدیث اور اجماع دلیل ہیں۔

(سوال): دفیئہ کا کیا حکم ہے؟

(جواب): اگر دفیئہ (مدفون خزانہ) دارالاسلام میں ملا ہے، تو اس میں پانچواں حصہ بیت المال کا حق ہے اور بقیہ چار حصے اس شخص کے ہیں، جسے خزانہ ملا ہے۔

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فِي الرَّكَازِ الْخُمْسُ .

”رکاز (مدفون خزانہ) میں خمس ہے۔“

(صحیح البخاری: 1499، صحیح مسلم: 1710)

(سوال): نماز میں رکوع کا کیا حکم ہے؟

(جواب): نماز میں رکوع فرض اور رکن ہے، اگر کسی رکعت میں رکوع رہ جائے، تو وہ رکعت دوبارہ پڑھی جائے گی، سجدہ سہو کافی نہیں۔

(سوال): نماز زلزلہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

(جواب): اللہ اپنے بندوں کے لیے نشانیاں ظاہر کرتا ہے، ان میں زلزلہ بھی ہے جو برے لوگوں کے لیے آفت اور نیک لوگوں کے لیے آزمائش ہوتا ہے، زلزلوں میں نیک و بد دونوں کام آتے ہیں، قیامت کے دن ہر ایک کو اس کی نیت اور عقیدے پر اٹھایا جائے گا، ان حالات میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر اسلاف کا عمل مشعل راہ ہے، زلزلہ کی وجوہات پر بحث کے بجائے؟ قرب الہی کی کوشش کرنی چاہیے۔

① عبداللہ بن حارث انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

زُلْزَلَتِ الْأَرْضُ لَيْلًا فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: لَا أَدْرِي هَلْ وَجَدْتُمْ مَا



وَجَدْتُ قَالُوا: نَعَمْ قَدْ وَجَدْنَا، فَاَنْطَلَقَ مِنَ الْغَدِ، فَصَلَّى بِهِمْ  
فَكَبَّرَ وَقَرَأَ وَرَكَعَ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَقَرَأَ، ثُمَّ رَكَعَ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ  
فَقَرَأَ، ثُمَّ رَكَعَ، ثُمَّ سَجَدَ، ثُمَّ قَامَ فَقَرَأَ، ثُمَّ رَكَعَ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ  
فَقَرَأَ، ثُمَّ رَكَعَ وَسَجَدَ فَكَانَتْ صَلَاتُهُ سِتَّ رَكَعَاتٍ فِي أَرْبَعِ  
سَجَدَاتٍ .

”ایک رات (بصرہ میں) زلزلہ آیا، تو سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرمانے لگے  
: میں نے زلزلہ محسوس کیا ہے، معلوم نہیں آپ نے محسوس کیا ہے کہ نہیں؟ لوگوں  
نے کہا: جی ہاں ہم نے بھی (زلزلے کے جھٹکے) محسوس کیے ہیں، تو سیدنا عبد  
اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما صبح سویرے نکلے اور لوگوں کو نماز (زلزلہ) پڑھائی۔ (جس کا  
طریقہ کچھ یوں تھا کہ) آپ رضی اللہ عنہ نے اللہ اکبر کہا، قرأت کی اور رکوع کیا، پھر  
رکوع سے سراٹھا کر قرأت شروع کر دی، پھر رکوع کیا، پھر رکوع سے اٹھ کر  
قرأت شروع کر دی، پھر رکوع کیا، پھر سجدہ کیا، اس کے بعد کھڑے ہوئے اور  
قرأت شروع کی، پھر رکوع کیا، پھر رکوع سے سراٹھایا اور قرأت شروع کر دی،  
پھر رکوع کیا اور سجدہ کیا۔ اس (دور کحت) نماز میں آپ رضی اللہ عنہ نے چھ رکوع کیے  
اور چار سجدے کیے۔“

(الأوسط لابن المنذر: 2918، وسندہ صحیح)

② جعفر بن برقان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

كَتَبَ إِلَيْنَا عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ فِي زَلْزَلَةٍ كَانَتْ بِالشَّامِ: أَنْ

اٰخْرُجُوا يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ مِنْ شَهْرٍ كَذَا وَكَذَا، وَمِنْ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ اَنْ يُخْرَجَ صَدَقَةً فَلْيَفْعَلْ، فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ: ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى﴾ (الأعلى: ١٥).

”عمر بن عبدالعزیزؓ نے ہمیں شام میں آنے والے زلزلے کے متعلق خط لکھا کہ آپ فلاں مہینے میں اتوار کے دن (نماز کے لیے) نکلیں، نیز جو کوئی صدقہ کر سکتا ہے، کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى \* وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى﴾ (الأعلى: 15) ”یقیناً وہ کامیاب ہو گیا، جس نے تزکیہ نفس کیا، اللہ کا نام لیا اور نماز پڑھی۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة: 472/2، وسنده صحيح)

**سوال:** کیا نماز زلزلہ باجماعت ادا کی جاسکتی ہے؟

**جواب:** نماز زلزلہ باجماعت ادا کی جائے گی۔

**سوال:** امام نے نماز کی قرأت کرتے ہوئے غلط پڑھ دیا، تو نماز کا کیا حکم ہے؟

**جواب:** اگر امام قرأت میں غلطی کھا جائے، تو مقتدیوں کو لقمہ دینا چاہیے، اگر کوئی

لقمہ نہ دے، تو امام کو کسی دوسرے مقام سے پڑھ لینا چاہیے، بہر صورت نماز درست ہوگی۔  
قرأت کی غلطی یا بھول پر سجدہ سہو نہیں۔

**سوال:** کیا آب زمزم میں شفا ہے؟

**جواب:** آب زمزم میں شفا ہے، اس سے اندرونی اور بیرونی بیماریاں ختم ہو جاتی ہیں۔

سیدنا ابو ذر غفاریؓ بیان کرتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

کہ آپ یہاں (حرم) میں کب سے ہیں؟ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ تیس دنوں سے یہاں

ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا، تیس دنوں سے یہاں ہو؟ میں نے کہا، جی ہاں! آپ ﷺ نے پوچھا، آپ کا کھانا کیا تھا؟ میں کہا، آب زمزم کے علاوہ میرا کوئی کھانا پینا نہیں تھا، یقیناً میں موٹا ہو گیا ہوں، میرے پیٹ کی سلوٹس ختم ہو گئی ہیں، میں نے اپنے کلیجے میں بھوک کی وجہ سے لاغری اور کمزوری تک محسوس نہیں کی، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّهَا مُبَارَكَةٌ، وَهِيَ طَعَامٌ طَعِيمٌ، وَشِفَاءٌ سُقِيمٌ .

”آب زمزم بابرکت پانی ہے، یہ کھانا بھی اور بیماری کی شفا بھی۔“

(مسند الطیبالسی، ص 61، ح: 457، وسندہ صحیح)

✽ صحیح مسلم (۲۲۷۳) میں ہے:

إِنَّهَا مُبَارَكَةٌ، إِنَّهَا طَعَامٌ طَعِيمٌ .

”آب زمزم بابرکت پانی ہے، یہ کھانا ہے۔“

✽ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (۷۷۵ھ) فرماتے ہیں:

فَدُ جَرَبْتُ أَنَا وَغَيْرِي مِنَ الْإِسْتِشْفَاءِ بِمَاءِ زَمَزَمٍ أَمْوَرًا عَجِيبَةً،  
وَاسْتَشْفَيْتُ بِهِ مِنْ عِدَّةِ أَمْرَاضٍ، فَبَرَأْتُ بِإِذْنِ اللَّهِ، وَشَاهَدْتُ  
مَنْ يَتَغَدَّى بِهِ الْيَوْمَ ذَوَاتِ الْعَدَدِ قَرِيبًا مِّنْ نِّصْفِ الشَّهْرِ أَوْ  
أَكْثَرَ وَلَا يَجِدُ جُوعًا، وَيَطُوفُ مَعَ النَّاسِ كَأَحَدِهِمْ، وَأَخْبَرَنِي  
أَنَّهُ رَبَّمَا بَقِيَ عَلَيْهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا، وَكَانَ لَهُ قُوَّةٌ يُجَامِعُ بِهَا  
أَهْلَهُ، وَيَصُومُ وَيَطُوفُ مِرَارًا .

”میں اور کئی دوسروں نے زمزم سے علاج میں عجیب امور کا مشاہدہ کیا۔ میں

نے متعدد امراض کا علاج زمزم سے کیا ہے، اللہ کے حکم سے شفا یاب ہوا۔ نیز میں نے ایک شخص کو دیکھا، جو نصف ماہ یا اس سے بھی زیادہ مدت تک صرف زمزم پیتا رہا، اسے بھوک محسوس نہیں ہوتی تھی اور وہ طواف بھی کرتا تھا۔ نیز اس نے مجھے بتایا کہ وہ چالیس دن تک صرف زمزم پر گزارا کرتا رہا اور اس کے جسم میں اتنی قوت تھی کہ وہ بیوی سے مجامعت بھی کرتا تھا، روزہ بھی رکھتا رہا اور کئی بار طواف بھی کیا۔“

(زاد المَعَادِ فِي هِدْيِ خَيْرِ الْعِبَادِ : 361/4)

**سوال:** کیا آب زمزم سے غسل جائز ہے؟

**جواب:** زمزم سے غسل سے اجتناب کرنا چاہیے۔ اسے پینے اور وضو کے لیے

استعمال کرنا چاہیے۔

❁ سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

هِيَ حِلٌّ وَبِلَّ لَا أَحِلُّهَا لِمُعْتَسِلٍ .

”آب زمزم (پینے کے لیے) حلال ہے، اس سے (وضو وغیرہ کے لیے) جسم

کو تر بھی کیا جاسکتا ہے، البتہ میں اسے غسل کرنے والے کے لیے جائز نہیں سمجھتا۔“

(العِلَّلُ وَمَعْرِفَةُ الرَّجَالِ لِأَحْمَدَ بِرَوَايَةِ ابْنِ عَبْدِ اللَّهِ : 1950، وسندہ حسن)

❁ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

هِيَ لِشَارِبٍ وَمُتَوَضِّئٍ حِلٌّ وَبِلَّ .

”آب زمزم پینے والے اور وضو کرنے والے کے لیے حلال ہے اور تری

حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔“

(الأمالی لعبد الرزاق: 57، وسنده صحیح)

**(سوال):** کیا زمزم پیتے وقت کوئی خاص دعا منقول ہے؟

**(جواب):** زمزم پینے کی کوئی خاص دعا ثابت نہیں۔ مستدرک حاکم (۱۷۳۹) وغیرہ

والی روایت ضعیف ہے۔ اس میں سفیان بن عیینہ اور عبداللہ بن ابی شیخ کا عنعنہ ہے۔

سنن دارقطنی (۲۷۳۸) والی موقوف روایت بھی ضعیف ہے۔ اس میں حفص بن عمر

عدنی ضعیف ہے۔

**(سوال):** روایت: ماءٌ زَمَزَمَ لِمَا شَرِبَ لَهُ بِلْحَازِ سِنْدِ كَيْسِي؟

**(جواب):** اس روایت کی ساری کی ساری سندیں ضعیف ہیں۔

**(سوال):** زمزم کا کنواں کب سے ہے؟

**(جواب):** زمزم کا کنواں سیدنا اسماعیل عَلَيْهِ السَّلَامُ کے زمانہ سے ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا بیان کرتے ہیں:

أَوَّلُ مَا اتَّخَذَ النِّسَاءُ الْمِنْطِقَ مِنْ قَبْلِ أُمِّ إِسْمَاعِيلَ، اتَّخَذَتْ  
مِنْطِقًا لَتُعْفَى أَثَرَهَا عَلَى سَارَةِ، ثُمَّ جَاءَ بِهَا إِبْرَاهِيمُ وَأَبْنَاهَا  
إِسْمَاعِيلَ وَهِيَ تُرْضِعُ، حَتَّى وَضَعَهَا عِنْدَ الْبَيْتِ وَلَيْسَ  
بِمَكَّةَ يَوْمَئِذٍ أَحَدٌ، وَلَيْسَ بِهَا مَاءٌ فَوَضَعَهَا هُنَالِكَ، وَوَضَعَ  
عِنْدَهَا جِرَابًا فِيهِ تَمْرٌ وَسِقَاءٌ فِيهِ مَاءٌ، ثُمَّ قَفَى إِبْرَاهِيمُ،  
فَاتَّبَعَتْهُ أُمُّ إِسْمَاعِيلَ فَقَالَتْ: يَا إِبْرَاهِيمُ، أَيْنَ تَذْهَبُ وَتَتْرُكُنَا  
بِهَذَا الْوَادِي الَّذِي لَيْسَ بِهِ أُنَيْسٌ وَلَا شَيْءٌ، فَقَالَتْ لَهُ ذَلِكَ

مِرَارًا، وَجَعَلَ لَا يُلْتَفِتُ إِلَيْهَا، فَقَالَتْ لَهُ: أَلَلَّهُ أَمْرَكَ بِهَذَا؟  
 قَالَ: نَعَمْ قَالَتْ: إِذَا لَا يُضِيعُنَا، ثُمَّ رَجَعَتْ، فَاَنْطَلَقَ  
 إِبْرَاهِيمُ، اسْتَقْبَلَ بِوَجْهِهِ الْبَيْتَ، ثُمَّ دَعَا بِهِؤَلَاءِ الدَّعْوَاتِ  
 وَرَفَعَ يَدَيْهِ، فَقَالَ: ﴿إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي  
 زُرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ﴾ (إبراهيم: ٣٧) إِلَى ﴿لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ﴾  
 (إبراهيم: ٣٧)، فَجَعَلَتْ أُمُّ إِسْمَاعِيلَ تُرْضِعُ إِسْمَاعِيلَ، وَتَشْرَبُ  
 ذَلِكَ الْمَاءَ، حَتَّى إِذَا نَفِدَ مَا فِي ذَلِكَ السَّقَاءِ عَطِشَتْ، وَعَطِشَ  
 ابْنُهَا وَجَاعَ، وَأَنْطَلَقَتْ كَرَاهِيَةً أَنْ تَنْظُرَ إِلَيْهِ فَوَجَدَتْ الصِّفَا  
 أَقْرَبَ جَبَلٍ يَلِيهَا، فَقَامَتْ عَلَيْهِ، وَاسْتَقْبَلَتْ الْوَادِي هَلْ تَرَى  
 أَحَدًا؟ فَلَمْ تَرَ أَحَدًا فَهَبَطَتْ مِنَ الصِّفَا حَتَّى إِذَا بَلَغَتْ  
 الْوَادِي رَفَعَتْ طَرْفَ دِرْعِهَا، ثُمَّ سَعَتْ سَعَى الْمُجْهَدِ، ثُمَّ  
 أَتَتْ الْمَرْوَةَ، فَقَامَتْ عَلَيْهَا وَنَظَرَتْ هَلْ تَرَى أَحَدًا، فَلَمْ تَرَ  
 أَحَدًا، فَعَلَتْ ذَلِكَ سَبْعَ مَرَّاتٍ، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: قَالَ النَّبِيُّ  
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلِذَلِكَ سَعَى النَّاسُ بَيْنَهُمَا، فَلَمَّا  
 نَزَلَتْ عَنِ الْمَرْوَةِ سَمِعَتْ صَوْتًا، فَقَالَتْ: صَهٍ، تُرِيدُ نَفْسَهَا،  
 ثُمَّ تَسَمِعَتْ فَسَمِعَتْ أَيْضًا قَالَتْ: قَدْ أَسْمَعْتُ إِنْ كَانَ  
 عِنْدَكَ عَوْثٌ، فَإِذَا هِيَ بِالْمَلِكِ عِنْدَ مَوْضِعِ زَمْزَمَ يَبْحَثُ

بِعَقِبِهِ أَوْ بِجَنَاحِهِ حَتَّى ظَهَرَ الْمَاءُ، فَجَاءَتْ تُحَوِّضُهُ هَكَذَا  
وَتَقُولُ بِيَدِهَا، وَجَعَلَتْ، يَعْنِي تَعْرِفُ مِنَ الْمَاءِ فِي سِقَائِهَا  
وَهُوَ يَفُورُ بِقَدْرِ مَا تَعْرِفُ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى  
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَرْحَمُ اللَّهُ أُمَّ إِسْمَاعِيلَ، لَوْ تَرَكَتْ زَمْزَمَ أَوْ  
قَالَ: لَوْ لَمْ تَعْتَرِفْ مِنَ الْمَاءِ لَكَانَتْ عَيْنًا مَعِينًا، فَشَرِبَتْ  
وَأَرْضَعَتْ وَلَدَهَا فَقَالَ الْمَلَكُ: لَا تَخَافِي الضَّيْعَةَ، فَإِنَّ هَاهُنَا  
بَيْتَ اللَّهِ، بَيْنَهُ هَذَا الْغُلَامُ وَأَبُوهُ، وَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَهْلَهُ،  
وَكَانَ الْبَيْتُ مُرْتَفِعًا مِنَ الْأَرْضِ كَالرَّابِيَةِ، تَأْتِيهِ السُّيُولُ عَنْ  
يَمِينِهِ وَشِمَالِهِ، فَكَانُوا كَذَلِكَ حَتَّى مَرَّتْ رُفْقَةٌ، أَوْ قَالَ: بَيْتٌ  
مِنْ جُرْهُمٍ مُقْبِلِينَ، فَنَزَلُوا فِي أَسْفَلِ مَكَّةَ، فَرَأَوْا طَائِرًا  
عَارِضًا، فَقَالُوا: إِنَّ هَذَا الطَّائِرَ لَيَدُورُ عَلَى مَاءٍ، وَلَعَهْدُنَا  
بِهَذَا الْوَادِي وَمَا فِيهِ مَاءٌ، فَأَرْسَلُوا فَإِذَا هُمْ بِالْمَاءِ، فَارْجَعُوا  
فَأَخْبَرُوهُمْ بِالْمَاءِ، وَأُمُّ إِسْمَاعِيلَ عِنْدَ الْمَاءِ فَقَالُوا: أَتَأْذِنِينَ  
لَنَا أَنْ نَنْزِلَ عِنْدَكَ؟ قَالَتْ: نَعَمْ، وَلَا حَقَّ لَكُمْ فِي الْمَاءِ قَالَ  
ابْنُ عَبَّاسٍ: قَالَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَأَلْفَى ذَلِكَ  
أُمَّ إِسْمَاعِيلَ وَهِيَ تُحِبُّ الْإِنْسَ، فَنَزَلُوا وَأَرْسَلُوا إِلَى  
أَهْلِيهِمْ، فَنَزَلُوا مَعَهُمْ، وَشَبَّ الْغُلَامُ، وَتَعَلَّمَ الْعَرَبِيَّةَ مِنْهُمْ،

وَأَعَجَبَهُمْ حِينَ شَبَّ، فَلَمَّا أَدْرَكَ زَوْجُوهُ أَمْرًا مِنْهُمْ، وَمَاتَتْ  
 أُمُّ إِسْمَاعِيلَ.

”عورتوں میں کمرپٹہ باندھنے کا رواج ام اسماعیل سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا سے چلا، انہوں نے کمرپٹہ اس لیے باندھا تا کہ سارہ رضی اللہ عنہا ان کا سراغ نہ پائیں۔ پھر انہیں اور ان کے بیٹے اسماعیل کو ابراہیم علیہ السلام نے دونوں کو کعبہ کے پاس بٹھا دیا، ان دنوں مکہ میں کوئی انسان نہیں تھا۔ اس لیے وہاں پانی نہیں تھا۔ ابراہیم علیہ السلام نے ان دونوں کو وہیں چھوڑ دیا اور ان کے لیے ایک چمڑے کے تھیلے میں کھجور اور ایک مشک میں پانی رکھ دیا۔ اب وہ واپس جانے لگے، ہاجرہ آگئیں، کہا: ابراہیم! یہاں، جہاں نہ کوئی آدمی ہے نہ کوئی اور چیز آپ ہمیں چھوڑے جا رہے ہیں؟ بار بار وہ یہ بات دہراتی رہیں، لیکن سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ان کی طرف التفات ہی نہیں کیا۔ آخر پوچھا: کیا یہ اللہ کا حکم ہے؟ فرمایا: جی ہاں، کہا: پھر اللہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا، ہاجرہ رضی اللہ عنہا واپس آگئیں، ابراہیم علیہ السلام روانہ ہو گئے، کعبہ والی جگہ کی طرف رخ کیا، دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی: ﴿إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ..... لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ﴾ (ابراہیم: ۳۶-۳۷) ”اللہ میں اپنی اولاد بے آب و دانہ زمین تیرے حرمت والے گھر کے قریب چھوڑ آیا ہوں.....“ ادھر ہاجرہ رضی اللہ عنہا اپنے بیٹے کو دودھ پلانے لگیں اور خود پانی پینے لگیں۔ آخر جب مشک کا سارا پانی ختم ہو گیا، تو وہ پیاسی رہنے لگیں اور لخت جگر بھی بھوکا



پیا سا رہنے لگا۔ جب دیکھا کہ سامنے بیٹا بیچ و تاب کھا رہا ہے۔ وہ وہاں سے ہٹ گئیں بچے کو دیکھنے سے دل بے قرار ہو جاتا تھا۔ صفا پہاڑی وہاں سے نزدیک تر تھی۔ وہ اس پر چڑھ گئیں اور وادی کی طرف دیکھنے لگیں کہ کہیں کوئی انسان نظر آئے، لیکن نظر نہیں آیا، وہ صفا سے اتر گئیں، جب وادی میں پہنچیں، تو دامن اٹھالیا اور کسی پریشان حال کی طرح دوڑنے لگیں، پھر وادی سے نکل کر مروہ پہاڑی پر آئیں، اس پر کھڑی ہو کر دیکھنے لگیں کہ انسان نظر آئے، لیکن کوئی نظر نہیں آیا، یوں انہوں نے سات چکر لگائے۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صفا و مروہ کی سعی اسی وجہ سے مشروع ہوئی۔ ساتویں دفعہ وہ مروہ سے نیچے اتریں، تو ایک آواز سنائی دی، خود سے کہا کہ خاموش! آواز کی طرف کان لگائے، کہا: میں نے آواز سن لی ہے، کیا آپ میری مدد کریں گے؟ اچانک دیکھا کہ زمزم والی جگہ پر ایک فرشتہ کھڑا ہے۔ فرشتے نے ایڑی ماری اور پانی نکلنے لگا، سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے اس کے ارد گرد منڈیر بنا دی اور چلو سے پانی اپنے مشکیزہ میں ڈالنے لگیں۔ جب وہ بھر چکیں، تو چشمہ پھر ابل پڑا۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اللہ ہاجر پر رحم کرے، اگر اس کے گرد منڈیر نہ بناتیں یا مشکیزہ نہ بھرتیں، تو ایک چشمہ جاری ہو جاتا۔“ سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے پانی پیا، بچے کو دودھ پلایا، فرشتہ کہنے لگا: آپ کسی نقصان کا اندیشہ نہ کریں، یہاں اللہ کا گھر ہے، جسے یہ بچہ اور اس کا والد تعمیر کریں گے۔ اللہ اپنے بندوں کو ضائع نہیں کرتا۔ یہ جہاں اب بیت اللہ ہے، اس وقت ایک ٹیلہ سا تھا۔ سیلاب کا دھارا آتا اور اس

کے دائیں بائیں سے زمین کاٹ کر لے جاتا، اس طرح وہاں شب و روز گزرتے رہے۔ ایک دن قبیلہ جرہم کے کچھ لوگ وہاں سے گزرے، انہوں نے پرندے اڑتے ہوئے دیکھے، کہنے لگے: یہ تو پانی کے پرندے ہیں اور اس وادی سے اکثر ہمارا گزران رہتا ہے، ہم نے تو یہاں پانی دیکھا تک نہیں۔ انہوں نے مخبر کو بھیجا، تو معلوم ہوا کہ وہاں پانی ہے۔ وہ پانی کے پاس آئے، وہاں سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا سے رہنے کی اجازت مانگی، کہا: ٹھیک ہے، لیکن ملکیت پانی پر ہماری ہی رہے گی۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب ہاجرہ کو پڑوسی مل گئے اور وہ ان سے مانوس ہو گئیں، یہ لوگ خود بھی یہاں رہے اور اپنے قبیلے کے لوگ بھی بلا لئے، یوں ان کے کئی گھرانے وہاں آکر آباد ہو گئے۔ اسماعیل علیہ السلام جو ان ہو گئے، ان سے عربی سیکھی، جوانی میں اسماعیل علیہ السلام ایسے خوبصورت تھے کہ آپ پر سب کی نظریں اٹھتی تھیں اور سب سے زیادہ آپ بھلے لگتے تھے۔ چنانچہ جرہم والوں نے آپ کی شادی اپنے قبیلے کی ایک لڑکی سے کر دی۔ پھر سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا۔“

(صحیح البخاری: 3364، فضائل الصحابة للنسائي: 273)

**سوال:** آب زمزم کو رو بہ قبلہ ہو کر پینا کیسا ہے؟

**جواب:** آب زمزم کو قبلہ رو ہو کر پینا مستحب ہے۔

❁ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

إِذَا شَرِبْتَ فَاسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ ثُمَّ اذْكُرِ اسْمَ اللَّهِ ثُمَّ تَنَفَّسْ ثَلَاثًا  
وَتَصَلِّعْ مِنْهَا فَإِذَا فَرَعْتَ فَاحْمَدِ اللَّهَ فَإِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: آيَةٌ مَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْمُنَافِقِينَ أَنَّهُمْ لَا يَتَضَلَّعُونَ مِنْ زَمْرَمَ.

”آب زمزم پیتے وقت قبلہ رخ ہوں، بسم اللہ پڑھیں اور تین سانسوں میں پئیں اور خوب سیر ہوں، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”ہمارے اور منافقین میں فرق یہ ہے کہ وہ زمزم کو سیر ہو کر نہیں پیتے۔“

(السَّنن الكبری للبیہقی: 9657، وسندہ حسن)

**سوال:** سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مجلس ذکر کو بدعت قرار دیا، اس کی اصل وجہ کیا تھی؟

**جواب:** سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو مسجد میں اجتماعی ذکر کرتے دیکھا، تو انہیں سختی سے روکا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے ایک جائز ذکر کو ایک ایسی ہیئت اور کیفیت کے ساتھ خاص کر دیا تھا، جس کیفیت کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ذکر نہیں کرتے تھے، دراصل صحابہ کی طرز عبادت کو چھوڑنا ہی گمراہی ہے، اسی لیے سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے ”ضلالت“ قرار دیا۔

✽ عمرو بن سلمہ ہمدانی، تابعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

”ہم صبح کی نماز سے پہلے سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ گھر سے نکلیں اور ہم آپ کے ساتھ مسجد جائیں۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہمارے پاس آئے اور پوچھا: ابو عبد الرحمن، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ گھر سے نکل آئے ہیں؟ عرض کیا: ابھی تو نہیں۔ وہ بھی ہمارے ساتھ بیٹھ کر سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا انتظار کرنے لگے۔ جب آپ رضی اللہ عنہ گھر سے نکلے، تو ہم ان کی طرف لپکے۔ سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ابو

عبدالرحمن! میں نے ابھی مسجد میں بہت عجیب کام دیکھا ہے، الحمد للہ! وہ خیر کا کام ہی لگتا ہے، پوچھا! وہ کونسا کام ہے؟ عرض کیا: زندگی رہی تو آپ بھی دیکھ لیں گے۔ میں نے مسجد میں لوگوں کے کئی حلقے دیکھے، وہ لوگ نماز کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ ہر حلقے میں ایک آدمی ہے، جو کہتا ہے کہ سو دفعہ اللہ اکبر کہو، لوگوں کے ہاتھوں میں کنکریاں ہیں، وہ سو دفعہ اللہ اکبر کہتے ہیں۔ پھر وہ کہتا ہے کہ سو دفعہ لا الہ الا اللہ کہو، لوگ سو دفعہ لا الہ الا اللہ کہتے ہیں۔ پھر وہ کہتا ہے کہ سو دفعہ سبحان اللہ کہو، وہ ایسا ہی کرتے ہیں۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: آپ نے ان سے کیا کہا؟ عرض کیا: میں نے تو کچھ نہیں کہا، آپ کی رائے اور فیصلے کا انتظار تھا۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ ان سے کہہ دیتے کہ وہ (تسبیحات نہیں، بلکہ) اپنی برائیاں شمار کریں اور میں ضامن ہوں کہ ان کی نیکیاں ضائع نہیں ہوں گی۔ پھر آپ ہمارے ساتھ نکلے اور ایک حلقے کے پاس پہنچ گئے، وہاں رُک کر فرمایا: یہ کیا دیکھ رہا ہوں میں؟ کہنے لگے: ابو عبدالرحمن! ہم کنکریوں کے ساتھ اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ اور سبحان اللہ شمار کر رہے ہیں۔ فرمایا: اپنے گناہ شمار کریں! میں ضامن ہوں کہ آپ کی کوئی نیکی ضائع نہیں ہوگی۔ مزید فرمایا: آہ، اے امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کتنی جلدی آپ پر ہلاکت آگئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ابھی کثیر تعداد میں موجود ہیں، آپ کے کپڑے ابھی بوسیدہ نہیں ہوئے، آپ کے برتن ابھی ٹوٹے نہیں۔ اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یا تو آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے بہتر طریقے پر ہو یا پھر گمراہی کے دروازے کھول رہے ہو۔ وہ کہنے لگے: ابو عبدالرحمن! واللہ، ہم تو نیکی کے ارادے سے ایسا کر رہے تھے۔ فرمایا: کتنے ہی نیکی کے طلب گار ہیں، جو نیکی کو نہیں پاسکتے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا

تھا کہ کچھ لوگ قرآن پڑھیں گے، لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ اللہ کی قسم! لگتا ہے کہ ان میں اکثریت تمہاری ہوگی، اتنا کہہ کر آپ واپس آ گئے۔ عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم نے دیکھا کہ ان میں سے اکثر لوگ جنگ نہروان کے دن خوارج کے ساتھ مل کر ہم پر تیر برسارہے تھے۔“

(سنن الدارمی 1/60-61، اتحاف المہرۃ لابن حجر: 399/10-400، وسندہ حسن)

❁ ابو عبد الرحمن سلمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

”عمرو بن عبد اللہ بن فرقہ سلمی اور معصود نے مسجد بنائی، وہ نماز مغرب اور عشا کے درمیان لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر اللہ اکبر اور الحمد للہ کا ورد کرتے، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر ہوئی، تو خبر دینے والے سے فرمایا کہ یہ لوگ جس وقت دوبارہ بیٹھیں، مجھے اطلاع دیجئے گا، جب منجر نے اطلاع کی، تو آپ وہاں گئے۔ اس وقت آپ نے سر پر ٹوپی اوڑھ رکھی تھی وہ ٹوپی اتاری اور فرمانے لگے میں ام عبد کا بیٹا ہوں، اللہ کی قسم! تم لوگوں نے ایک سیاہ بدعت جاری کی ہے یا علم و فضل میں اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ گئے ہو، تو معصود نامی منہ پھٹ بولا: اللہ کی قسم! نہ تو ہم بدعت کے مرتکب ہیں اور نہ ہی اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ علم والے، تو عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمانے لگے، اگر پہلوں کی اتباع کرتے رہو گے، تو وہ واضح ہدایت پر تھے اور اگر دائیں بائیں جانے لگے، تو کھلی گمراہی تمہارا مقدر ہے۔“

(المعجم الكبير للطبراني: 126/9، ح: 8633، وسندہ حسن)

❁ مسیب بن نجبه رضی اللہ عنہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے: ”میں نے مسجد میں چند لوگوں کا حلقہ دیکھا، وہ کہہ رہے تھے کہ جس نے اتنی

مرتبہ سبحان اللہ کہا اس کے لئے اتنا اجر ہے، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمانے لگے:  
 :علقمہ اٹھئے، میرے ساتھ چلئے، جب آپ نے ان کا حلقہ دیکھا، تو علقمہ سے  
 کہا، ان کا دھیان دوسری طرف کریں، جب آپ نے ان کا ذکر سن لیا، تو فرمایا  
 : یا تو تم گمراہی اور گناہ کے مرتکب ہو یا اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہدایت  
 والے۔“

(المعجم الكبير للطبراني: 125/9، ح: 8628، حسن)

اس سے ملتے جلتے ایک اور واقعہ کے بعد آپ نے فرمایا:

إِنَّكُمْ لَأَهْدَىٰ مِنْ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَصْحَابِهِ،  
 إِنَّكُمْ لَمْتَمَسِّكُونَ بِطَرْفِ ضَلَالَةٍ.

”یا تو تم لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہدایت یافتہ ہو یا گمراہی کا  
 راستہ چن چکے ہو۔“

(المعجم الكبير للطبراني: 128/9، ح: 8639، وسنده صحيح)

علامہ ابن دقیق العید (۷۰۲ھ) لکھتے ہیں:

هَذَا ابْنُ مَسْعُودٍ أَنْكَرَ هَذَا الْفِعْلَ، مَعَ إِمْكَانِ إِدْرَاجِهِ تَحْتَ  
 عُمُومِ فَضِيلَةِ الذِّكْرِ.

”سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے خاص ہیئت اور کیفیت کے ساتھ اس فعل پر  
 نکیر کی ہے، حالانکہ ذکر کے عمومی دلائل کے تحت اس کا ادراج ممکن تھا۔“

(إحكام الأحكام شرح عمدة الأحكام: 202/1)

بنیادی طور پر مجلس میں ذکر کرنا جائز ہے، نیز ذکر کو شمار کرنے کے لیے کنکریاں بھی

استعمال کی جاسکتی ہیں۔ دراصل جس مشروع کام کی ہیئت، طریقہ، رنگ ڈھنگ نبی کریم ﷺ اور صحابہ سے ثابت نہ ہو، اسے اختیار کرنا یا کسی جائز کام کو کسی جگہ یا وقت کے ساتھ خاص کرنا یا کسی مشروع و مستحب کام کے ساتھ واجب والا معاملہ کرنا اسے بدعت بنا دیتا ہے، اسی لیے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس عمل کو بدعت اور ضلالت قرار دیا۔

**(سوال):** مندرجہ ذیل روایت کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

✽ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أَبْغَضُ الْحَلَالِ إِلَى اللَّهِ الطَّلَاقُ .

”اللہ تعالیٰ کے ہاں حلال چیزوں میں مبغوض ترین ”طلاق“ ہے۔“

(سنن أبي داود: 2178)

**(جواب):** یہ روایت ضعیف ہے۔ اس حدیث کو متصل اور مرسل دونوں طرح بیان کیا

گیا ہے، اسے متصل بیان کرنا خطا اور غیر محفوظ ہے۔ مرسل بیان کرنا ہی راجح ہے، جیسا کہ علل حدیث کے ائمہ نے صراحت کی ہے۔

✽ امام ابو حاتم رازی رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو ”مرسل“ قرار دیا ہے۔

(عِلَلُ الْحَدِيثِ لِابْنِ أَبِي حَاتِمٍ: 1297)

✽ امام دارقطنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

الْمُرْسَلُ أَشْبَهُ .

”اس روایت کا مرسل ہونا ہی راجح ہے۔“

(عِلَلُ الدَّارِقَطْنِيِّ: 3123)

✽ حافظ بیہقی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

فِي رِوَايَةِ ابْنِ أَبِي شَيْبَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ مَوْصُولًا وَلَا  
أَرَاهُ حَفِظَهُ .

”ابن ابی شیبہ کی روایت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے موصول بیان ہوئی ہے، میں  
اسے محفوظ نہیں سمجھتا۔“

(السَّنَنِ الْكَبِيرَى لِلْبِيهَقِيِّ: 322/7)

✿ حافظ خطابی رضی اللہ عنہ نے اسے ”مرسل“ قرار دیا ہے۔

(مَعَالِمُ السَّنَنِ: 231/3)

✿ حافظ منذری رضی اللہ عنہ نے بھی یہی کہا ہے۔

(مَخْتَصَرُ السَّنَنِ: 92/3)

معلوم ہوا کہ اس حدیث کا مرسل ہونا راجح ہے اور مرسل ضعیف کی قبیل سے ہے۔

نوٹ:

اس حدیث کی دیگر سندیں بھی ضعیف ہیں۔





## فتاویٰ امن پوری (قسط ۱۷۹)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

**(سوال):** زنا کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

**(جواب):** دنیا کے تمام مذاہب میں زنا ناپسندیدہ اور ناجائز عمل رہا ہے۔ اسلام نے اس کی قباحت و شناعت کو بھی بیان کیا اور اس تک پہنچنے والے تمام راستوں کو مسدود کر دیا۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزَّانَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا﴾ (بنی اسرائیل: ۳۲)

”زنا کے قریب بھی مت پھٹکو، کہ یہ فحاشی ہے اور برار راستہ ہے۔“

قرآن مجید نے اسے فاحشہ اور خباثت سے تعبیر کیا ہے۔ فاحشہ اس چیز کو کہتے ہیں جو اپنی حد سے گزر جائے۔

❁ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ

وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ سُلْطَانًا

وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ (الأعراف: ۳۳)

”کہہ دیجئے کہ میرے رب نے ظاہری و باطنی بے حیائی کو حرام قرار دیا ہے،

اسی طرح گناہ اور ناحق زیادتی کو حرام قرار دیا ہے، میرے رب نے اس بات

کو بھی حرام قرار دیا ہے کہ تم اس کے ساتھ شرک کرنے لگو، جس پر کوئی دلیل نازل نہیں ہوئی ہے، اور اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہنے لگو جن کا تمہیں علم تک نہیں ہے۔“

زنا ناحق اور ناجائز طریقہ ہے، اس لئے باطل ہے اور فحاشی ہے۔ شیطان تم کو فحاشی کی طرف ہی بلاتا ہے۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ (البقرة: ۱۶۹)

”وہ تم کو برائی، بے حیائی اور اللہ پر جھوٹ باندھنے کا حکم دیتا ہے۔“

❁ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا تَزْنُوا. ”زنا مت کرو۔“

(صحیح البخاری: 18، صحیح مسلم: 1709)

**(سوال):** زنا کی سزا کیا ہے؟

**(جواب):** شادی شدہ زانی کی حد رجم ہے اور کنوارے زانی کی حد ایک سو کوڑے اور

ایک سال کی جلاوطنی ہے۔ یہ سزا مرد اور عورت دونوں کے لیے ہے۔

❁ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَوْلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ.

”بچہ اس کا ہے، جس کے بستر پر پیدا ہوا اور زانی کو پتھروں سے رجم کیا جائے گا۔“

(صحیح البخاری: 2053، صحیح مسلم: 1457)

✽ علامہ ملا علی قاری صاحب (۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں:

الْحَدِيثُ صَحِيحٌ مَشْهُورٌ كَادَ أَنْ يَكُونَ مُتَوَاتِرًا.  
”یہ حدیث صحیح و مشہور ہے اور درجہ تواتر کے قریب ہے۔“

(شرح مسند أبي حنيفة: 55/1)

✽ علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۳۱ھ) فرماتے ہیں:

هُوَ مُتَوَاتِرٌ. ”یہ حدیث متواتر ہے۔“

(التيسير بشرح الجامع الصغير: 487/2)

✽ علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۲۲ھ) نے بھی ”متواتر“ کہا ہے۔

(شرح الزرقاني: 313/5)

✽ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن ایک عورت کو رجم کیا اور فرمایا:

قَدْ رَجَمْتُهَا بِسُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.  
”میں نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق رجم کر دیا۔“

(صحيح البخاري: 6812)

✽ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

مَنْ كَفَرَ بِالرَّجْمِ فَقَدْ كَفَرَ بِالْقُرْآنِ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ قَوْلُ:  
﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِمَّا كُنْتُمْ  
تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ﴾ (المائدة: 15) فَكَانَ الرَّجْمُ مِمَّا أَخْفَوْا.

”جو رجم کا انکار کرتا ہے، وہ قرآن کا انکار کرتا ہے، کیونکہ وہ اس قول خدا کو نہیں

مانتا: ﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِمَّا

كُنْتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ ﴿۱﴾ ”اہل کتاب تمہارے پاس ہمارا رسول آیا ہے، جو تمہیں بہت سی ایسی چیزیں بیان کرتا ہے، جو تم نے کتاب (تورات وانجیل) میں سے چھپا رکھی ہیں۔“ رجم بھی ان احکام میں سے ہے، جو اہل کتاب نے چھپا رکھے تھے۔“

(السنن الكبرى للنسائي: 7124، وسنده حسن)

اسے امام ابن حبان رحمہ اللہ (۴۴۳۰) نے صحیح، امام حاکم رحمہ اللہ (۴/۳۵۹) نے ”صحیح الاسناد“ اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ”صحیح“ کہا ہے۔

❁ سیدنا عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

رَجَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا۔“

(صحیح البخاري: 6840، صحیح مسلم: 1702)

❁ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لَقَدْ خَشِيتُ أَنْ يَطُولَ بِالنَّاسِ زَمَانٌ، حَتَّى يَقُولَ قَائِلٌ: لَا نَجِدُ الرَّجْمَ فِي كِتَابِ اللَّهِ، فَيَضِلُّوا بِتَرْكِ فَرِيضَةِ أَنْزَلَهَا اللَّهُ، أَلَا وَإِنَّ الرَّجْمَ حَقٌّ عَلَى مَنْ زَنَى وَقَدْ أَحْصَنَ، إِذَا قَامَتِ الْبَيْتَةُ، أَوْ كَانَ الْحَبْلُ أَوْ الْإِعْتِرَافُ، قَالَ سُفْيَانُ: كَذَا حَفِظْتُ أَلَا وَقَدْ رَجَمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَجَمْنَا بَعْدَهُ .

”مجھے ڈر ہے کہ زمانہ گزر جائے، یہاں تک کہ لوگ کہنے لگیں: ہم رجم کی حد قرآن میں نہیں پاتے، تو وہ اللہ کا ایک فریضہ چھوڑنے کے جرم میں گمراہ ہو

جائیں، خبردار! شادی شدہ زانی کو رجم کرنا حق ہے، جب دلیل قائم ہو جائے، یا وہ خود اعتراف کر لے یا حمل ٹھہر جائے، سفیان کہتے ہیں کہ میں نے یہ الفاظ بھی حفظ کیے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے رجم کیا اور آپ کے بعد ہم نے بھی رجم کیا۔“

(صحیح البخاری: 6829، صحیح مسلم: 1691)

اس کے علاوہ بھی کئی دلائل ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ شادی شدہ زانی اور زانیہ کی حد ”رجم“ ہے۔

**(سوال):** بھڑکوتلف کرنے کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

**(جواب):** بھڑکوتلف کرنا جائز ہے، حالت احرام میں بھی بھڑکوتلف کو مارا جاسکتا ہے۔ البتہ

کسی بھی جاندار شے کو جلا کر تلف کرنا جائز نہیں، آگ کا عذاب دینا صرف خالق کا کام ہے۔

❁ سوید بن غفلہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أَمَرْنَا عُمَرَ بِقَتْلِ الْحَيَّةِ، وَالزُّبُورِ وَنَحْنُ مُحْرِمُونَ .

”سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ہمیں حالت احرام میں سانپ اور بھڑکوتلف کو مارنے کا حکم دیا۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة: 14838، وسنده صحيح)

**(سوال):** زندیق کا کیا حکم ہے؟

**(جواب):** زندیق کا معاملہ مرتد سے زیادہ سنگین ہے۔ اس کی سزا قتل ہے، اسے زمین

پر رہنے کا حق نہیں، مگر اس فریضہ کی انجام دہی ریاست اسلامیہ کے ذمہ ہے، ہر کسی کو قانون پر ہاتھ ڈالنے کی اجازت نہیں، یہ فساد فی الارض ہے۔

**(سوال):** کیا زیتون کی پیداوار پر عشر ہے؟

(جواب): ہمارے مطابق چھ اشیاء کے علاوہ کسی چیز پر عشر نہیں۔ لہذا زیتون کی پیداوار پر عشر نہیں۔

(سوال): سائبہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

(جواب): کفار اپنے بتوں کے نام پر مختلف قسم کے جانور چھوڑتے تھے، جن کے الگ الگ نام مقرر کیے ہوئے تھے۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ وَلَكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَآكَرَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ﴾

(المائدہ: ۱۰۳)

”اللہ تعالیٰ نے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام مقرر نہیں کیے، بلکہ کافر اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں اور ان میں سے اکثر لوگ عقل نہیں رکھتے۔“

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے غیر اللہ کے نام منسوب جانوروں کی شرعی حیثیت کی نفی کی ہے۔ کفار یہ کہتے تھے کہ یہ جانور اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ طریقے کے مطابق منسوب کیے جاتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ غیر اللہ کے نام پر جانور چھوڑنا کفار کا طرز عمل تھا۔

(سوال): ”سب و شتم“ کسے کہتے ہیں؟

(جواب): ”سب“ کے معنی برا بھلا کہنے کے ہیں۔

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

هُوَ الْكَلَامُ الَّذِي يُقْصَدُ بِهِ الْإِنْتِقَاصُ وَالِاسْتِخْفَافُ وَهُوَ مَا يُفْهَمُ مِنَ السَّبِّ بِعُقُولِ النَّاسِ عَلَى اخْتِلَافِ اعْتِقَادَاتِهِمْ،

كَاللَّعْنِ وَالتَّقْبِيحِ، وَنَحْوِهِمَا .  
 ”(سب) سے مراد ایسا کلام ہے، جس سے کسی کی شان میں (ادنی) تنقیص  
 واستخفاف مقصود ہو۔ اس کا مفہوم لوگوں کے اعتقادات کے لحاظ سے مختلف ہو  
 گا، مثلاً کسی کو لعین یا قبیح وغیرہ قرار دینا۔“

(الصّارم المسلول علی شاتم الرسول ص 561)

واضح رہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے کو قبیح گالیاں نہیں دیتے تھے۔ جن صحابہ  
 سے ”سب“ کا لفظ آیا ہے، اس سے اجتناد میں خطا کا قرار دینا، ان کی رائے سے اختلاف  
 رکھنا یا ان کے معاملہ کو غلط قرار دینا، مراد ہے۔

سب و شتم کا ہر جگہ ایک معنی نہیں ہوتا، کسی کو برا بھلا کہنا بھی «سب» ہے، مثلاً:

① عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما طمہ رضی اللہ عنہما کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

أَقْبَلْتُ عَلَيْهِمْ تَسْبُهُمْ. ”آئیں اور کفار مکہ کو برا بھلا کہنے لگیں۔“

(صحیح البخاری: 520، صحیح مسلم: 1۷۹۴)

✽ صحیح مسلم کے الفاظ ہیں:

ثُمَّ أَقْبَلْتُ عَلَيْهِمْ تَسْتَمُّهُمْ. ”آئیں اور انہیں برا بھلا کہنے لگیں۔“

② سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ بَيْنَ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ، وَبَيْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ  
 شَيْءٌ، فَسَبَّهُ خَالِدٌ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا  
 تَسُبُّوا أَحَدًا مِّنْ أَصْحَابِي، فَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَوْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ

ذَهَبًا، مَا أَدْرَكَ مَدَّ أَحَدِهِمْ، وَلَا نَصِيفَةً.

”سیدنا خالد بن ولید اور عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما کے درمیان تنازع ہوا، خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عبد الرحمن رضی اللہ عنہ کو نامناسب جملہ کہہ دیا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے کسی صحابی پر طعن و تشنیع مت کریں، آپ احد پہاڑ جتنا سونا خرچ کریں اور وہ مٹھی بھر جو خرچ کریں، اجر ان کا زیادہ ہوگا۔“

(صحیح البخاری: 3673 و صحیح مسلم: 2541، واللَّفْظُ لَهُ)

② سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، دَخَلَ عَلَى أُمِّ السَّائِبِ أَوْ أُمَّ  
الْمُسَيَّبِ فَقَالَ: مَا لَكَ يَا أُمَّ السَّائِبِ أَوْ يَا أُمَّ الْمُسَيَّبِ تُزْفِرِينَ؟  
قَالَتْ: الْحُمَّى، لَا بَارَكَ اللَّهُ فِيهَا، فَقَالَ: لَا تَسْبِي الْحُمَّى،  
فَإِنَّهَا تَذْهَبُ خَطَايَا بَنِي آدَمَ، كَمَا يُذْهَبُ الْكَبِيرُ خَبَثَ الْحَدِيدِ.

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ام سائب یا ام مسیب رضی اللہ عنہما کے ہاں تشریف لائے اور فرمایا: ام سائب یا ام مسیب! کانپ کیوں رہی ہیں؟ کہنے لگی: بخار ہے، اللہ اسے غارت کرے۔ فرمایا: بخار کو برانہ کہیے، یہ تو انسان کے گناہوں کو یوں ختم کر دیتا ہے، جیسے بھٹی لوہے کے زنگ کو ختم کر دیتی ہے۔“

(صحیح مسلم: 2575)

**(سوال)**: درندوں کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

**(جواب)**: درندوں کا گوشت حرام ہے۔ درندہ اس جانور کو کہتے ہیں، جس کی کچلیاں

ہوں اور وہ ان دانتوں سے شکار کرتا ہو، اسی طرح وہ پرندے بھی اس میں شامل ہیں، جو



بچوں سے شکار کرتے ہیں۔

❁ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كُلِّ ذِي نَابٍ مِّنَ السَّبَاعِ وَعَنْ كُلِّ ذِي مِخْلَبٍ مِّنَ الطَّيْرِ .

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کچلی (نوکیلے دانت) والے درندے اور ہر بچے (سے) شکار کرنے) والے پرندے سے منع کیا ہے۔“

(صحیح مسلم: 1934)

**سوال:** ”سترہ“ کا کیا حکم ہے؟

**جواب:** نماز پڑھنے والے کا اپنے آگے ”سترہ“ رکھنا مستحب سنت ہے۔

**سوال:** سجدہ شکر کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

**جواب:** مصیبت کے ٹل جانے، بیماری سے شفا حاصل ہونے، خوش خبری کے ملنے یا

بڑی نعمت کے نصیب ہونے پر سجدہ شکر کرنا مشروع و مستحب ہے۔

❁ سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ، جو کہ غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے اور اس

بنا پران سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو گئے تھے، وہ بیان کرتے ہیں:

سَمِعْتُ صَوْتَ صَارِحٍ، أَوْفَى عَلَى جَبَلٍ سَلَعٍ، بِأَعْلَى صَوْتِهِ

: يَا كَعْبُ ابْنِ مَالِكٍ! أَبَشِرْ، قَالَ: فَخَرَرْتُ سَاجِدًا، وَعَرَفْتُ

أَنْ قَدْ جَاءَ فَرَجٌ، وَأَذَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

بِتَوْبَةِ اللَّهِ عَلَيْنَا، حِينَ صَلَّى صَلَاةَ الْفَجْرِ، فَذَهَبَ النَّاسُ

يَبَشِّرُونَنَا .

”میں نے جبلِ سلع پر چڑھ کر منادی کرنے والے شخص کو سنا، وہ بلند آواز سے کہہ رہا تھا: اے کعب بن مالک! خوش ہو جاؤ (کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کر لی ہے)۔ میں سجدہ (شکر) میں گر گیا اور مجھے معلوم ہو گیا کہ خوش حالی آگئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھ کر اعلان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری توبہ قبول کر لی ہے۔ پھر لوگ ہمیں خوش خبری دینے کے لیے آنے لگے۔“

(صحیح البخاری: 4418، صحیح مسلم: 2769)

❁ سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ، رسول اکرم ﷺ کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

إِنَّهُ كَانَ إِذَا جَاءَهُ أَمْرٌ سُرُورٍ، أَوْ بُشْرٍ بِهِ، خَرَّ سَاجِدًا، شَاكِرًا لِلَّهِ .  
”بلاشبہ جب آپ ﷺ کے پاس کوئی خوشی والا معاملہ آتا یا آپ کو خوش خبری دی جاتی، تو آپ ﷺ اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے سجدے میں گر جاتے۔“

(سنن أبي داود: 2774، سنن الترمذي: 1578، وقال: حسن، سنن ابن ماجه:

1394، وسنده حسن)

❁ امام ترمذی رضی اللہ عنہ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

الْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ، رَأَوْا سَجْدَةَ الشُّكْرِ .  
”اکثر اہل علم کا اس حدیث پر عمل ہے۔ وہ سجدہ شکر کو مشروع سمجھتے ہیں۔“

❁ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سورت

ص میں سجدہ کیا اور فرمایا:

سَجَدَهَا دَاوُدُ تَوْبَةً، وَنَسَجَدَهَا شُكْرًا .

”داود علیہ السلام نے اس میں توبہ کرتے ہوئے سجدہ کیا اور ہم سجدہ شکر بجالاتے ہیں۔“

(سنن النسائي: 957، وسنده حسن)

✽ عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنِّي لَقَيْتُ جَبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَبَشَّرَنِي، وَقَالَ: إِنَّ رَبَّكَ يَقُولُ: مَنْ صَلَّى عَلَيْكَ صَلَّيْتُ عَلَيْهِ، وَمَنْ سَلَّمَ عَلَيْكَ سَلَّمْتُ عَلَيْهِ، فَسَجَدْتُ لِلَّهِ شُكْرًا.

”جبریل علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے مجھے خوش خبری سنائی، آپ کا رب فرماتا ہے: جو آپ پر درود پڑھے گا میں اس پر رحمت کروں گا، جو آپ پر سلام کہے گا، اس پر سلامتی اتاروں گا۔ یہ سن کر میں نے سجدہ شکر ادا کیا۔“

(المستدرک علی الصحیحین للحاکم: 550/1، وسنده حسن)

امام حاکم رضی اللہ عنہ نے اسے ”صحیح الاسناد“ اور حافظ ذہبی رضی اللہ عنہ نے ”صحیح“ کہا ہے۔

✽ امام حاکم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لَا أَعْلَمُ فِي سَجْدَةِ الشُّكْرِ أَصَحَّ مِنْ هَذَا الْحَدِيثِ.

”سجدہ شکر کے متعلق اس سے زیادہ صحیح حدیث میرے علم میں نہیں۔“

✽ سفر سے واپسی کی دعا کے الفاظ (سَاجِدُونَ لِرَبِّنَا) کی شرح میں علامہ

ابن رسلان رضی اللہ عنہ (۸۴۴ھ) لکھتے ہیں:

شُكْرًا لِلنِّعْمَةِ عَلَيْنَا سَجْدَةَ الشُّكْرِ.

”ہم نعمت ملنے پر اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ شکر بجالاتے ہیں۔“

(شرح سنن أبي داود: 85/12)

ثابت ہوا کہ سجدہ شکر مشروع و مستحب ہے۔

✿ فقہ حنفی میں ہے:

سَجْدَةُ الشُّكْرِ لَا عِبْرَةَ لَهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى،  
وَهِيَ مَكْرُوهَةٌ عِنْدَهُ، لَا يَثَابُ عَلَيْهَا، وَتَرَكُهَا أَوْلَى، وَقَالَ أَبُو  
يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى: هِيَ قُرْبَةٌ، يَثَابُ عَلَيْهَا.

”امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک سجدہ شکر کا کوئی اعتبار نہیں۔ ان کے نزدیک یہ سجدہ مکروہ ہے، اس پر کوئی ثواب نہیں ملتا، بلکہ اس کو چھوڑ دینا ہی بہتر ہے۔ اس کے برعکس امام ابو یوسف اور محمد بن حسن شیبانی رحمہما اللہ کا کہنا ہے کہ یہ نیکی کا کام ہے، اس پر ثواب ملتا ہے۔“

(فتاویٰ عالمگیری: 1/135، 136)

احناف اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے منسوب مذہب کے خلاف امام ابو یوسف اور امام محمد بن حسن شیبانی رحمہما اللہ کے مذہب کے مطابق فتویٰ دیتے ہوئے سجدہ شکر کو مشروع و مستحب قرار دیتے ہیں اور یہی ان کے ہاں مفتیٰ یہ قول ہے۔

✿ علامہ حصکفی حنفی (۱۰۸۸ھ) لکھتے ہیں:

سَجْدَةُ الشُّكْرِ مُسْتَحَبَّةٌ بِهِ يَفْتَى.

”سجدہ شکر مستحب ہے، اسی پر فتویٰ ہے۔“

(الدر المختار، ص 105)

سجدہ شکر کے لیے وضو ضروری نہیں، بے وضو بھی سجدہ شکر کیا جاسکتا ہے، اس کے لیے قبلہ کی طرف متوجہ ہونا بھی ضروری نہیں، کسی بھی سمت کیا جاسکتا ہے۔ اس میں تکبیر اور سلام

نہیں، اگر تکبیر کہہ دے، تو کوئی حرج نہیں۔

❁ ابو قلابہ اور محمد بن سیرین رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:  
 إِذَا قَرَأَ الرَّجُلُ السَّجْدَةَ فِي غَيْرِ صَلَاةٍ قَالَ: اللَّهُ أَكْبَرُ.  
 ’اگر کوئی شخص نماز کے علاوہ سجدہ تلاوت کرے، تو تکبیر کہے۔‘

(مصنف ابن أبي شيبة: 4186، وسنده صحيح)

**(سوال):** کیا فرض نماز میں آیت سجدہ تلاوت کی جاسکتی ہے؟

**(جواب):** جی ہاں، فرض نماز میں آیت سجدہ تلاوت کی جاسکتی ہے اور اس پر سجدہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ بعض لوگ بغیر دلیل کے آیات سجدہ کو فرائض میں مکروہ خیال کرتے ہیں۔

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْجُمُعَةِ فِي صَلَاةِ  
 الْفَجْرِ ﴿الْم تَنْزِيلُ السَّجْدَةِ﴾، وَ﴿هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ  
 مِّنَ الدَّهْرِ﴾.

’نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن نماز فجر میں سورت سجدہ اور سورت دہر کی تلاوت کیا کرتے تھے۔‘

(صحيح البخاري: 891؛ صحيح مسلم: 880)

سورت سجدہ میں آیت سجدہ موجود ہے۔

**(سوال):** کیا سجدہ تلاوت کی جگہ رکوع کیا جاسکتا ہے؟

**(جواب):** سجدہ تلاوت کی جگہ رکوع کرنا ناجائز ہے۔ جب شریعت نے سجدہ مشروع کیا ہے، تو اسے رکوع میں تبدیل کرنا بے دلیل ہے۔

**(سوال):** سحاق کا کیا حکم ہے؟

**(جواب):** عورتوں کا ایک دوسرے سے جنسی تسکین حاصل کرنا ”سحاق“ کہلاتا ہے۔ اسلام دین فطرت ہے، اسلام نے ہر اس عمل سے منع کیا ہے، جو دل کو پراگندہ کر دے اور انسانی وقار کو مجروح کرے، ایک عورت کا دوسری عورت سے خواہش پوری کرنا اسلام کی نظر میں انتہائی ناپسندیدہ فعل اور فحاشی ہے۔ اس پر تعزیر ہے۔

✽ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَنْظُرُ الرَّجُلُ إِلَى عَوْرَةِ الرَّجُلِ، وَلَا الْمَرْأَةُ إِلَى عَوْرَةِ الْمَرْأَةِ، وَلَا يُفْضِي الرَّجُلُ إِلَى الرَّجُلِ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ، وَلَا تُفْضِي الْمَرْأَةُ إِلَى الْمَرْأَةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ .

”کوئی مرد کسی دوسرے مرد کی شرمگاہ کی طرف نہ دیکھے، اسی طرح کوئی عورت کسی دوسری عورت کی شرمگاہ کی طرف نہ دیکھے، مرد کسی مرد کے ساتھ ایک کپڑے میں نہ لیٹے اور نہ عورت کسی دوسری عورت کے ساتھ ایک کپڑے میں لیٹے۔“

(صحیح مسلم: 338)

✽ علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ (۴۵۶ھ) فرماتے ہیں:

إِنْفَقُوا أَنَّ سُحْقَ الْمَرْأَةِ لِلْمَرْأَةِ حَرَامٌ .

”اہل علم کا اجماع ہے کہ عورت کا عورت کے ساتھ غیر فطری تعلقات رکھنا

حرام ہے۔“ (مراتب الإجماع، ص 131)

**تنبیہ:**

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ہے:

إِنَّهٗ كَانَ لَا يَرَىٰ بِأَسَا بِالْمَرْأَةِ تَدْخِلُ شَيْئًا، تُرِيدُ السِّتْرَ تَسْتَعْنِي  
بِهِ عَنِ الزَّوْنَىٰ .

”آپ اس بات میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے کہ عورت زنا سے بچنے  
کے لئے اپنی شرمگاہ میں کوئی چیز داخل کر لے اور پردہ چاہتی ہو۔“

(المحلی لابن حزم: 404/12)

سند سخت ضعیف ہے، ابن جریج مدلس ہیں اور مبہم راوی سے بیان کر رہے ہیں۔

**(سوال):** بلندی پر چڑھنے یا اترنے کی کیا دعا ہے؟

**(جواب):** پہاڑ، سیڑھی یا کسی بھی بلند مقام پر چڑھتے وقت ”اللہ اکبر“ کہنا اور اترتے

وقت ”سبحان اللہ“ کہنا مشروع و مستحب ہے۔

❁ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

كُنَّا إِذَا صَعَدْنَا كَبَّرْنَا، وَإِذَا نَزَلْنَا سَبَّحْنَا .

”ہم اونچائی پر جاتے، تو ”اللہ اکبر“ کہتے اور اترتے تو ”سبحان اللہ“ کہتے۔“

(صحيح البخاري: 2993)

**(سوال):** درج ذیل روایت کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

❁ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا شَاءَ اللَّهُ،  
وَشِئْتِ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَجَعَلْتَنِي  
وَاللَّهُ عَدْلًا بَلْ مَا شَاءَ اللَّهُ وَحْدَهُ .

”ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: جو اللہ چاہے اور جو آپ چاہیں۔ تو نبی

کریم ﷺ نے اسے فرمایا: آپ نے مجھے اور اللہ تعالیٰ کو برابر کر دیا، بلکہ وہی ہوگا، جو اللہ چاہے گا۔“

(مسند الإمام أحمد: 1839)

(جواب): اس حدیث کی سند حسن ہے۔ اہلح بن عبداللہ کندی ”حسن الحدیث“ ہے۔

حافظ پیشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الْأَكْثَرُ عَلَى تَوْثِيقِهِ .

”اکثر محدثین نے اس کی توثیق کی ہے۔“

(مجمع الزوائد: 1/189)

فائدہ:

أَجَعَلْتَنِي لِلَّهِ نِدًّا كَالْفَاظِ ثَابِتٍ نَهَيْتَنِي . جس روایت میں یہ الفاظ مروی ہیں، اس میں سفیان ثوری کا معنی ہے۔ دیگر ثقافت یہ الفاظ بیان نہیں کرتے۔

(سوال): شوآرب کے بارے میں کیا حکم ہے؟

(جواب): ”شآرب“ سے مراد موچھوں کے وہ بال ہیں، جو اوپر والے ہونٹ سے نیچے آجائیں اور عموماً کھانے پینے والی چیز سے مس ہوں۔ چالیس دن سے پہلے پہلے موچھیں کاٹنا ضروری ہے، اس سے زیادہ تاخیر کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ موچھیں بڑھانا ممنوع ہے۔ خلاف فطرت عمل ہے۔ کفار سے مشابہت ہے۔ موچھیں کاٹنے کا حکم ہے۔ بڑی بڑی موچھیں رکھنا اسلامی تہذیب کے منافی ہے۔

افسوس سے لکھنا پڑ رہا ہے کہ کتنے لوگ بڑی بڑی موچھیں رکھتے ہیں، ہر وقت انہیں تاؤ دیتے رہتے ہیں، حتیٰ کہ انہیں اس حالت میں موت آجاتی ہے، ان کے مرنے کے بعد ان



کی موچھیں کاٹی جاتی ہیں۔ کاش مسلمان اپنا ظاہر شریعت کے مطابق کر لیں۔ ہر وقت اپنے آپ کو موت کے لیے تیار رکھیں۔

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

الْفِطْرَةُ خَمْسٌ، أَوْ خَمْسٌ مِّنَ الْفِطْرَةِ الْخِتَانُ، وَالْإِسْتِحْدَادُ،  
وَنَتْفُ الْإِبِطِ، وَتَقْلِيمُ الْأَظْفَارِ، وَقَصُّ الشَّارِبِ .

”پانچ چیزیں فطرت ہیں؛ ختنہ کروانا، لوہے کا استعمال (زیر ناف بالوں کی صفائی کے لئے)، بغلوں کے بال اکھاڑنا، ناخن کاٹنا اور موچھیں پست کرنا۔“

(صحیح البخاری: 5889، صحیح مسلم: 257)

❁ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ، وَفَرُّوا اللَّحْيَ، وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ .  
”مشرکین کی مخالفت کریں، داڑھی بڑھائیں اور موچھیں پست کریں۔“

(صحیح البخاری: 5892، صحیح مسلم: 259)

❁ ایک روایت میں ہے:

خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ أَحْفُوا الشَّوَارِبَ، وَأَوْفُوا اللَّحْيَ .  
”مشرکین کی مخالفت کریں، موچھیں پست کریں اور داڑھی بڑھائیں۔“

(صحیح مسلم: 259)

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جُزُّوا الشَّوَارِبَ، وَأَرْخُوا اللَّحْيَ خَالِفُوا الْمَجُوسَ .  
”موچھیں کاٹ کر اور داڑھی بڑھا کر مجوس کی مخالفت کریں۔“

(صحیح مسلم: 260)

❁ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

وَقَدْ لَنَا فِي قَصِّ الشَّارِبِ، وَتَقْلِيمِ الْأُظْفَارِ، وَنَتْفِ الْإِبْطِ، وَحَلْقِ الْعَانَةِ، أَنْ لَا نَتْرُكَ أَكْثَرَ مِنْ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً.

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لمبے، ناخن کاٹنے، بغلوں کے بال اکھاڑنے اور زیر ناف بال صاف کرنے کی آخری حد چالیس دن رکھی ہے کہ اس سے زیادہ تاخیر نہ کی جائے۔“

(صحیح مسلم: 258)

**سوال:** مندرجہ ذیل روایت کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

❁ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

”ایک رات میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر سے گم پایا۔ آپ کی تلاش میں نکلی، دیکھا کہ آپ بقیع میں ہیں اور سر مبارک آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے ہیں۔ بعد ازاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آپ اندیشہ محسوس کرتی ہیں کہ اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر ظلم کریں گے؟ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ایسی کوئی بات نہیں، میرا گمان تھا کہ آپ کسی دوسری بیوی کے ہاں تشریف لے گئے ہوں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يَنْزِلُ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا، فَيَغْفِرُ لِأَكْثَرِ مَنْ عَدَدِ شَعْرِ غَنَمٍ كُلِّ.

”اللہ تعالیٰ پندرہ شعبان کی رات آسمان دنیا کی طرف نزول فرما کر کلب قبیلہ کی

بکریوں کے بالوں سے بھی زیادہ انسانوں کی مغفرت فرماتے ہیں۔“

(سنن الترمذی: ۷۳۹، سنن ابن ماجہ: ۱۳۸۹، مسند الإمام أحمد: ۶/۲۳۸، کتاب  
أحاديث النزول للدارقطني: ۱۳۰، مسند عبد بن حميد: ۱۵۰۷، شعب الإيمان للبيهقي:  
۰۳۸۲۴ العلل المتناهية لابن الجوزي: ۹۱۵)

(جواب): اس روایت کی سند ضعیف ہے۔

① امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

سَمِعْتُ مُحَمَّدًا يُضَعِّفُ هَذَا الْحَدِيثَ وَقَالَ: يَحْيَى بْنُ أَبِي  
كَثِيرٍ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ عُرْوَةَ، وَالْحَجَّاجُ بْنُ أَرْطَاةَ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ  
يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ.

”میں نے امام بخاری رحمہ اللہ کو اسے ضعیف قرار دیتے ہوئے سنا، نیز فرمایا: یحییٰ  
بن ابی کثیر نے عروہ سے اور حجاج بن ارطاة نے یحییٰ بن ابی کثیر سے سماع نہیں کیا۔“

(جامع الترمذی، تحت الحدیث: ۷۳۹)

② حجاج بن ارطاة جمہور کے نزدیک ”ضعیف“ اور ”مدلس“ ہے۔

③ یحییٰ بن ابی کثیر ”مدلس“ ہیں، جو ”عن“ سے روایت کر رہے ہیں۔

(سوال): شب برأت کی فضیلت کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟

(جواب): پندرہ شعبان کی شب، جسے ”شب برأت“ کہا جاتا ہے، کی فضیلت میں

کوئی حدیث ثابت نہیں۔

❁ علامہ ابن العربی رحمہ اللہ (۵۴۳ھ) فرماتے ہیں:

لَيْسَ فِي لَيْلَةِ النَّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ حَدِيثٌ يُعَوَّلُ عَلَيْهِ، لَا فِي

فَضْلِهَآ، وَلَا فِي نَسْخِ الْآجَالِ فِيهَا، فَلَا تَلْتَفِتُوا إِلَيْهَا .  
 ”پندرہ شعبان کے بارے میں کوئی قابل اعتماد حدیث نہیں، نہ اس کی فضیلت  
 کے بارے میں اور نہ اس رات میں موت کا فیصلہ کرنے کے بارے میں، لہذا  
 ان روایات کی طرف التفات مت کریں۔“

(أحكام القرآن: 4/117)

**(سوال):** کیا شبِ برأت کو غسل کرنا مستحب ہے؟

**(جواب):** شبِ برأت کے غسل یا مخصوص عبادت کے بارے میں کچھ ثابت نہیں، لہذا

اس رات غسل کرنے کو مستحب سمجھنا بدعت ہے۔

**(سوال):** ایک شخص کوشک پڑ گیا کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دی یا نہیں، تو کیا حکم ہے؟

**(جواب):** شک کی بنا پر طلاق واقع نہیں ہوتی۔

**(سوال):** شک پڑا کہ وضو ٹوٹ گیا ہے یا نہیں ٹوٹا، کیا حکم ہے؟

**(جواب):** وضو کے بعد اگر وضو ٹوٹنے کا شک پڑے، تو اس شک کا اعتبار نہ ہوگا،

تا آنکہ وضو ٹوٹنے کا یقین ہو جائے، کیونکہ شک سے یقین زائل نہیں ہوتا۔

✽ حافظ نووی رحمۃ اللہ علیہ (۶۷۶ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ مَنْ تَيَقَّنَ الطَّهَارَةَ وَشَكََّ فِي الْحَدَثِ حُكِمَ بِبَقَائِهِ عَلَى الطَّهَارَةِ .

”جس شخص کو با وضو ہونے کا یقین ہو اور بے وضو ہونے کا شک ہو، تو (اس)

حدیث کی رو سے) حکم یہ ہے کہ اس کا وضو باقی ہے۔“

(شرح صحيح مسلم: 4/49)



## فتاویٰ امن پوری (قسط ۱۸۰)

علامہ مصطفیٰ ظہیر امن پوری

**سوال:** کیا بدگمانی حرام ہے؟

**جواب:** جی ہاں، بدگمانی حرام ہے۔

✽ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ﴾

(الحجرات: ۱۲)

”مومنو! بہت زیادہ گمان کرنے سے بچو، کیونکہ بعض گمان گناہ ہیں۔“

✽ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”گمان سے بچیں، کیونکہ گمان سب سے بڑا جھوٹ ہے۔“

(صحیح البخاری: 5143، صحیح مسلم: 2563)

**سوال:** حدیث: ”قرب قیامت کچھ لوگ آئیں گے، وہ سیاہ خضاب لگاتے ہوں

گے، جنت کی خوشبو بھی حاصل نہیں کر سکیں گے۔“ کا مفہوم واضح فرمادیں۔

**جواب:** سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”آخری زمانہ میں ایک قوم کبوتر کے پوٹے جیسا سیاہ خضاب لگائے گی۔ وہ

جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گی۔“

(سنن أبی داؤد: 4213، سنن النسائی: 138/8، ح: 5078، مسند الإمام أحمد:

273/1، المعجم الكبير للطبراني : 413/12، تاريخ ابن أبي خيثمة : 909، المختارة للضياء المقدسي : 233/10، ح : 244، شرح السنة للبخاري : 3180، وسنده صحيح

مسند اسحاق بن راهويه (كما في [النكت الظراف على الأطراف

لابن حجر : 424/4] میں الفاظ ہیں:

”وہ اپنی ڈاڑھیوں کو سیاہ خضاب لگائیں گے۔“

اس حدیث سے سیاہ خضاب کی ممانعت و حرمت پر دلیل لی جاتی ہے، لیکن یہ استدلال کمزور ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اسلاف امت اور محدثین کرام میں سے کوئی بھی سیاہ خضاب کی ممانعت و حرمت کا قائل نہیں۔ دوسری یہ کہ اہل علم نے اس حدیث کا یہ معنی و مفہوم بیان نہیں کیا، بلکہ بعض اہل علم نے اس سے سیاہ خضاب کی حرمت پر استدلال کا رد کیا ہے۔

مشہور محدث، امام ابوبکر ابن ابوعاصم رحمۃ اللہ علیہ (۲۸۷ھ) فرماتے ہیں:

”اس حدیث میں سیاہ خضاب کی کراہت پر کوئی دلیل نہیں۔ اس میں تو ایک قوم کے بارے میں خبر دی گئی ہے، جن کی نشانی یہ ہوگی۔“

(فتح الباری لابن حجر : 354/10)

امام طحاوی حنفی رحمۃ اللہ علیہ (۳۲۱ھ) فرماتے ہیں:

”اس سے سمجھ آتا ہے کہ وہ قوم اپنے حرام و ناجائز افعال کی بنا پر مذموم ہوگی۔ سیاہ خضاب فی نفسہ مذموم نہیں ہے۔ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیاہ خضاب لگاتے رہے، ان میں عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔“

(شرح مشکل الآثار : 313/9، ح : 3699)

حافظ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ (۵۹۷ھ) فرماتے ہیں:

”آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت نے سیاہ خضاب استعمال کیا ہے۔ ان میں سیدنا حسن و حسین رضی اللہ عنہما، سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ شامل ہیں۔ بہت سے تابعین کرام بھی ایسا کرتے تھے۔ بعض لوگوں نے اسے اس لیے مکروہ سمجھا ہے کہ اس میں ایک قسم کا دھوکا ہے۔ رہی یہ بات کہ سیاہ خضاب کے ذریعے دھوکے کا ارادہ نہ بھی ہو تو اس کا استعمال حرمت کے درجے تک پہنچ جائے اور اس کے استعمال کنندہ پر جنت کی خوشبو سے بھی محرومی کی وعید صادق آجائے، تو یہ بات آج تک کسی اہل علم نے نہیں کہی۔ اگر یہ حدیث صحیح ہو تو اس معنی کا احتمال ہے کہ وہ اپنے کسی غلط عقیدے یا عمل کی بنا پر جنت کی خوشبو سے محروم رہیں گے، سیاہ خضاب کی بنا پر نہیں۔ یہ خضاب تو ان کی ایک نشانی ہے، جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پہچان کے لیے بتلائی ہے، جس طرح خارجیوں کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کہ ان کی نشانی سر کے بالوں کو منڈانا ہے۔ اس کے باوجود سر کے بالوں کو منڈانا حرام نہیں۔“

(الموضوعات: 55/3)

ثابت ہوا کہ مذکورہ حدیث میں موجود وعید سیاہ خضاب کی وجہ سے نہیں، ورنہ ”آخری زمانے“ کی قید کا کیا معنی؟ سیاہ خضاب کا استعمال کرنے والے تو صحابہ کرام سے لے کر ہر دور میں موجود رہے!!!

❁ علامہ محمد عبدالرحمن، مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۵۳ھ) فرماتے ہیں:

”اس حدیث سے سیاہ خضاب کے مکروہ ہونے کی دلیل لینا صحیح نہیں۔“

(تحفة الأوحی: 55/3)

**سوال:** کیا بارش کی صورت میں دو نمازیں جمع کی جاسکتی ہیں؟

**جواب:** بارش میں دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھنا جائز ہے:

✽ امام ابن خزمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۳۱۱ھ) فرماتے ہیں:

لَمْ يَخْتَلَفْ عُلَمَاءُ الْحِجَازِ أَنَّ الْجَمْعَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ فِي الْمَطَرِ جَائِزٌ.

”علمائے حجاز کا اتفاق ہے کہ بارش میں دو نمازوں کو جمع کرنا جائز ہے۔“

(صحیح ابن خزمیہ: 85/2)

✽ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ظہر و عصر اور مغرب و عشا کو بغیر کسی خوف اور بارش (ایک روایت میں بغیر کسی خوف اور سفر) کے جمع کیا۔ (سعید بن جبیر کہتے ہیں:) میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیوں کیا؟ فرمایا: اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر مشقت نہ ہو۔“

(صحیح مسلم: 705)

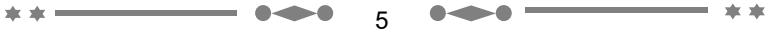
✽ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِينَةِ ثَمَانِيًا جَمِيعًا، وَسَبْعًا جَمِيعًا؛ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ، وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ.

”میں نے مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں ظہر اور عصر کی آٹھ رکعات اور مغرب و عشا کی سات رکعات جمع کر کے پڑھیں۔“

(صحیح البخاری: 543، 1174، صحیح مسلم: 55/705)





✿ شیخ الاسلام، ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

”سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جن دو نمازوں کو جمع کرنے کا ذکر کیا ہے، وہ نہ خوف کی وجہ سے تھیں، نہ بارش کی وجہ سے۔ اس حدیث سے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے استدلال کیا ہے کہ خوف اور بارش میں تو بالاولیٰ نمازیں جمع ہوگی۔ مذکورہ بحث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان امور میں نمازوں کو جمع کرنا بالاولیٰ جائز ہے۔ یہ تشبیہ بالفعل کی قبیل سے ہے۔ جب خوف، بارش اور سفر کے بغیر درپیش مشقت کو ختم کرنے کے لیے دو نمازوں کو جمع کیا جاسکتا ہے، تو ان اسباب کی مشقت کو ختم کرنا تو بالاولیٰ جائز ہوگا، لہذا خوف، بارش اور سفر کی بنا پر نمازوں کو جمع کرنا دیگر امور کی بنا پر جمع کی نسبت اولیٰ ہوگا۔“

(مجموع الفتاویٰ: 76/24)

✿ نافع مولیٰ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

”جب بارش والی رات ہوتی، تو ہمارے امرامغرب کو تاخیر سے ادا کرتے اور شفق (سرخ) غائب ہونے سے پہلے عشا کے ساتھ جمع کر لیتے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما ان کے ساتھ ہی نماز پڑھتے تھے اور اس میں کوئی حرج خیال نہیں کرتے تھے۔ عبید اللہ بیان کرتے ہیں: میں نے قاسم اور سالم رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ دونوں ایسی رات میں امرامغرب کے ساتھ جمع کرتے تھے۔“

(الموطأ للإمام مالک: 331، السنن الكبرى للبيهقي: 168/3، وسنده صحيح)

✿ ہشام بن عروہ تابعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

”میں نے ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ کو بارش والی رات مغرب و عشا کی نمازوں کو

جمع کرتے دیکھا۔ عروہ بن زبیر، سعید بن مسیب، ابوبکر بن عبدالرحمن اور ابو سلمہ بن عبدالرحمن رضی اللہ عنہم اس پر کوئی اعتراض نہیں کرتے تھے۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة: 234/2، السنن الكبرى للبيهقي: 3/168، وسنده صحيح)

✽ عبدالرحمن بن حرملة رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

”میں نے سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کو امر کے ساتھ بارش والی رات میں مغرب وعشا کی نمازوں کو جمع کر کے پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة: 234/2، وسنده حسن)

✽ ابو مودود، عبدالعزیز بن ابوسلیمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

”میں نے ابوبکر بن محمد رضی اللہ عنہ کے ساتھ مغرب وعشا کی نماز پڑھی، انہوں نے بارش والی رات میں دونوں نمازوں کو جمع کیا تھا۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة: 234/2، وسنده حسن)

✽ شیخ الاسلام، ابن تیمیہ رضی اللہ عنہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

هَذِهِ الْآثَارُ تَدُلُّ عَلَى أَنَّ الْجَمْعَ لِلْمَطَرِ مِنَ الْأَمْرِ الْقَدِيمِ،  
الْمَعْمُولِ بِهِ بِالْمَدِينَةِ زَمَنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ، مَعَ أَنَّهُ لَمْ  
يُنْقَلْ أَنَّ أَحَدًا مِّنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ أَنْكَرَ ذَلِكَ، فَعَلِمَ أَنَّهُ  
مَنْقُولٌ عِنْدَهُمْ بِالتَّوَاتُرِ جَوَازٌ ذَلِكَ .

”ان آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ بارش کی وجہ سے دو نمازوں کو جمع کرنا ایسا معاملہ ہے جو شروع سے چلا آ رہا ہے۔ اس پر صحابہ و تابعین کرام کے دور میں مدینہ میں بھی عمل ہوتا رہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ کسی ایک بھی صحابی سے اس

پر اعتراض کرنا منقول نہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ و تابعین سے بالتواتر اس کا جواز منقول ہے۔“ (مجموع الفتاویٰ: 83/24)

❁ مولانا عبدالشکور لکھنوی، فاروقی لکھتے ہیں:

”امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سفر میں اور بارش میں بھی دو نمازوں کا ایک وقت میں پڑھ لینا جائز ہے اور ظاہر احادیث سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے، لہذا اگر کسی ضرورت سے کوئی حنفی بھی ایسا کرے، تو جائز ہے۔“

(علم الفقہ، حصہ دوم، ص: 150)

یاد رہے کہ بارش کی صورت میں جمع تقدیم و تاخیر، دونوں جائز ہیں۔ تقدیم میں زیادہ آسانی ہے، نیز جمع صورتی کو بھی اختیار کیا جاسکتا ہے۔

**(سوال):** قبر میں مدفون سے دعا کی درخواست کرنا کیسا ہے؟

**(جواب):** ناجائز و حرام ہے۔ قبر والے دنیا والوں سے بے خبر ہیں۔

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

” (قبر پرستی کے) جو اکثر فائدے ذکر کیے جاتے ہیں وہ جھوٹ پر مبنی ہوتے ہیں۔ یہ مشرک لوگ قبروں وغیرہ کے پاس جا کر کثرت سے دُعا کرتے ہیں۔ بس کبھی کبھار وہ دعا (اللہ کی طرف سے) قبول ہو جاتی ہے۔ اور کوئی مشرک بہت سی دُعا مانگتا ہے لیکن اُن میں سے کوئی ایک دُعا قبول ہوتی ہے۔ پھر بہت سے مشرک لوگ دُعا کرتے ہیں تو ان میں سے کبھی کسی ایک کی اور کبھی کسی ایک کی دُعا قبول ہوتی ہے۔ یہ کیفیت ان لوگوں کو کہاں لاحق ہوتی ہے جو سحری کے وقت اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو اپنے سجدوں میں، اپنی

نمازوں کے آخر میں اور مساجد میں پکارتے ہیں۔ یہ موحد لوگ جب ان قبر پرستوں کی طرح گرگڑا کر دُعا کریں تو ممکن نہیں کہ ان کی کوئی دُعا رد ہو جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب موحد لوگ اس طرح اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں تو ان کی دُعا بہت کم رد ہوتی ہے، جبکہ قبر پرستوں کی دُعا قبول ہی بہت کم ہوتی ہے۔ موحدین کی دُعا کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ”کوئی بھی مسلمان بندہ جب اللہ تعالیٰ سے کوئی ایسی دعا کرتا ہے جس میں کوئی گناہ یا رشتہ داروں سے قطع تعلقی کی بات نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اسے تین باتوں میں سے ایک عطا فرمادیتا ہے۔ یا تو اس کی دُعا فوراً قبول کر لیتا ہے یا اس دُعا کی مثل کوئی اور بھلائی اسے عطا فرمادیتا ہے یا اس سے کوئی ایسا ہی نقصان دُور کر دیتا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اگر یہ بات ہے تو پھر ہم بہت زیادہ دُعا مانگیں کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس سے بھی زیادہ عطا فرمانے والا ہے۔“ (مصنّف عبد الرزاق : ۲۲/۶، الرّقم : ۲۹۱۷۰، مسند أبي يعلى : ۲۹۷/۲، ح : ۱۰۱۹، مسند الإمام أحمد : ۱۸/۳، الأدب المفرد للبخاري : ۷۱۰، وصحّح إسناده الحاكم (۱۸۱۶)، وسنده حسن) موحد لوگ اپنی دُعاؤں میں ہمیشہ بہتری میں رہتے ہیں۔ اس کے برعکس قبر پرست لوگوں کی جب کبھی کبھار کوئی دُعا قبول ہو جاتی ہے تو ان کی توحید کمزور ہو جاتی ہے، اپنے رب سے ناٹھ و تعلق کم ہو جاتا ہے اور وہ اپنے دل میں ایمان کی وہ حلاوت اور ذائقہ محسوس نہیں کرتے جو پہلے مسلمان محسوس کرتے تھے۔“

(اقتضاء الصّراط المستقیم : 689/2)

**(سوال):** مندرجہ ذیل روایت کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فِي الْعَسَلِ الْعَشْرُ .

”شہد میں عشر ہے۔“

(مصنّف عبد الرزّاق : 6972 ، الضّعفاء الكبير للعُقيلي : 309/2)

**(جواب):** اس کی سند باطل ہے۔

① عبد الرزاق بن ہمام کا عنعنہ ہے۔

② عبد اللہ بن محرر ”متروک و منکر الحدیث“ ہے۔

③ زہری کا عنعنہ ہے۔

اس معنی کی روایت سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔

(سنن الترمذی : 629)

اس کی سند ضعیف ہے۔ صدقہ بن عبد اللہ ضعیف ہے۔

حافظ پیشمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الْأَكْثَرُ عَلَى تَضْعِيفِهِ .

”اسے اکثر محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔“

(مجمع الزوائد : 80/1)

حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ضَعْفُهُ الْجَمْهُورُ .

”جمہور نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔“

(المَقاصد الحَسنة : 420)

اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فِي إِسْنَادِهِ مَقَالٌ .

”اس کی سند پر جرح کی گئی ہے۔“

نوٹ:

ہمارے مطابق شہد میں عشر ہے۔ اس کی دلیل مندرجہ ذیل روایت ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

جَاءَ هَلَالٌ أَحَدُ بَنِي مُتْعَانَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعُشُورٍ نَحْلٍ لَهُ، وَكَانَ سَأَلَهُ أَنْ يَحْمِيَ لَهُ وَادِيًا، يُقَالُ لَهُ: سَلْبَةٌ، فَحَمَى لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَلِكَ الْوَادِي، فَلَمَّا وُلِّيَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَتَبَ سُفْيَانُ بْنُ وَهْبٍ، إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ يَسْأَلُهُ عَنْ ذَلِكَ، فَكَتَبَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ؛ إِنَّ أَدَى إِلَيْكَ مَا كَانَ يُودِي إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عُشُورٍ نَحْلِهِ، فَاحْمِ لَهُ سَلْبَةً، وَإِلَّا، فَإِنَّمَا هُوَ ذُبَابٌ غَيْثٌ يَأْكُلُهُ مَنْ يَشَاءُ .

”قبیلہ بنی متعان کا ”ہلال“ نامی ایک شخص اپنے شہد کا دسواں حصہ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ”سلبہ“ نامی وادی اپنے قبضہ میں لینے کا مطالبہ کیا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ وادی اس

کے سپرد کر دی تھی۔ جب سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت آئی، تو سیدنا سفیان بن وہب رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو خط لکھا اور اس وادی کے متعلق سوال کیا، تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خط میں جواب دیا کہ اگر یہ شہد کا وہی عشر آپ کو بھی ادا کر دے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ادا کرتا تھا، تو یہ وادی اسی کے پاس رہنے دیجئے، ورنہ (یہ وادی ان سے واپس لے لیجئے) یہ شہد کھیوں سے حاصل ہوتا ہے، جسے کھیاں سرسبز و شاداب علاقوں سے اکٹھا کرتی ہیں، تو اس شہد کو ہر کوئی کھا سکتا ہے۔“

(سنن أبي داود: 1600، وسندہ حسن)

**(سوال):** مصحف فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

**(جواب):** روافض کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پر بواسطہ جبرائیل علیہ السلام وحی آتی رہی۔ اس وحی پر فرشتہ مامور تھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس کی کتابت کی۔ اس وحی کو ایک مصحف میں جمع کیا گیا، جس کا نام مصحف فاطمہ رضی اللہ عنہا یا لوح فاطمہ رضی اللہ عنہا یا کتاب فاطمہ رضی اللہ عنہا ہے۔ اس میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے تعزیت کی گئی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے غم کو کم کیا گیا۔ اس میں تاقیامت رونما ہونے والے حالات و واقعات کا ذکر ہے۔

شیعہ کتب میں مصحف فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ثبوت موجود ہے۔ اس بارے میں مروی روایات کی شیعہ علما نے تصدیق و توثیق کی ہے۔ ہمارے مطابق یہ ابوبصیر وغیرہ کی گھڑتلیں ہیں، لیکن ابوبصیر شیعہ کی کتب جرح و تعدیل میں ثقہ و معتبر ہے۔

محمد بن یعقوب کلینی (۳۱۹ھ) نے الکافی (ص ۲۳۹) میں مصحف فاطمہ کے بارے

میں جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے تقریباً آٹھ روایات ذکر کی ہیں۔ یہی روایات محمد بن حسن صفار (۲۹۰ھ) کی بصائر الدرجات اور ملا باقر مجلسی (۱۱۱۱ھ) کی بحار الانوار وغیرہ میں بھی مذکور ہیں۔ مصحف فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ذکر سے شیعہ مذہب کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔

ثابت ہوا کہ شیعہ کے نزدیک موجودہ قرآن کریم اصلی نہیں۔ ان کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی کلام الہی کا نزول ہوتا رہا، لیکن شیعہ یہ بات تقیہ کرتے ہوئے عام بیان نہیں کرتے۔ اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ یہ لوگ اہل بیت کی شان میں کس قدر غلو سے کام لیتے ہیں اور ان پر کیسے کیسے جھوٹ اور بہتان باندھتے ہیں؟

**(سوال):** کیا مندرجہ ذیل حدیث سے شیعہ کے بارہ اماموں کا ثبوت ملتا ہے؟

❁ سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ساتھ نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

إِنَّ هَذَا الْأَمْرَ لَا يَنْقُضِي حَتَّى يَمُضِيَ فِيهِمْ اثْنَا عَشَرَ خَلِيفَةً،  
 قَالَ: ثُمَّ تَكَلَّمَ بِكَلَامٍ خَفِيَ عَلَيَّ، قَالَ: فَقُلْتُ لِأَبِي: مَا قَالَ؟  
 قَالَ: كُلُّهُمْ مِّنْ قُرَيْشٍ.

”نظام کائنات اس وقت تک ختم نہیں ہو سکتا جب تک بارہ خلیفہ نہ ہو جائیں، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ آہستہ سی بات کی میں نہ سن سکا، میں نے اپنے والد محترم سے پوچھا کہ کیا بات کی ہے؟ کہنے لگے: یہ کہ سب خلفاء قریش میں سے ہوں گے۔“

(صحیح البخاری: 7222، صحیح مسلم: 1821، واللفظ له)

**(جواب):** اس حدیث میں روافض کے بارہ اماموں کا کوئی ثبوت نہیں۔



حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۷۷ھ) فرماتے ہیں:

هَذَا الْحَدِيثُ فِيهِ دَلَالَةٌ عَلَى أَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ وُجُودِ اثْنَيْ عَشَرَ خَلِيفَةً عَادِلًا وَلَيْسُوا هُمْ بِأَيِّمَةِ الشَّيْعَةِ الْإِنِّي عَشْرَ فَإِنَّ كَثِيرًا مِنْ أَوْلِيكَ لَمْ يَكُنْ إِلَيْهِمْ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ، فَأَمَّا هَؤُلَاءِ فَإِنَّهُمْ يَكُونُونَ مِنْ قُرَيْشٍ، يَلُونُ فَيَعْدِلُونَ، وَقَدْ وَقَعَتِ الْبِشَارَةُ بِهِمْ فِي الْكُتُبِ الْمُتَقَدِّمَةِ، ثُمَّ لَا يُشْتَرَطُ أَنْ يَكُونَ مُتَتَابِعِينَ، بَلْ يَكُونُ وُجُودُهُمْ فِي الْأُمَّةِ مُتَتَابِعًا وَمَتَفَرِّقًا، وَقَدْ وَجِدَ مِنْهُمْ أَرْبَعَةٌ عَلَى الْوَلَاءِ، وَهُمْ أَبُو بَكْرٍ، ثُمَّ عُمَرُ، ثُمَّ عُثْمَانُ، ثُمَّ عَلِيٌّ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ. ثُمَّ كَانَتْ بَعْدَهُمْ فِتْرَةٌ، ثُمَّ وَجِدَ مِنْهُمْ مَا شَاءَ اللَّهُ، ثُمَّ قَدْ يُوجَدُ مِنْهُمْ مَنْ بَقِيَ فِي وَقْتِ يَعْلَمُهُ اللَّهُ، وَمِنْهُمْ الْمَهْدِيُّ الَّذِي يُطَابِقُ اسْمُهُ اسْمَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَكُنْيَتُهُ كُنْيَتَهُ، يَمْلَأُ الْأَرْضَ عَدْلًا وَقِسْطًا، كَمَا مِلَأَتْ جَوْرًا وَظُلْمًا.

”اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ بارہ عادل خلیفہ ضرور ہوں گے۔ ان سے مراد شیعوں کے بارہ امام نہیں، کیونکہ ان میں سے اکثر کے پاس کوئی حکومت تھی ہی نہیں، جبکہ جن بارہ خلفا کا حدیث میں ذکر ہے، وہ قریش سے ہوں گے، جو حاکم بن کر عدل کریں گے۔ ان کے بارے میں پہلی کتابوں میں بھی بشارت موجود ہے۔ پھر ان کا پے در پے آنا ضروری نہیں، بلکہ امت میں ان کا وجود

پے درپے بھی ہوگا اور وقفے وقفے سے بھی۔ ان میں سے چار پے درپے آئے۔ وہ سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر، سیدنا عثمان اور سیدنا علی رضی اللہ عنہم ہیں۔ ان کے بعد وقفہ ہوا اور پھر جتنے اللہ نے چاہے آئے، ان میں سے جتنے باقی ہیں، وہ اللہ کے علم میں وقت مقررہ پر ضرور آئیں گے۔ انہی میں سے مہدی ہوں گے، جن کا نام رسول اکرم ﷺ کے نام پر اور کنیت آپ کی کنیت پر ہوگی۔ وہ ظلم و ستم سے بھری ہوئی زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔“

(تفسیر ابن کثیر: 4/568-569، تحت سورة النور: 55)

🌸 نیز فرماتے ہیں:

”بلاشبہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی، جب تک ان بارہ خلیفوں کی حکومت قائم نہ ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ انہی میں سے مہدی ہوں گے، جن کے بارے میں احادیث ہیں کہ ان کا نام نبی اکرم ﷺ کے اسم گرامی کے مطابق (محمد) اور ان کے والد کا نام آپ ﷺ کے والد کے نام کے مطابق (عبداللہ) ہوگا۔ وہ ظلم و ستم سے بھری ہوئی زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔ مہدی سے مراد وہ امام منتظر نہیں، جس کے بارے میں رافضیوں کا عقیدہ ہے کہ وہ اب موجود ہے اور سامراء کے مورچے سے اس کا ظہور ہوگا۔ اس بات کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں نہ اس کا قطعاً کوئی وجود ہے، بلکہ یہ گندی ذہنیت کی ہوس اور کمزور خیالات کا وہم ہے۔ ان بارہ خلفا سے مراد وہ بارہ امام نہیں، جن کا اثنا عشری رافضی اپنی جہالت اور کم علمی کی بنا پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ تورات میں سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی بشارت کے ساتھ یہ بات بھی موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ

ان کی نسل سے بارہ عظیم لوگ پیدا کرے گا۔ یہ وہی بارہ خلفا ہیں، جن کا ذکر سیدنا ابن مسعود اور سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے۔ یہودیت سے توبہ کر کے اسلام لانے والے بعض جاہل لوگوں سے جب کوئی شیعہ ملتا ہے، تو وہ ان کو دھوکا دیتا ہے کہ ان سے مراد بارہ امام ہیں۔ ان میں سے اکثر جہالت اور بے وقوفی کی بنا پر شیعہ ہو جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ خود بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت احادیث کے بارے میں کم علم ہوتے ہیں اور ان کو ایسی تلقین کرنے والے بھی۔“

(تفسیر ابن کثیر: 3/504، تحت سورة المائدة: 12)

مزید لکھتے ہیں:

”جن بارہ اماموں کے بارے میں روایات منقول ہیں، وہ سارے قریشی ہوں گے، ان سے مراد وہ بارہ نہیں، جن کی امامت کا دعویٰ رافضی کرتے ہیں، ان کے خیال کے مطابق صرف سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے حسن رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی امامت کی ہے، نیز ان کے گمان کے مطابق آخری مہدی منتظر ہوگا، جو سامراء کے پہاڑوں میں روپوش ہے، جس کا کوئی وجود اور نام و نشان نہیں ہے، بلکہ حدیث میں جن بارہ ائمہ کی خبر دی گئی ہے، ان سے مراد خلفائے اربعہ سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر، سیدنا عثمان اور سیدنا علی رضی اللہ عنہم نیز عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ ہیں، ائمہ اہل سنت کا بارہ اماموں کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔“

(البدایة والنہایة: 6/278)

روافض اپنے ائمہ معصومین کی شان میں غلو کرتے ہیں۔ ان کی امامت کو نبوت سے

فائق سمجھتے ہیں۔ ان کو گناہ، بھول چوک سے معصوم سمجھتے ہیں۔ ان کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرتے ہیں۔ ان کے عقائد و اعمال سے کوسوں دور ہیں۔ محض ایک دعویٰ رکھتے ہیں، حقیقت میں ان ائمہ کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں۔

اہل سنت والجماعت کی کتب میں ان ائمہ کی روایات درج ہیں، اہل سنت ان کی منقبت و فضیلت کے معترف ہیں۔ ان کی عدالت مسلم ہے۔ ان کے عقائد اہل سنت والے ہیں۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ روافض کا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، یوں شیعہ مذہب کی بنیاد ختم ہو جاتی ہے۔

یاد رہے کہ شیعہ جسے اپنا بارہواں امام قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ غار میں چھپ گیا ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ محض ایک افسانہ ہے۔ شیعہ اسے ”مہدی“ کہتے ہیں، جبکہ اہل سنت کے ہاں قرب قیامت ”مہدی“ پیدا ہوں گے، ان کا نام محمد بن عبد اللہ ہوگا، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد سے ہوں گے، دین کو غالب کریں گے، عدل انصاف قائم کریں گے اور ظلم و جور کا خاتمہ کریں گے۔ عیسیٰ علیہ السلام کی معیت میں جہاد کریں گے۔

**(سوال):** صلح کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

**(جواب):** دو فریق میں اختلاف یا جھگڑا ہو جائے، تو ان کے درمیان نزاع کو ختم کرانا ”صلح“ کہلاتا ہے۔ صلح کرنا، کرانا مشروع و مستحب ہے۔

✽ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾ (النساء: ۱۲۸)

”صلح میں خیر ہے۔“

فریقین صلح کے لیے وہ تمام شرائط طے کر سکتے ہیں، جن میں شریعت کی مخالفت لازم

نہ آتی ہو۔

**سوال:** کتنی مسافت پر نماز قصر کی جائے گی؟

**جواب:** اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا

مِنَ الصَّلَاةِ﴾ (النساء: ۱۰۱)

”جب تم سفر کرو، تو نماز قصر کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔“

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

كُلُّ اسْمٍ لَيْسَ لَهُ حَدٌّ فِي اللُّغَةِ وَلَا فِي الشَّرْعِ فَالْمَرْجِعُ فِيهِ إِلَى الْعُرْفِ فَمَا كَانَ سَفَرًا فِي عُرْفِ النَّاسِ فَهُوَ السَّفَرُ الَّذِي عَلَّقَ بِهِ الشَّارِعُ الْحُكْمَ.

”جس لفظ کی لغت یا شرع میں کوئی حد مقرر نہ ہو، تو اسے عرف کے مطابق لیا جائے گا، پس جسے عرف عام میں سفر کہا جاتا ہے، شارع نے بھی اسی پر (مسافت قصر) کا حکم لگایا ہے۔“

(مجموع الفتاوى: 40/24)

❁ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

إِنِّي لَأَسَافِرُ السَّاعَةَ مِنَ النَّهَارِ فَأَقْصُرُ، يَعْنِي الصَّلَاةَ.

”میں دن کا کچھ حصہ سفر کروں، تو نماز قصر کر لیتا ہوں۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة: 8139، المُحَلِّي لابن حزم: 199/3، وسندُه صحيحٌ)

❁ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی سند کو ”صحیح“ کہا ہے۔

(فتح الباري: 2/567)

❁ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہی فرماتے ہیں:

لَوْ خَرَجْتُ مِيلاً قَصَرْتُ الصَّلَاةَ.

”اگر میں ایک میل تک سفر کروں، تو نماز قصر کرتا ہوں۔“

(المُحَلِّي لابن حزم: 3/199، وسندہ صحیح)

❁ حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ نے اس کی سند کو ”صحیح“ کہا ہے۔

(فتح الباري: 2/567)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما باسناد صحیح چار برد (۲۸ میل) پر قصر کرنا ثابت ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ چار برد سے کم پر قصر نہیں کرتے تھے۔

❁ عبدالرحمن بن حرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

سَأَلْتُ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيْبِ: أَأَقْصِرُ الصَّلَاةَ وَأُفْطِرُ فِي بَرِيدٍ  
مِّنَ الْمَدِينَةِ؟ قَالَ: نَعَمْ.

”میں سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا میں مدینہ سے ایک برید (۲۸ میل)

سفر پر نماز قصر کر سکتا ہوں اور روزہ چھوڑ سکتا ہوں؟ فرمایا: جی ہاں۔“

(المُحَلِّي لابن حزم: 3/200، وسندہ حسن)

❁ حافظ ابن حزم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

هَذَا إِسْنَادٌ كَالشَّمْسِ .

”یہ سند سورج کی طرح (روشن اور واضح) ہے۔“

صحیح مسلم (۶۹۱) میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث کا تعلق قصر کے ثبوت سے

ہے، نہ کہ مسافت کی تحدید سے۔

✿ حافظ خطابی رحمۃ اللہ علیہ (۳۸۸ھ) فرماتے ہیں:

إِنِّي لَا أَعْرِفُ أَحَدًا مِّنَ الْفُقَهَاءِ يَقُولُ بِهِ .

”میں نہیں جانتا کہ کوئی فقیہ اس (تین فرسخ اقل مسافت) کا قائل ہو۔“

(مَعَالِمُ السُّنَنِ: 261/1)

✿ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

لَمْ يَحُدِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأُمَّتِهِ مَسَافَةً مَّحْدُودَةً لِلْقَصْرِ وَالْفَطْرِ، بَلْ أَطْلَقَ لَهُمْ ذَلِكَ فِي مُطَلَقِ السَّفَرِ وَالضَّرْبِ فِي الْأَرْضِ، كَمَا أَطْلَقَ لَهُمُ التَّيْمَمَ فِي كُلِّ سَفَرٍ، وَأَمَّا مَا يُرَوَى عَنْهُ مِنَ التَّحْدِيدِ بِالْيَوْمِ أَوْ الْيَوْمَيْنِ أَوْ الثَّلَاثَةِ فَلَمْ يَصِحَّ عَنْهُ مِنْهَا شَيْءٌ الْبَتَّةَ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ .

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لیے نماز قصر کرنے اور روزہ چھوڑنے کے لیے کوئی مسافت متعین نہیں کی، بلکہ اسے ہر اس سفر کے لیے مطلق رکھا ہے، جسے سفر کہتے ہیں۔ جیسا کہ ہر سفر کے لیے تیمم کو مطلق رکھا ہے۔ جن روایات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک، دو یا تین دن (مدت قصر) کی تحدید وارد ہوئی ہے، ان میں سے کوئی بھی روایت ثابت نہیں، واللہ اعلم!“

(زَادِ الْمَعَادَ: 463/1)

✿ علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ (۱۴۲۰ھ) فرماتے ہیں:

قَدْ دَلَّتْ هَذِهِ الْأَثَارُ عَلَى جَوَازِ الْقَصْرِ فِي أَقَلِّ مِنَ الْمَسَافَةِ الَّتِي

دَلَّ عَلَيْهَا الْحَدِيثُ، وَذَلِكَ مِنْ فَقِهِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ، فَإِنَّ السَّفَرَ مُطْلَقٌ فِي الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ، لَمْ يُقَيَّدْ بِمَسَافَةٍ مَحْدُودَةٍ.

”یہ آثار دلالت کرتے ہیں کہ حدیث میں جس مسافت کا ذکر ہے، اس سے کم مسافت پر بھی قصر جائز ہے، یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فہم ہے، کیونکہ کتاب و سنت میں سفر کو مطلق بیان کیا گیا ہے، کسی محدود مسافت کی قید نہیں لگائی گئی۔“

(الصَّحِيحَةُ: 310/1)

شریعت میں قصر کے لیے مسافت کی حد متعین نہیں۔ اسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے ایمان پر چھوڑا ہے کہ وہ اس سے ڈر کر کس طرح زندگی گزارتے ہیں، جیسا کہ ایک مریض کے لیے بخار کی کوئی مقدار مقرر نہیں کی، کہ وہ کب روزہ رکھے اور کب روزہ چھوڑے گا؟ کب نماز باجماعت ادا کرے گا اور کب باجماعت ادا نہ کرے؟ وہ اپنے متعلق خود فیصلہ کرے گا کہ اب وہ کس حالت میں ہے؟ اسی طرح سفر میں قصر کی حد متعین نہیں، جسے عرف میں سفر کہتے ہیں، اس میں قصر جائز ہے، خواہ وہ پانچ چھ کلومیٹر ہی کیوں نہ ہو۔





## فتاویٰ امن پوری (قسط ۱۸۱)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

**(سوال):** کوئی ایسا آسان معاملہ بتائیں، جس پر ڈھیروں اجر و ثواب ہو؟

**(جواب):** جمعہ کے دن غسل کرنا، اول وقت جمعہ کے لیے پیدل چل کر جانا، امام کے قریب ہو کر بیٹھنا اور کامل توجہ سے خطبہ جمعہ کی سماعت کرنا، اس دوران لغو کاموں اور باتوں سے اجتناب برتنا عظیم المرتبت عمل ہے۔ انتہائی آسان ہے اور اس پر حیران کن اجر و ثواب ہے، ہر قدم کے بدلے ایک سال کے روزوں اور ایک سال کے قیام کا ثواب ملتا ہے۔

❁ سیدنا اوس بن اوس ثقفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ غَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاعْتَسَلَ، ثُمَّ بَكَرَ وَابْتَكَّرَ، وَمَشَى  
وَلَمْ يَرْكَبْ، وَدَنَا مِنَ الْإِمَامِ فَاسْتَمَعَ وَلَمْ يَلْغُ كَانَ لَهُ بِكُلِّ  
خُطْوَةٍ عَمَلٌ سَنَةٍ أَجْرٌ صِيَامِهَا وَقِيَامِهَا.

”جس نے جمعہ کے دن اچھی طرح غسل کیا، پھر (جمعہ کے لیے) اول وقت میں گیا، پیدل چلا، سوار نہیں ہوا، امام کے قریب بیٹھا، خطبہ جمعہ غور سے سنا اور کوئی لغو بات نہیں کی، تو اس کے لیے ہر قدم کے بدلے ایک سال کے (نفلی) روزوں اور (ایک سال کی) نماز تہجد کا ثواب ہے۔“

(سنن أبي داود : 345، سنن النسائي : 1384، سنن الترمذي : 496، سنن ابن

ماجه : 1087، وسنده حسن)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ”حسن“ کہا ہے۔ امام ابن خزیمہ (۱۳۵۸) اور امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ (۲۷۸۱) نے ”صحیح“ قرار دیا ہے، امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۴۲) نے اس کی سند کو شیخین کی شرط پر ”صحیح“ کہا ہے، حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے موافقت کی ہے۔

**(سوال):** قنوت نازلہ میں مقتدیوں کے ”آمین“ کہنے کے متعلق روایت کیسی ہے؟

**(جواب):** سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہینہ بھر پانچوں نمازوں کے بعد مسلسل قنوت (نازلہ) کیا، جب آخری رکعت کے رکوع سے اٹھ کر سمع اللہ لمن حمدہ کہتے، تو قبیلہ بنو سلیم (رعل، ذکوان) کے خلاف بددعا کرتے۔

يَوْمَ مِنْ مَنْ خَلْفَهُ .

”مقتدی آمین کہتے۔“

(سنن أبي داود: 1443)

یہ روایت حسن ہے۔ اس کے شواہد ہیں۔ البتہ یوم من من خلفہ کے الفاظ ثابت نہیں۔ ہلال بن خباب کا آخری عمر میں حافظ خراب ہو گیا تھا، ان الفاظ کو بیان کرنے میں ہلال کی متابعت نہیں ہوئی۔

**(سوال):** اسلام میں مرتد کی سزا کیا ہے؟

**(جواب):** مرتد کی سزا قتل ہے، جس کا نفاذ ریاست اسلامیہ کی ذمہ داری ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ .

”جو اپنے دین (اسلام) کو بدلے، اسے قتل کر دیں۔“

(صحیح البخاری: 3017)

✿ علامہ کاسانی حنفی رحمۃ اللہ علیہ (۵۸۷ھ) لکھتے ہیں:

أَجْمَعَتِ الصَّحَابَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ عَلَى قَتْلِهِمْ .  
”مرتدین کو قتل کرنے پر صحابہ کرام کا اجماع ہو گیا تھا۔“

(بدائع الصنائع: 134/7)

**(سوال):** محمد بن عمر، واقدی کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

**(جواب):** محمد بن عمر واقدی بالا جماع ”ضعیف و متروک“ ہے۔

✿ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الْوَأَقِدِيُّ لَيْسَ بِحُجَّةٍ بِالْإِجْمَاعِ .  
”واقدی بالا جماع حجت نہیں۔“

(الرّدّ علی المنطقیین، ص 273)

✿ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

أَجْمَعَتِ الْحُفَّاطُ عَلَى تَرْكِهِ .  
”اس کے متروک ہونے پر حفاظ محدثین کا اجماع ہے۔“

(سیر أعلام النبلاء: 572/9)

**(سوال):** کیا کھانا بڑھ جانے کا معجزہ ثابت ہے؟

**(جواب):** کھانا بڑھ گیا تھا، یہ معجزہ ثابت ہے۔

(صحیح البخاری: 3578، صحیح مسلم: 2040)

**(سوال):** کیا کھانے کا تسبیح کرنا ثابت ہے؟

(جواب): جی ہاں، صحابہ کرام نے کھانے سے تسبیح کی آواز سنی۔

(صحیح البخاری: 3579)

(سوال): کیا نبی کریم ﷺ کی انگلیوں سے پانی جاری ہونے کا معجزہ ثابت ہے؟

(جواب): جی ہاں۔ نبی کریم ﷺ کی انگلیوں سے پانی جاری ہونے کا معجزہ ثابت

ہے۔ یہ متواتر منقول ہے۔

✽ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

(صحیح البخاری: 3579)

✽ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ

(صحیح البخاری: 3575)

✽ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ

(صحیح البخاری: 3572، صحیح مسلم: 2279)

✽ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما

(صحیح البخاری: 3576)

(سوال): یوم عاشوراء کے روزے کا کیا حکم ہے؟

(جواب): عاشوراء کا روزہ مستحب سنت ہے، واجب نہیں، اس پر اجماع ہے۔

✽ حافظ ابن ملقن رضی اللہ عنہ (۸۰۴ھ) فرماتے ہیں:

إِتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلَى أَنَّ صَوْمَ عَاشُورَاءَ الْيَوْمِ سُنَّةٌ وَلَيْسَ بِوَاجِبٍ .

”اہل علم کا اتفاق ہے کہ اب عاشوراء کا روزہ سنت ہے، واجب نہیں۔“

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح: 532/13)

(سوال): اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کی کیفیت کیا ہے؟

(جواب): عرش پر مستوی ہے، جیسا کہ اس کے شایان شان ہے۔ اس پر اہل حق کا اجماع ہے، جبکہ جہمیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ موجود ہے۔

لغت میں استویٰ کا معنی معلوم ہے، کیفیت مجہول ہے، کیفیت کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے، تمام صفات باری تعالیٰ میں ائمہ اہل سنت کا یہی قاعدہ اور دستور ہے۔

✽ حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ (۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

أَهْلُ السُّنَّةِ مَجْمُوعُونَ عَلَى الْإِقْرَارِ بِالصِّفَاتِ الْوَارِدَةِ كُلِّهَا فِي الْقُرْآنِ وَالسُّنَّةِ وَالْإِيمَانِ بِهَا وَحَمَلِهَا عَلَى الْحَقِيقَةِ لَا عَلَى الْمَجَازِ إِلَّا أَنَّهُمْ لَا يُكَيِّفُونَ شَيْئًا مِّنْ ذَلِكَ وَلَا يَحْدُونَ فِيهِ صِفَةً مَّحْصُورَةً وَأَمَّا أَهْلُ الْبِدْعِ وَالْجَهْمِيَّةِ وَالْمُعْتَزِلَةَ كُلِّهَا وَالْخَوَارِجَ، فَكُلُّهُمْ يُنْكِرُهَا وَلَا يَحْمِلُ شَيْئًا مِنْهَا عَلَى الْحَقِيقَةِ وَيَزْعُمُونَ أَنَّ مَنْ أَقْرَبَ بِهَا مُشَبَّهٌ وَهُمْ عِنْدَ مَنْ أَثْبَتَهَا نَافُونَ لِلْمَعْبُودِ وَالْحَقُّ فِيمَا قَالَهُ الْقَائِلُونَ بِمَا نَطَقَ بِهِ كِتَابُ اللَّهِ وَسُنَّةُ رَسُولِهِ وَهُمْ أَيْمَّةُ الْجَمَاعَةِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ .

”اہل سنت کا اجماع ہے کہ قرآن و سنت میں وارد تمام صفات الہیہ کا اقرار کیا جائے، ان پر ایمان لایا جائے اور انہیں مجاز کی بجائے حقیقت پر محمول کیا جائے۔ البتہ اہل سنت کسی صفت کی کیفیت بیان نہیں کرتے اور نہ ہی کسی صفت کو محدود و محصور کرتے ہیں۔ جبکہ اہل بدعت، جہمیہ، تمام معتزلہ اور خوارج صفات باری تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں، کسی بھی صفت کو حقیقت پر محمول نہیں

کرتے اور صفات کا اقرار کرنے والے کو مشبہ کہتے ہیں، جبکہ یہ لوگ صفات کا اثبات کرنے والوں کے نزدیک معبود کے منکر ہیں۔ حق وہی ہے، جو کتاب و سنت سے موافقت رکھنے والوں میں ہے اور وہ ائمہ اہل سنت والجماعت ہیں، والحمد للہ!

(التمہید لما فی المؤطا من المعانی والأسانید: 145/7)

❁ امام عبداللہ بن وہب مصری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

كُنَّا عِنْدَ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ فَدَخَلَ رَجُلٌ، فَقَالَ: يَا أَبَا عَبْدِ اللَّهِ، ﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾ (طہ: ۵) كَيْفَ اسْتَوَاؤُهُ؟ قَالَ: فَاطْرَقَ مَالِكٌ وَأَخَذَتْهُ الرَّحْضَاءُ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ: ﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾ (طہ: ۵)، كَمَا وَصَفَ نَفْسَهُ، وَلَا يُقَالُ: كَيْفَ، وَكَيْفَ عَنْهُ مَرْفُوعٌ، وَأَنْتَ رَجُلٌ سَوْءٌ صَاحِبٌ بِدْعَةٍ، أَخْرَجُوهُ، قَالَ: فَأَخْرَجَ الرَّجُلُ.

”ہم امام مالک بن انس رحمہ اللہ کے پاس موجود تھے کہ ایک آدمی آیا اور کہنے لگا: اے ابو عبداللہ (امام مالک رحمہ اللہ کی کنیت)! فرمان باری تعالیٰ: ﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾ (طہ: ۵) ”رحمن عرش پر مستوی ہے۔“ میں اللہ تعالیٰ کے مستوی ہونے کی کیفیت کیا ہے؟ تو امام مالک رحمہ اللہ نے سر نیچے جھکا لیا اور پسینے میں شرابور ہو گئے، پھر سر اٹھایا اور فرمایا: فرمان باری تعالیٰ: ﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾ (طہ: ۵) ”رحمن عرش پر مستوی ہے۔“ میں اللہ تعالیٰ کا مستوی ہونا ایسے ہی ہے، جیسے اس نے بیان کیا، یہ نہیں

پوچھا جائے گا کہ اس کی کیفیت کیا ہے؟ اس کی کیفیت کا علم (ہم سے) اٹھالیا گیا۔ تو برا شخص ہے، بدعتی ہے۔ (پھر آپ ﷺ نے شاگردوں سے فرمایا: اسے مجلس سے نکال دیں، تو اسے باہر نکال دیا گیا۔“

(الأسماء والصفات للبيهقي: 866، وسندہ صحیح)

✿ حافظ ذہبی ﷺ نے اس کی سند کو ”صحیح“ کہا ہے۔

(العلو، ص 183)

✿ حافظ ابن حجر ﷺ نے اس کی سند کو ”جید“ قرار دیا ہے۔

(فتح الباري: 407/13)

✿ علامہ قرطبی ﷺ (۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

لَمْ يُنْكَرْ أَحَدٌ مِّنَ السَّلَفِ الصَّالِحِ أَنَّهُ اسْتَوَى عَلَى عَرْشِهِ،  
وَإِنَّمَا جَاهَلُوا كَيْفِيَّةَ الْإِسْتِوَاءِ.

”سلف صالحین میں سے کسی ایک نے بھی عرش پر مستوی ہونے کا انکار نہیں کیا، البتہ انہوں نے استواء کی کیفیت کو مجہول قرار دیا ہے۔“

(تفسیر القرطبي: 219/7)

**سوال:** مندرجہ ذیل روایت کا مفہوم کیا ہے؟

✿ مقدم بن معدیکرب ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أَلَا إِنِّي أُوتِيتُ الْكِتَابَ، وَمِثْلَهُ مَعَهُ.

”خبردار! مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اس کی مثل بھی دی گئی ہے۔“

(سنن أبي داود: 4604، وسندہ صحیح)

**جواب:** حافظ خطابی ﷺ (۳۸۸ھ) فرماتے ہیں:

قَوْلُهُ : «أُوتِيَتْ الْكِتَابَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ» يَحْتَمِلُ وَجْهَيْنِ مِنْ التَّأْوِيلِ؛ أَحَدُهُمَا : أَنْ يَكُونَ مَعْنَاهُ أَنَّهُ أُوتِيَ مِنَ الْوَحْيِ الْبَاطِنِ غَيْرِ الْمَتْلُوِّ مِثْلَ مَا أُعْطِيَ مِنَ الظَّاهِرِ الْمَتْلُوِّ، وَيَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ مَعْنَاهُ : أَنَّهُ أُوتِيَ الْكِتَابَ وَحْيًا يُتْلَى، وَأُوتِيَ مِنَ الْبَيَانِ أَيُّ أُذِنَ لَهُ أَنْ يُبَيِّنَ مَا فِي الْكِتَابِ وَيَعْمَ وَيُخَصُّ وَأَنْ يَزِيدَ عَلَيْهِ فَيُشْرِعَ مَا لَيْسَ لَهُ فِي الْكِتَابِ ذِكْرٌ فَيَكُونُ ذَلِكَ فِي وُجُوبِ الْحُكْمِ وَلِزُومِ الْعَمَلِ بِهِ كَالظَّاهِرِ الْمَتْلُوِّ مِنَ الْقُرْآنِ .

”فرمان نبوی: ”مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اس کی مثل دی گئی ہے۔“ کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں۔ ① اس کا معنی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو جس طرح ظاہر متلوٰجی دی گئی ہے، اسی طرح باطن غیر متلوٰجی بھی دی گئی ہے۔ ② یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو متلوٰجی دی گئی اور اس کا ”بیان“ دیا گیا، یعنی آپ ﷺ کا اجازت دے دی گئی کہ آپ قرآن میں موجود احکامات کی وضاحت کریں، اس کے خاص کو عام کریں، اس کے عام کو خاص کریں، اس سے زائد حکم بیان کریں اور جس کا ذکر قرآن میں نہیں، اسے مشروع قرار دیں۔ اس لحاظ سے وحی غیر متلوٰجی بھی وجوب کے حکم میں ہے اور اس پر عمل کرنا بھی لازم ہے، جیسا کہ وحی ظاہر متلوٰجی یعنی قرآن کا حکم لازم ہے اور اس پر عمل کرنا لازم ہے۔“



(معالم السنن: 298/4)

**(سوال):** امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مندرجہ ذیل قول کا کیا معنی و مفہوم ہے؟

الْغَسْلُ أَحْوَطُ، وَذَٰكَ الْآخِرُ، وَإِنَّمَا بَيْنَا لِاخْتِلَافِهِمْ.

(صحيح البخاري، تحت الحديث: 293)

**(جواب):** امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی مراد یہ ہے کہ اگر احادیث اور اختلاف صحابہ کو دیکھا

جائے، تو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ دخول پر غسل واجب ہے، یہی احوط رائے ہے۔

اگرچہ اس بارے میں اختلاف رہا ہے، مگر بعد میں اس پر اجماع ہو گیا کہ دخول پر غسل واجب ہو جاتا ہے، خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔

❁ امام ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ (۳۱۹ھ) فرماتے ہیں:

لَسْتُ أَعْلَمُ الْيَوْمَ بَيْنَ أَهْلِ الْعِلْمِ فِيهِ اخْتِلَافًا.

”میرے علم کے مطابق اس وقت اہل علم کے مابین کوئی اختلاف نہیں (کہ

محض دخول سے غسل واجب ہو جاتا ہے)۔“

(الأوسط في السنن والإجماع والاختلاف: 2/81)

نوٹ:

حدیث: أَلْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ (صحيح مسلم: ۳۴۳) منسوخ ہے۔

❁ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ذَهَبَ الْجُمْهُورُ إِلَى نَسْخِ حَدِيثِ: إِنَّمَا الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ.

”جمہور کا یہی موقف ہے کہ حدیث: أَلْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ منسوخ ہے۔“

(التلخيص الحبير: 1/135)

**سوال:** مندرجہ ذیل روایات میں کیا تطبیق ہے؟

❁ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ احزاب سے واپسی پر ہمیں فرمایا:

لَا يُصَلِّينَ أَحَدٌ الْعَصْرَ إِلَّا فِي بَنِي قُرَيْظَةَ .

”ہر ایک نماز عصر بنو قریظہ میں ادا کرے۔“

(صحیح البخاری: 946)

جبکہ صحیح مسلم (۱۷۷۰) کی اسی روایت میں ”ظہر“ کے الفاظ ہیں۔

**جواب:** دونوں قسم کی روایات صحیح ہیں۔

❁ شارح مسلم، حافظ نووی رحمۃ اللہ علیہ (۶۷۶ھ) ان روایات میں یوں تطبیق بیان کرتے ہیں:

أَمَّا جَمِيعُهُمْ بَيْنَ الرَّوَّائِيَيْنِ فِي كَوْنِهَا الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ فَمَحْمُولٌ عَلَى أَنَّ هَذَا الْأَمْرَ كَانَ بَعْدَ دُخُولِ وَقْتِ الظُّهْرِ وَقَدْ صَلَّى الظُّهْرَ بِالْمَدِينَةِ بَعْضُهُمْ دُونَ بَعْضٍ فَقِيلَ لِلَّذِينَ لَمْ يُصَلُّوا الظُّهْرَ لَا تُصَلُّوا الظُّهْرَ إِلَّا فِي بَنِي قُرَيْظَةَ وَلِلَّذِينَ صَلَّوْا بِالْمَدِينَةِ لَا تُصَلُّوا الْعَصْرَ إِلَّا فِي بَنِي قُرَيْظَةَ وَيَحْتَمِلُ أَنَّهُ قِيلَ لِلْجَمِيعِ وَلَا تُصَلُّوا الْعَصْرَ وَلَا الظُّهْرَ إِلَّا فِي بَنِي قُرَيْظَةَ وَيَحْتَمِلُ أَنَّهُ قِيلَ لِلَّذِينَ ذَهَبُوا أَوَّلًا لَا تُصَلُّوا الظُّهْرَ إِلَّا فِي بَنِي قُرَيْظَةَ وَلِلَّذِينَ ذَهَبُوا بَعْدَهُمْ لَا تُصَلُّوا الْعَصْرَ إِلَّا فِي

بَنِي قُرَيْظَةَ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ .

”نماز ظہر اور نماز عصر کے متعلق روایات میں جمع و تطبیق کی صورت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہ حکم اس وقت دیا تھا، جب ظہر کا وقت داخل ہو چکا تھا اور مدینہ میں بعض صحابہ نماز ظہر ادا کر چکے تھے اور بعض نے ابھی ادا نہیں کی تھی، تو جنہوں نے نماز ظہر ادا نہیں کی، انہیں کہا گیا کہ آپ نے ظہر کی نماز بنوقریظہ میں ادا کرنی ہے اور جنہوں نے ظہر ادا کر لی تھی، انہیں کہا گیا کہ آپ نے عصر کی نماز بنی قریظہ میں ادا کرنی ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ حکم تمام صحابہ کو ہی دیا گیا ہو کہ آپ نے نماز عصر اور ظہر بنوقریظہ میں ہی ادا کرنی ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ پہلے جانے والے صحابہ کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ ظہر کی نماز بنوقریظہ میں ادا کریں اور ان کے بعد جانے والے صحابہ کو عصر کی نماز بنوقریظہ میں ادا کرنے کا حکم دیا گیا تھا، واللہ اعلم!“

(شرح مسلم: 98/12)

**(سوال):** مندرجہ ذیل روایت کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

صَفُّ الْقَدَمَيْنِ وَوَضْعُ الْيَدِ عَلَى الْيَدِ مِنَ السُّنَّةِ .

”(قیام میں) پاؤں کو سیدھا رکھنا اور ہاتھ کے اوپر ہاتھ باندھنا سنت ہے۔“

(سنن أبی داود: 754)

**(جواب):** روایت ضعیف ہے۔ زرعة بن عبد الرحمن کوفی مجہول الحال ہے، اسے صرف

ابن حبان رضی اللہ عنہ نے ”الثقات“ (۲۶۸/۴) میں ذکر کیا ہے۔

**(سوال):** موزوں پر مسح کے متعلق روافض کا کیا نظریہ ہے؟

**(جواب):** روافض موزوں پر مسح کے قائل نہیں، جبکہ موزوں پر مسح کرنا جائز اور مشروع

ہے۔ اس پر احادیث متواترہ اور اجماع امت دلیل ہیں۔

✽ شرح بن ہانی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

أَتَيْتُ عَائِشَةَ أَسْأَلُهَا عَنِ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَيْنِ، فَقَالَتْ: عَلَيْكَ بِأَبْنِ أَبِي طَالِبٍ، فَسَلُّهُ فَإِنَّهُ كَانَ يُسَافِرُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلْنَاهُ فَقَالَ: جَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ لِلْمَسَافِرِ، وَيَوْمًا وَلَيْلَةً لِلْمَقِيمِ.

”میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں گیا اور ان سے موزوں پر مسح کی بابت سوال کیا، تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: آپ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس جائیے، ان سے پوچھئے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سفر کیا کرتے تھے۔ تو ہم نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے سوال کیا، تو انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مسح کے لیے) مسافر کو تین دن اور مقیم کو ایک دن کی رخصت دی ہے۔“

(صحیح مسلم: 276)

✽ حافظ ابن عبدالبر رضی اللہ عنہ (۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

هُوَ حَدِيثٌ ثَابِتٌ صَحِيحٌ نَقَلَهُ أَيْمَةُ حِفْظًا.

”یہ صحیح ثابت حدیث ہے، اسے ائمہ حفاظ نے نقل کیا ہے۔“

(الاستذکار: 220/1)

✽ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے موزوں پر مسح کے متعلق سوال ہوا، فرمایا:

لِلْمَسَافِرِ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ وَلِالْيَهْنِ وَلِلْمُقِيمِ يَوْمٌ وَكَيْلَةٌ .

”مسافر کے لیے تین دن اور مقیم کے لیے ایک دن کی رخصت ہے۔“

(السَّنَنِ الْكَبْرَىٰ لِلْبَيْهَقِيِّ : 1292 ، وسندهٌ صحيحٌ)

✿ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی سند کو ”صحیح“ کہا ہے۔

✿ حافظ خطابی رحمۃ اللہ علیہ (۳۸۸ھ) فرماتے ہیں:

الْعَجَبُ مِنَ الرَّوَافِضِ تَرَكَوْا الْمَسْحَ عَلَى الْخُفَيْنِ مَعَ تَظَاهُرِ الْأَخْبَارِ فِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَسْتِفَاضَةِ عِلْمِهِ عَلَى لِسَانِ الْأُمَّةِ، ..... ثُمَّ اتَّخَذُوهُ شِعَارًا حَتَّىٰ إِنَّ الْوَاحِدَ مِنْ غُلَاتِهِمْ رَبَّمَا تَأَلَّى فَقَالَ : بَرِئْتُ مِنْ وِلَايَةِ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَسَحْتُ عَلَى خُفَيَّ إِذَا فَعَلْتُ كَذَا .

”روافض پر حیرانی ہوتی ہے کہ انہوں نے موزوں پر مسح کو ترک کیا ہے، حالانکہ اس بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے واضح احادیث موجود ہیں اور امت کی زبان پر مشہور ہیں۔ ..... روافض نے موزوں پر مسح نہ کرنے کو اپنا شعار بنا لیا ہے، یہاں تک کہ ان میں سے بعض عالی رافضی قسم اٹھاتے وقت کہتا ہے: ”اگر میں نے فلاں کام کیا ہو، تو میں امیر المؤمنین (سیدنا علی رضی اللہ عنہ) کی ولایت سے بری ہو جاؤں اور موزوں پر مسح کر لوں۔“

(معالم السنن: 51/1)

**سوال:** عقیدہ رجعت کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

**جواب:** شیعہ کا ایک عقیدہ رجعت بھی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک

قیامت سے پہلے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ یا ان کے ائمہ معصومین دنیا میں لوٹ آئیں گے۔ یہ عقیدہ ان کے ہاں ضروریات دین میں سے ہے۔ شیعہ میں یہ عقیدہ یہود و نصاریٰ سے منتقل ہوا۔ اس کے ثبوت پر شیعہ علمائے درجنوں کتابیں تالیف کی ہیں۔

اہل سنت والجماعت کے ہاں یہ عقیدہ بالاتفاق کفر ہے۔ قرآن و سنت میں اس پر کوئی دلیل نہیں۔ جن کے دوبارہ زندہ ہونے کا استثنا تھا، وہ کتاب و سنت میں مذکور ہو گیا، اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے لے کر قیامت تک کسی کے لیے دوبارہ لوٹ آنے کی استثنا ثابت نہیں۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمِنْ وَّرَائِهِمْ بَرَزَخُ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ﴾ (المؤمنون: ۱۰۰)

”ان کے درمیان پردہ حائل ہے، اس دن تک جب وہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔“

❁ علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ (۴۵۶ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّهُ لَا يَرْجِعُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا أَحَدٌ مِّنْ أَصْحَابِهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ إِلَّا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِذَا رَجَعَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْكَافِرِينَ لِلْحِسَابِ وَالْجَزَاءِ، هَذَا إِجْمَاعُ جَمِيعِ أَهْلِ الْإِسْلَامِ الْمُتَّقِينَ قَبْلَ حُدُوثِ الرَّوَافِضِ الْمُخَالِفِينَ لِإِجْمَاعِ أَهْلِ الْإِسْلَامِ الْمُبَدِّلِينَ لِلْقُرْآنِ الْمَكْدُبِينَ بِصَحِيحِ سُنَنِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُجَاهِرِينَ بِتَوْلِيدِ الْكَذِبِ الْمُتَنَاقِضِينَ فِي كَذِبِهِمْ أَيْضًا.

”محمد رسول اللہ ﷺ یا آپ کا کوئی صحابی دوبارہ (دنیا میں) نہیں لوٹے گا، البتہ قیامت کے روز لوٹیں گے، جب اللہ تعالیٰ تمام مومنوں اور کافروں کو حساب کتاب اور جزا سزا کے لیے لوٹائے گا۔ فتنہ روافض نمودار ہونے سے پہلے تمام مسلمانوں اور متقیوں کا اس پر اجماع ہے، روافض اجماع کی مخالفت کرتے ہیں، قرآن میں تغیر و تبدل کرتے ہیں، صحیح احادیث نبویہ ﷺ کو جھٹلاتے ہیں اور بانگِ دہل جھوٹ بولتے ہیں، نیز اپنے جھوٹ میں تناقض کا شکار بھی ہوتے ہیں۔“

(المحلی بالآثار: 43/1)

✽ حافظ نووی رَضِيَ اللهُ عَنْهُ (۶۷۶ھ) فرماتے ہیں:

هُوَ مَا تَقَوْلُهُ الرَّافِضَةُ وَتَعْتَقِدُهُ بِزَعْمِهَا الْبَاطِلُ أَنَّ عَلِيًّا كَرَّمَ اللَّهُ وَجْهَهُ فِي السَّحَابِ فَلَا نَخْرُجُ يَعْنِي مَعَ مَنْ يَخْرُجُ مِنْ وَادِهِ حَتَّى يُنَادِيَ مِنَ السَّمَاءِ أَنْ اخْرُجُوا مَعَهُ، وَهَذَا نَوْعٌ مِّنْ أَبَاطِيلِهِمْ وَعَظِيمٌ مِّنْ جِهَالَاتِهِمْ اللَّائِقَةَ بِأُدْهَانِهِمُ السَّخِيفَةَ وَعُقُولِهِمُ الْوَاهِيَةَ .

”روافض رجعت کے قائل ہیں، ان کا باطل عقیدہ ہے کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ بادلوں میں ہیں، جب ہم اولاد علی میں سے کسی کے ساتھ نہیں نکلتے، تو علی رضی اللہ عنہ آسمان سے ندا لگاتے ہیں کہ ان کے ساتھ نکلیں۔ یہ روافض کا باطل نظریہ ہے اور ان کی بہت بڑی جہالت ہے، جو انہی کے بے ہودہ ذہنوں اور کمزور عقولوں کے لائق ہے۔“

(شرح النووي: 101/1)

✿ علمائے احناف کا متفقہ فتویٰ ہے:

يَجِبُ إِكْفَارُ الرَّوَافِضِ فِي قَوْلِهِمْ بِرَجْعَةِ الْأَمْوَاتِ إِلَى الدُّنْيَا.  
”جن روافض کا یہ عقیدہ ہے کہ مردے دنیا میں لوٹ آتے ہیں، ان کی تکفیر کرنا واجب ہے۔“

(فتاویٰ عالمگیری: 264/2)

عقیدہ رجعت اور روافض:

✿ شیعہ عالم، الحر، عالمی (۱۱۰۴ھ) کہتا ہے:

إِجْمَاعُ جَمِيعِ الشِّيْعَةِ الْإِمَامِيَّةِ، وَإِطْبَاقُ الطَّائِفَةِ الْإِثْنِي عَشْرِيَّةِ  
عَلَى اعْتِقَادِ صِحَّةِ الرَّجْعَةِ، فَلَا يَظْهَرُ مِنْهُمْ مُخَالَفٌ يُعْتَدُّ بِهِ  
مِنَ الْعُلَمَاءِ السَّابِقِينَ وَلَا اللَّاحِقِينَ.

”عقیدہ رجعت کے صحیح ہونے پر تمام امامیہ شیعہ اور اثنی عشریہ کا اجماع و اتفاق ہے، پہلے اور بعد والے (شیعہ) علما میں سے کسی قابل اعتماد عالم سے اس کی مخالفت معلوم نہیں۔“

(الإيقاظ من الهجعة بالبرهان على الرجعة، ص 42)

✿ ابوالحسن محمد بن طاہر عالمی شیعہ (۱۱۴۰ھ) نے لکھا ہے:

كُلُّ مَا عَبَّرَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي ظَاهِرِ التَّنْزِيلِ فَتَأْوِيلُهُ بِالرَّجْعَةِ.  
”قرآن کریم میں جہاں بھی ”یوم القيامة“ کا لفظ استعمال ہوا ہے، اس سے مراد ”رجعت“ ہے۔“



(مِرآةُ الْأَنْوَارِ، ص 303)

✿ ابن بابویہ، قمی شیعہ (۳۸۱ھ) نے لکھا ہے:

إِعْتِقَادُنَا فِي الرَّجْعَةِ أَنَّهَا حَقٌّ .

”عقیدہ رجعت کو ہم حق سمجھتے ہیں۔“

(الاعتقادات، ص 90)

✿ شیخ مفید (۴۱۳ھ) نے لکھا ہے:

إِنْفَقَتِ الْإِمَامِيَّةُ عَلَى وُجُوبِ رَجْعَةِ كَثِيرٍ مِنَ الْأَمْوَاتِ .

”امامیہ شیعہ کا اتفاق ہے کہ کئی فوت شدگان کا (قیامت سے پہلے دنیا میں)

واپس آنا لازمی ہے۔“

(أَوَائِلُ الْمَقَالَاتِ، ص 51)

✿ ملا باقر مجلسی (م ۱۱۱۱ھ) نے لکھا ہے:

الْقَوْلُ فِي الرَّجْعَةِ الَّتِي أَجْمَعَتْ عَلَيْهَا الشَّيْعَةُ فِي جَمِيعِ الْأَعْصَارِ،

وَاشْتَهَرَتْ بَيْنَهُمْ كَالشَّمْسِ فِي رَابِعَةِ النَّهَارِ ..... وَكَيْفَ

يَشْكُ مُؤْمِنٌ بِأَحْقِيَّةِ الْأَئِمَّةِ الْأَطْهَارِ فِيمَا تَوَاتَرَتْ عَنْهُمْ مِنْ

مَاتَتِي حَدِيثٍ صَرِيحٍ رَوَاهَا نَيْفٌ وَأَرْبَعُونَ مِنَ الثَّقَاتِ الْعِظَامِ

وَالْعُلَمَاءِ الْأَعْلَامِ فِي أَرْبَعِينَ مِنْ خَمْسِينَ مِنْ مُؤَلَّفَاتِهِمْ .

”عقیدہ رجعت کا بیان، اس پر ہر دور کے شیعہ کا اجماع رہا ہے اور ان کے

ماہرین یہ عقیدہ ایسے مشہور و معروف تھا، جیسے دن کے وقت سورج۔..... ایک

مومن ائمہ اطہار کی سچائی میں کیسے شک کر سکتا ہے؟ کہ ان سے دو سو صریح

احادیث تو اتر کے ساتھ منقول ہیں، ان روایات کو تینتالیس (۴۳) سے زائد ثقہ (عند الشیعہ) راویوں نے روایت کیا ہے اور بڑے بڑے (شیعہ) علمائے پچاس سے زائد کتابوں میں ذکر کیا ہے۔ (بحار الأنوار: 13/225)

الحاصل:

عقیدہ رجعت کے صحیح ہونے پر شیعہ کا اتفاق ہے، جبکہ یہ باطل اور کفریہ عقیدہ ہے۔

**سوال:** کیا کھانسی اور جمائی سے نماز ٹوٹ جاتی ہے؟

**جواب:** کھانسنے اور جمائی لینے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔

**سوال:** دوران نماز مصحف سے دیکھ کر تلاوت کرنا کیسا ہے؟

**جواب:** اگر قرآن زبانی یاد نہ ہو، تو دوران نماز مصحف سے دیکھ کر پر تلاوت کی جا

سکتی ہے۔ اسلاف امت کے عمل سے یہی ثابت ہے۔

**سوال:** کیا بلا عذر ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے؟

**جواب:** سر کو ڈھانپنے یا ننگا رکھنے کا تعلق نماز سے نہیں۔ ننگے سر نماز بلا کراہت جائز

ہے، کراہت پر کوئی دلیل نہیں۔

**سوال:** کیا آنکھیں بند کر کے نماز پڑھنا مکروہ ہے؟

**جواب:** آنکھیں کھول کر نماز پڑھنی چاہیے، صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ نبی

کریم ﷺ آنکھیں کھول کر نماز پڑھتے تھے، ہر خیر نبی کریم ﷺ کی سنت میں ہے۔

**سوال:** کیا نماز میں سلام کا جواب دینا جائز ہے؟

**جواب:** حالت نماز میں بول کر سلام کا جواب دینا جائز نہیں، البتہ سر یا ہاتھ کے

اشارے سے سلام کا جواب دینا جائز ہے۔

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

”رسول اللہ ﷺ نے مجھے بنو مصطلق کی طرف بھیجا، میں آپ ﷺ کے پاس آیا، آپ ﷺ اونٹ پر (نفلی) نماز پڑھ رہے تھے، میں نے آپ پر سلام کہا، آپ ﷺ نے ہاتھ کے اشارے سے جواب لوٹایا (زہیر راوی نے ہاتھ سے اشارہ کر کے دکھایا)، میں نے پھر آپ ﷺ کو سلام کہا، آپ ﷺ نے پھر ہاتھ کے اشارے سے جواب دیا (زہیر نے اپنا ہاتھ زمین کی طرف جھکایا)، میں آپ ﷺ کی قراءت سن رہا تھا، آپ ﷺ اپنے سر کے ساتھ اشارہ فرما رہے تھے۔ جب آپ ﷺ فارغ ہوئے تو فرمایا، میں نے تجھے جس کام کے لیے بھیجا تھا، اس کا کیا ہوا؟ مجھے کلام کرنے سے صرف یہ بات روک رہی تھی کہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔“

(صحیح البخاری: 1217، صحیح مسلم: 540، واللفظ لہ)

**سوال:** کیا فرض نماز میں آیت رحمت یا آیت عذاب پر دعا کی جاسکتی ہے؟

**جواب:** نماز فرض ہو یا نفل، آیت رحمت یا آیت عذاب پڑھنے پر دعا کی جاسکتی

ہے، البتہ یہ دعا صرف پڑھنے والا کرے گا، نہ کہ سننے والا۔

**سوال:** دوران نماز کپڑے یا ڈاڑھی سے کھیلنا کیسا ہے؟

**جواب:** درست نہیں، خشوع و خضوع کے منافی ہے۔

**سوال:** لوگوں کی گزرگاہ میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

**جواب:** ایسے جگہ پر نماز نہیں پڑھنی چاہیے، جہاں سے لوگوں کا گزر ہو، البتہ اگر ایسی

جگہ نماز پڑھ لی، تو نماز ہو جائے گی، اس پر عا دہ نہیں۔

**(سوال):** کیا نماز میں سورتوں کی ترتیب کے بغیر تلاوت کرنا مکروہ ہے؟

**(جواب):** مکروہ نہیں، البتہ ترتیب اولیٰ ہے۔

**(سوال):** سجدہ میں پیٹ کو رانوں سے لگانا کیسا ہے؟

**(جواب):** درست نہیں۔ پیٹ اور کہنیاں رانوں سے جدا ہونی چاہئیں۔

**(سوال):** کیا اذان کے لیے قبلہ رخ ہونا ضروری ہے؟

**(جواب):** اذان کے آداب میں سے ہے کہ قبلہ رخ ہو کر کہی جائے، مسلمانوں کا

متواتر اور متواتر عمل یہی ہے، اس کی مخالفت جائز نہیں۔

✽ امام ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ (۳۱۹ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعُوا عَلَيَّ أَنَّ مِنَ السَّنَةِ أَنْ تُسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ بِالْأَذَانِ .

”اہل علم کا اجماع ہے کہ اذان میں قبلہ رخ ہونا سنت (عمل تواتر) ہے۔“

(الإجماع: 39)

✽ علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ (۶۲۰ھ) فرماتے ہیں:

الْمُسْتَحَبُّ أَنْ يُؤَدَّنَ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ، لَا نَعْلَمُ فِيهِ خِلَافًا .

”اذان کے لیے قبلہ رخ ہونا مستحب ہے، ہمارے علم کے مطابق اس میں کوئی

اختلاف نہیں۔“ (المُغْنِي: 309/1)

✽ مجمع بن یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں:

كُنْتُ مَعَ أَبِي أَمَامَةَ بْنِ سَهْلٍ وَهُوَ مُسْتَقْبِلُ الْمُؤَدَّنِ وَكَبَّرَ

الْمُؤَدَّنُ وَهُوَ مُسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةِ .

”میں سیدنا ابوامامہ بن سہل رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے مؤذن کی طرف

رخ کیا ہوا تھا اور مؤذن قبلہ کی طرف منہ کر کے اذان کہہ رہا تھا۔“

(مسند السراج: 61، وسندہ حسن)

نوٹ:

اس بارے میں دو مرفوع احادیث مروی ہیں، دونوں ضعیف ہیں۔

**(سوال):** کیا پچھلی شرمگاہ کے بال بھی صاف کیے جائیں گے؟

**(جواب):** جی ہاں، پچھلی شرمگاہ کے بال بھی صاف کیے جائیں گے۔

✽ شارح بخاری، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ (۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

تَحَصَّلَ مِنْ مَجْمُوعِ هَذَا اسْتِحْبَابُ حَلْقِ جَمِيعِ مَا عَلَى  
الْقَبْلِ وَالذُّبْرِ وَحَوْلَهُمَا .

”پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اگلی شرمگاہ، پچھلی شرمگاہ اور ان کے اردگرد تمام

بالوں کو مونڈنا مستحب ہے۔“ (فتح الباری: 10/343)

✽ علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۵۲ھ) لکھتے ہیں:

الْعَانَةُ الشَّعْرُ الْقَرِيبُ مِنْ فَرْجِ الرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ وَمِثْلَهَا شَعْرُ  
الذُّبْرِ بَلْ هُوَ أَوْلَى بِالْإِزَالَةِ لِئَلَّا يَتَعَلَّقَ بِهِ شَيْءٌ مِنَ الْخَارِجِ  
عِنْدَ الْإِسْتِنْجَاءِ بِالْحَجَرِ .

”قبل (اگلی شرمگاہ) اور دبر (پچھلی شرمگاہ) کے قریبی بال صاف کیجئے، بلکہ

دبر (پچھلی شرمگاہ) کے بال صاف کرنا زیادہ بہتر ہے، تاکہ ڈھیلا استعمال

کرتے وقت وہاں پاخانہ چمٹا نہ رہ جائے۔“

(فتاویٰ شامی: 2/481)

## فتاویٰ امن پوری (قسط ۱۸۲)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

**سوال:** سوئے ہوئے شخص کے سامنے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

**جواب:** جائز ہے۔

❁ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

لَقَدْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُومُ فَيَصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ، وَإِنِّي لَمُعْتَرِضَةٌ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ عَلَى فِرَاشِ أَهْلِهِ .  
 ”رسول اللہ ﷺ رات کو نماز کے لیے بیدار ہوتے، قیام اللیل فرماتے، جبکہ میں آپ ﷺ اور قبلہ کے درمیان بستر پر لیٹی ہوتی تھی۔“

(صحیح البخاری: 515، صحیح مسلم: 512)

**سوال:** تکبیر تحریریمہ کے وقت ہاتھوں کو کانوں سے اوپر تک اٹھانا کیسا ہے؟

**جواب:** درست نہیں۔ تکبیر تحریریمہ میں ہاتھوں کو کندھوں تک یا کانوں تک یا کانوں

کی لو تک اٹھانا چاہیے، کانوں کے اوپر تک اٹھانا ثابت نہیں۔

**سوال:** کھانا حاضر ہو، بھوک بھی لگی ہوئی ہو، اس دوران نماز کا وقت ہو جائے، تو

کیا کیا جائے؟

**جواب:** کھانا تیار ہو، بھوک لگی ہوئی ہو اور نماز کا وقت ہو جائے، تو پہلے کھانا کھانا

چاہیے، بعد میں نماز پڑھ لینی چاہیے، ورنہ نماز میں توجہ نہیں رہی گی۔ البتہ اس صورت میں

اگر کھانا چھوڑ کر نماز ادا کر لے، تو نماز درست ہے۔

❁ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا وُضِعَ الْعَشَاءُ وَأَقِيَمَتِ الصَّلَاةُ، فَأَبْدُوهُ بِالْعَشَاءِ .

”جب شام کا کھانا لگا دیا جائے اور نماز کھڑی ہو جائے، تو پہلے کھانا کھائیں۔“

(صحیح البخاری: 671، صحیح مسلم: 560)

اگر بھوک اتنی نہیں کہ نماز میں توجہ خراب ہو، تو پہلے نماز ادا کر لینی چاہیے، تاکہ جماعت

کی فضیلت ضائع نہ ہو۔

(سوال): حالت نماز میں آسمان کی طرف نگاہ اٹھانا کیسا ہے؟

(جواب): جائز نہیں۔ اس پر وعید سنائی گئی ہے۔

❁ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَرْفَعُونَ أَبْصَارَهُمْ إِلَى السَّمَاءِ فِي صَلَاتِهِمْ،  
فَاشْتَدَّ قَوْلُهُ فِي ذَلِكَ، حَتَّى قَالَ: لَيَنْتَهَنَّ عَنْ ذَلِكَ أَوْ  
لَتُخْطَفَنَّ أَبْصَارُهُمْ .

”لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ یہ نماز میں اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں۔“

(سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں سخت

بات کی، یہاں تک کہ فرمایا: لوگ اس سے باز آ جائیں، یہ نہ ہو کہ ان کی

آنکھیں اچک لی جائیں۔“

(صحیح البخاری: 750)

(سوال): نماز کے آغاز میں رفع الیدین کے وقت ہاتھوں کو کانوں یا کانوں کی لوکے

ساتھ مَس کرنا کیسا ہے؟

(جواب): نماز کے شروع میں رفع الیدین کرتے وقت انگوٹھے کے ساتھ کانوں کی لُو کو مَس کرنا (چھونا) بدعت ہے، نبی کریم ﷺ کسی صحابی، تابعی، تبع تابعی یا ثقہ امام سے ثابت نہیں۔

✿ احناف کی معتبر کتب میں مندرج ہے:

يَرْفَعُ يَدَيْهِ خِذَاءَ أُذُنَيْهِ وَيَمَسُّ طَرْفَ إِبْهَامَيْهِ شَحْمَةَ أُذُنَيْهِ وَأَصَابِعُهُ  
فَوْقَ أُذُنَيْهِ .

”ہاتھ کانوں تک اٹھائے گا، انگوٹھے کانوں کی لُو کو چھوئیں گے اور انگلیاں

کانوں کے اوپر تک جائیں گی۔“ (فتاویٰ قاضی خان: ۱/۴۱)

✿ دوسری کتاب میں ہے:

مَا سَا بِإِبْهَامَيْهِ شَحْمَةَ أُذُنَيْهِ . ”انگوٹھے کانوں کی لُو چھوئیں گے۔“

(الدر المختار: ۱/۷۴)

✿ عید کی تکبیروں کے بارے میں ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

يَرْفَعُ يَدَيْهِ مَا سَا بِإِبْهَامَيْهِ شَحْمَةَ أُذُنَيْهِ .

”ہاتھ اس طور اٹھائے گا کہ انگوٹھے کانوں کی لُو کو چھورہے ہوں گے۔“

(فتاویٰ شامی: ۱/۶۱۷)

✿ فقہ حنفی میں ہے:

مَا سَا بِإِبْهَامَيْهِ شَحْمَةَ أُذُنَيْهِ .

”انگوٹھوں سے کانوں کی لُو چھوئے گا۔“



(شرح الوقایة: ۱/۱۴۳)

مزید ملاحظہ فرمائیں:

ذَكَرَ صَاحِبُ هِدَايَةِ أَيضًا فِي مُخْتَارَاتِ النَّوَازِلِ الْمَسِّ، وَقَالَ الْقُهِسْتَانِيُّ فِي جَامِعِ الرُّمُوزِ: ذَكَرَ فِي النَّظْمِ أَنَّ مُحَادَاةَ الْإِبْهَامِ الشَّحْمَةَ مَسْنُونَةٌ، وَفِي ظَاهِرِ الْأُصُولِ مُحَادَاةٌ إِلَيْهِ الْأُذُنُ وَيَكْرَهُ التَّجَاوُزُ عَنْهَا وَالْمَسُّ لَمْ يُذَكَرْ فِي الْمْتَدَاوِلَاتِ إِلَّا فِي فَنَائِوِي قَاضِي خَانٍ وَالظَّهْرِيَّةِ وَالْقَوْلُ بِأَنَّهُ لِتَحْقِيقِ الْمُحَادَاةِ لَيْسَ بِشَيْءٍ .

”صاحب ہدایہ نے بھی ”مختارات النوازل“ میں ذکر کیا ہے کہ انگوٹھے کا نوں کی لو کو چھوئیں، کوہستانی نے ”جامع الرموز“ میں ”نظم“ کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ انگوٹھوں کو کانوں کی لو کے برابر کرنا مسنون ہے، ”ظاہر الاصول“ میں لکھا ہے کہ کانوں کے برابر ہونے چاہیے، کانوں کی لو سے تجاوز کرنا مکروہ ہے، سوائے فناوی قاضی خان اور ظہیریہ کے کسی متداول کتاب میں کانوں کی لو کو چھونے کا ذکر نہیں ہے اور یہ کہنا کہ کانوں کی لو کو چھونے سے انگوٹھوں کا کانوں سے برابر ہونا ثابت ہو جاتا ہے، فضول بات ہے۔“

(السَّعَايَةِ فِي كَشْفِ مَا فِي شَرْحِ الْوَقَايَةِ لِعَبْدِ الْحَيِّ اللَّكْنَويِ الْحَنْفِيِّ: ۲/۱۵۲)

اس کے رد و جواب میں علامہ عبدالحئی لکھنوی (۱۳۰۴ھ) فرماتے ہیں:

هُوَ لَيْسَ بِسُنَّةٍ مُسْتَقَلَّةٍ فَإِنَّهُ لَا دَلِيلَ عَلَيْهِ فِي رَوَايَةٍ .

”یہ مستقل سنت نہیں ہے، کیونکہ ہمارے مذہب میں اس پر دلیل نہیں۔“

(عُمْدَةُ الرَّعَايَةِ: ۱/۱۴۳)

❁ مولانا عبدالشکور لکھنوی لکھتے ہیں:

”ہمارے فقہانے جو لکھا کہ انگوٹھے کو کانوں سے مل جانا چاہئے، چنانچہ ہم بھی اوپر لکھ چکے ہیں، وہ صرف اس خیال سے لکھا ہے کہ جس میں ہاتھوں کا کانوں کے برابر اٹھنا یقین ہو جائے، سنت سمجھ کر نہیں لکھا ہے، نہ اس کو سنت سمجھنا چاہئے، اس لئے کسی حدیث سے یہ مضمون ثابت نہیں ہوتا، واللہ اعلم!“

(علم الفقہ، حصہ دوم، ص ۲۱۴-۲۱۵)

ہمارا منصفانہ سوال ہے کہ سنت کی موجودگی میں رفع الیدین کے لئے نیا انداز کیوں؟

❁ سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْفَعُ إِبْهَامَيْهِ فِي الصَّلَاةِ إِلَى شَحْمَةِ أُذُنَيْهِ .

”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انگوٹھے کانوں کی لوتک اٹھاتے دیکھا۔“

(سنن أبي داود: ۷۲۴، ۷۳۷، سنن النسائي: ۸۸۳)

سند ”ضعیف“ ہے، عبدالجبار بن وائل کا اپنے والد وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے سماع و لقا نہیں۔

❁ حافظ نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

لَمْ يُدْرِكْهُ بِاتِّفَاقِهِمْ .

”محدثین کا اتفاق ہے کہ عبدالجبار کا اپنے باپ سے سماع نہیں۔“

(خلاصة الأحكام: ۱/۴۲۲)

ثابت ہوا کہ رفع الیدین میں ہاتھوں کو کانوں کی لوسے مس کرنا ثابت نہیں۔

❁ علامہ ابن ابی العزحقی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

مَنْ تَبَيَّنَ لَهُ مِنَ الْعِلْمِ مَا كَانَ خَافِيًا عَلَيْهِ فَاتَّبِعْهُ فَقَدْ أَصَابَ  
وَاهْتَدَى، زَادَهُ اللَّهُ هُدًى .

”جس پر علم کا کوئی مخفی گوشہ ظاہر ہوا اور اس نے اسے اپنا لیا، وہ راہ ہدایت پہ  
ہے، اللہ اسے مزید ہدایت عطا کرے۔“

(التنبيه على مشكلات الهداية: ۲/۵۴۳)

❁ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَبَّرَ فَحَادَى بِإِبْهَامِيهِ  
أُذُنِيهِ .

”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے اپنے انگوٹھے کانوں تک اٹھائے۔“

(سنن الدارقطني، ۱/۳۴۵، المستدرک للحاکم: ۱/۲۶۶، السنن الكبرى للبيهقي: ۲/۹۹)

سند ”ضعیف“ ہے۔

① علاء بن اسماعیل عطار ”مجهول“ ہے، اسے حافظ ابن حجر تلمیخ (۱/۲۷۱)

نے ”مجهول“ کہا ہے، امام حاکم کا اس کی سند کو ”صحیح“ کہنا درست نہیں۔

② اس میں حفص بن غیاث کی تدلیس ہے۔

③ امام ابو حاتم نے اسے ”منکر“ کہا ہے (العِلل: ۱/۱۸۸)

حدیث براء بن عازب بھی ”ضعیف“ ہے، اس میں یزید بن ابی زیاد جمہور محدثین

کے نزدیک ”ضعیف“ و ”مدلس“ ہے۔

(سوال): کیا ”صلوٰۃ زوال“ ثابت ہے؟

(جواب): بعض زوال آفتاب کے بعد دو رکعت نفل نماز ”صلوٰۃ زوال“ کے نام سے

پڑھتے ہیں۔ شریعت میں اس کا ثبوت نہیں ملا، نہ ہی اسلاف امت نے اس پر عمل کیا، لہذا یہ دین نہیں۔

**(سوال):** نماز توبہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

**(جواب):** انسان خطا کا پتلا ہے، بھولنا اس کی فطرت اور ودیعت میں شامل ہے، مگر مومن کا شیوہ ہے کہ غلطی پر نادم ہو کر اپنے رب کی طرف رجوع کرتا ہے اور کافر و ظالم کا وطیرہ ہے کہ وہ گناہوں پر مصر رہتا ہے، اللہ تعالیٰ کا یہ لطف و کرم ہے کہ وہ اپنے گنہگار بندوں کو مغفرت اور معافی کی طرف بلاتا ہے، جو اس کے ذر پر حاضر ہو جائے، وہ نہ صرف اسے غفور، بلکہ رحیم پاتا ہے، ہمارے اسلاف کی سنت رہی ہے کہ جب ان سے بھول ہوئی، فوراً رجوع الی اللہ کرتے۔

❁ صدیق ﷺ نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

مَا مِنْ عَبْدٍ يُذِنُ ذَنْبًا فَيُحْسِنُ الطُّهُورَ ثُمَّ يَقُومُ فَيُصَلِّي  
رَكَعَتَيْنِ، ثُمَّ يَسْتَغْفِرُ اللَّهَ إِلَّا غَفَرَ لَهُ، ثُمَّ قَرَأَ هَذِهِ الْآيَةَ :  
﴿وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ  
فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ﴾ (آل عمران: 135) الْآيَةَ .

”بندہ گناہ کر بیٹھے، پھر اچھی طرح وضو کر کے کھڑا ہو جائے، دو رکعت ادا کرے، اللہ سے معافی کا سوال کرے، تو اللہ اسے معاف کر دیتا ہے، آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: وہ لوگ جب برائی یا اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں۔“

(مسند الإمام أحمد: 10/1، سنن أبي داود: 1521، سنن الترمذي: 604، 3006،

السَّنن الكبرى للنسائي : 11078 ، عمل اليوم والليلة للنسائي : 417 ، سنن ابن ماجه : 1395 ، شعب الايمان للبيهقي : 7079 ، وسنده حسن

اس حديث کو امام ابن حبان رحمہ اللہ (623) نے ”صحیح“ کہا ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے ”حسن“ کہا ہے۔

✿ امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هَذَا الْحَدِيثُ طَرِيقُهُ حَسَنٌ وَأَرْجُو أَنْ يَكُونَ صَحِيحًا .  
”اس حدیث کی سند حسن ہے اور امید ہے کہ یہ صحیح ہوگی۔“

(الکامل في ضعفاء الرجال: 431/1)

✿ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ”جید الاسناد“ کہا ہے۔

(تهذيب التهذيب: 235/1)

✿ حافظ علائی رحمہ اللہ اس حدیث کو ”ثابت“ کہا ہے۔

(جامع التحصيل في أحكام المراسيل، ص 57)

✿ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ”حسن“ کہا ہے۔

(تذكرة الحفاظ: 11/1)

✿ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس کو ”حسن“ کہا ہے۔

(تفسير ابن كثير: 407/1)

اسماء بن حکم جمہور کے نزدیک ”حسن الحدیث“ ہے۔

**(سوال):** کیا پھانسی یا قتل کی نماز ثابت ہے؟

**(جواب):** حقیقی کامیابی خاتمہ بالخیر ہے، رب تعالیٰ سے اس کی توفیق بھی مانگتے رہنا

چاہیے، اس کے لیے ہر لمحہ سرگرداں رہنا چاہیے، موت اٹل حقیقت ہے، اس سے کسی کو مفر

نہیں، بڑے بڑے ظالم بھی بالآخر اس کے اہنی پنچوں سے بچ نہ سکے، اگر کسی مومن کو موت سے پہلے عبادت الہی کا موقع میسر آجائے، تو اس کے نصیبے کا کیا کہنا۔ اس موقع پر دو رکعت پڑھنا ثابت ہے۔ انہی دو رکعتوں کو قتل یا پھانسی کی نماز کہا جاتا ہے۔

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ بیان کرتے ہیں:

”سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ نے بدر والے دن حارث بن عامر کو قتل کیا تھا، سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ ان کے پاس قید میں رہے، مجھے عبید اللہ بن عیاض نے خبر دی کہ اسے حارث کی بیٹی نے بیان کیا کہ مشرکین سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کے لیے جمع ہوئے، تو انہوں نے غیر ضروری بال صاف کرنے کو مجھ سے استرا مانگا، میں نے انہیں استرا دے دیا، میری غفلت میں میرا بیٹا ان کے پاس چلا گیا، آپ رضی اللہ عنہ نے اسے پکڑ لیا، میں نے دیکھا، تو آپ اسے اپنی ران پر بٹھائے ہوئے تھے اور استرا ان کے ہاتھ میں تھا، میں اس قدر ڈر گئی کہ سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ میرے چہرے سے گھبراہٹ پہچان کر فرمانے لگے: گھبراؤ نہیں، میں آپ کے بیٹے کو قتل نہیں کروں گا۔ اللہ کی قسم! میں نے خبیب رضی اللہ عنہ سے بہتر قیدی کبھی نہیں دیکھا، اللہ کی قسم! ایک دن میں نے دیکھا کہ انگور کے خوشے ان کی ہاتھ میں ہیں اور وہ انگور کھا رہے ہیں، حالانکہ مکہ میں کوئی پھل نہ تھا اور خبیب لوہے میں جکڑے ہوئے تھے، وہ کہا کرتی تھیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا رزق تھا، جو اس نے کو دیا، مشرکین سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے لیے حرم سے نکلے، تو سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: دو رکعت ادا کرنے کا وقت دو، انہوں نے وقت دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے دو رکعتیں ادا کیں اور فرمایا، اگر مجھے ڈرنہ ہوتا کہ تم

مجھے ڈرپوک خیال کرو گے، تو میں انہیں لمبا کرتا، پھر آپ ﷺ کو حارث کے بیٹے نے شہید کر دیا، وہ سیدنا خضیب رضی اللہ عنہ تھے، جنہوں نے ہر اس مسلمان کے لیے دو رکعت کی سنت جاری کی، جسے باندھ کر شہید کیا جائے۔“

(صحیح البخاری: 3045)

**سوال:** کیا سزا میں سولی چڑھانا جائز ہے؟

**جواب:** سولی کی سزا دینا شرعاً جائز ہے، مگر یاد رہے کہ جس جرم کی سزا اور حد شریعت نے مقرر کر دی ہے، اس جرم میں وہی سزا دی جاسکتی ہے، کوئی دوسری نہیں، مثلاً اسلام نے شادی شدہ زانی کی سزا ”رجم“ مقرر کی ہے، تو اسے رجم ہی کیا جائے گا، کوئی دوسری سزا جیسے ”سولی دینا“ یا ”گولی سے مارنا“ وغیرہ جائز نہیں۔

**سوال:** جو مسلمان یہ عقیدہ رکھے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دے دی گئی تھی، تو اس کا

کیا حکم ہے؟

**جواب:** قرآن کریم نے واضح خبر دی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو سولی نہیں دی گئی، نہ انہیں قتل کیا گیا، نیز اس پر اجماع بھی ہے، تو اس نص قطععی کے بعد اگر کوئی عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دے جانے کا عقیدہ رکھے، تو یہ ”ارتداد“ ہے۔ ایسے شخص سے توبہ کرائی جائے گی، توبہ کر لے، تو درست، ورنہ مرتد ہو جائے گا، جس کی سزا قتل ہے۔

**سوال:** جو مسلمان اپنے گھر میں صلیب لگائے، تو اس کا کیا حکم ہے؟

**جواب:** صلیب نصاریٰ کا مذہبی شعار ہے، جس کے پیچھے ایک کفریہ عقیدہ پنہاں ہے، اگر کوئی مسلمان جان بوجھ کر صلیب نصب کرے، تو یہ کفر ہے، ایسے مسلمان کو روکا جائے گا اور توبہ کا کہا جائے گا، اگر باز آجائے، تو درست، ورنہ ارتداد لازم آئے گا۔

(سوال) بت بنا کر فروخت کرنا کیسا ہے؟

(جواب) ہندو وغیرہ بتوں کی پوجا کرتے ہیں، ان کی پوجا کے لیے ”صنم“ فروخت کرنا حرام ہے، بلکہ ان کے کفر و شرک پر معاونت ہے، اس کی قطعاً اجازت نہیں، بلکہ جو مسلمان ایسا کرے، اس پر کفر کا خطرہ ہے۔

✽ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾

(المائدة: 2)

”نیکی اور تقویٰ کے امور پر ایک دوسرے کی معاونت کیا کریں، گناہ اور ظلم کے کام پر کسی کا ہاتھ نہ بٹایا کریں۔“

(سوال) اُون کے کپڑے پہننا کیسا ہے؟

(جواب) اُون کے کپڑے بھیڑ کے بالوں سے تیار کیے جاتے ہیں، ان کا استعمال جائز ہے۔ احادیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔

✽ نبی کریم ﷺ نے اُون کا بنا ہوا جبہ زیب تن فرمایا۔

(صحیح البخاری: 5799)

(سوال) رمضان کے روزوں کی قضا کب دینی چاہیے؟

(جواب) جس کے رمضان کے روزے رہ جائیں، وہ رمضان گزرنے کے بعد اگلے رمضان سے پہلے پہلے جب چاہے، قضائی دے سکتا ہے۔ اس میں توسع ہے۔

✽ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ (البقرة: ۱۸۵)



”دوسرے دنوں میں (رمضان کے روزوں کی) گنتی پوری کر لیں۔“

✽ علامہ عبید اللہ مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ (۱۴۱۴ھ) اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

إِنَّهُ أَمْرٌ بِالْقَضَاءِ مُطْلَقًا عَنْ وَقْتٍ مُّعَيَّنٍ فَلَا يَجُوزُ تَقْيِيدُهُ بِبَعْضِ  
الْأَوْقَاتِ إِلَّا بِدَلِيلٍ .

”روزوں کی قضا کا بغیر کسی وقت معین کے، مطلق حکم دیا گیا ہے، لہذا اسے بغیر دلیل کے کسی وقت کے ساتھ خاص کرنا جائز نہیں۔“

(مِرْعَاةُ الْمَفَاتِيحِ : 23/7)

✽ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں:

كَانَ يَكُونُ عَلَيَّ الصَّوْمُ مِنْ رَمَضَانَ، فَمَا أَسْتَطِيعُ أَنْ أَقْضِيَ  
إِلَّا فِي شَعْبَانَ .

”مجھ پر رمضان کے روزوں کی قضا ہوتی، میں انہیں شعبان سے پہلے نہ رکھ سکتی تھی۔“

(صحيح البخاري: 1950، صحيح مسلم: 1146)

✽ حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ (۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

فِي تَأْخِيرِ عَائِشَةَ قَضَاءَ مَا عَلَيْهَا مِنْ صِيَامِ رَمَضَانَ دَلِيلٌ  
عَلَى التَّوَسُّعِ وَالرُّخْصَةِ فِي تَأْخِيرِ ذَلِكَ وَذَلِكَ دَلِيلٌ عَلَى  
أَنَّ شَعْبَانَ أَقْصَى الْغَايَةِ فِي ذَلِكَ .

”سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا رمضان کے روزوں کی قضا تاخیر سے دینا اس بات کی دلیل ہے کہ قضا میں وسعت ہے اور اس میں تاخیر جائز ہے، نیز یہ روایت دلیل ہے کہ اس بارے میں تاخیر کی انتہا ماہ شعبان ہے۔“

(التَّمْهِيدُ لِمَا فِي الْمُؤَطَّاءِ مِنَ الْمَعَانِي وَالْأَسَانِيدِ: 149/23)

**سوال:** روزے دار کے منہ میں آنسو کے ایک دو قطرے داخل ہو گئے، تو روزے کا کیا حکم ہے؟

**جواب:** روزہ باقی ہے۔

**سوال:** روزے کی حالت میں بیوی سے بوس و کنار کی اور انزال ہو گیا، تو کیا حکم ہے؟

**جواب:** اس صورت میں روزہ نہیں ٹوٹا۔

**سوال:** روزے دار نے منہ کھولا، تو اس کے منہ میں کوئی چیز داخل ہو کر حلق میں چلی

گئی، تو روزے کا کیا حکم ہے؟

**جواب:** روزہ برقرار ہے۔

**سوال:** مندرجہ ذیل حدیث کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَتَّخِذُوا الضَّيْعَةَ فِتْرَةً غَبَوْا فِي الدُّنْيَا .

”جاؤ اور دنیا کی فتنہ بنائیں، ورنہ آپ دنیا کے ہو کر رہ جائیں گے۔“

(سنن الترمذی: 2328، المستدرک للحاکم: 7910)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ”حسن“ اور امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے ”صحیح الاسناد“ کہا ہے۔ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ”صحیح“ کہا ہے۔

**جواب:** اس حدیث کی سند ”حسن“ ہے۔

**سوال:** نماز عشاء سے پہلے چار رکعت سنتیں ادا کرنا کیسا ہے؟

**جواب:** نماز عشاء سے پہلے چار رکعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے ثابت نہیں۔

❁ مفتی لقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

”البتہ اربع قبل العشاء کے ثبوت میں کوئی حدیث معروف کتب حدیث میں نہیں ملتی، تمام فقہائے حنفیہ «أَرْبَعَ قَبْلَ الْعِشَاءِ» کو سنن غیر روا تب میں بالالتزام ذکر کرتے ہیں، کبیری شرح منیۃ المصلیٰ میں دلیل کے طور پر یہ حدیث ذکر کی ہے کہ: مَنْ صَلَّى قَبْلَ الْعِشَاءِ أَرْبَعًا يَتَهَجَّدُ مِنْ لَيْلَتِهِ ..... الخ اور سنن سعید بن منصور کا حوالہ دیا ہے، لیکن علامہ بنوری نے معارف السنن (۱۱۵/۴) میں ثابت کیا ہے کہ یہاں صاحب کبیری کو تسامح ہوا ہے، اصل حدیث یوں ہے کہ «مَنْ صَلَّى قَبْلَ الظُّهْرِ أَرْبَعًا كَأَنَّمَا تَهَجَّدَ مِنْ لَيْلَتِهِ» لہذا اس سے استدلال درست نہیں۔“

(درس ترمذی: ۱۹۶/۲-۱۹۷)

❁ امام طبرانی رحمہ اللہ نے الاوسط (۲۵۴/۱۶، ج: ۶۳۳۲) میں سعید بن منصور

کی سند سے یہ الفاظ بیان کیے ہیں:

مَنْ صَلَّى قَبْلَ الظُّهْرِ ..... .

اس کی سند ”ضعیف“ ہے، ناہض بن سالم باہلی کی توثیق نہیں مل سکی۔

❁ الداریۃ لابن حجر میں غلطی سے مَنْ صَلَّى قَبْلَ الْعِشَاءِ ..... چھپ گیا

ہے، جس سے بعض لوگ خطا کھا گئے۔

یہ روایت: مَنْ صَلَّى قَبْلَ الْهَاجِرَةِ کے الفاظ سے بھی آئی ہے۔

(مسند الرویانی: 413، شعب الإیمان للبیہقی: 8935)

اس کی سند ”ضعیف“ ہے، منصور بن عبد اللہ (یا عبد الرحمن) کی توثیق نہیں مل سکی۔

✽ ✽ ————— ● ————— ● ————— ✽ ✽  
 جناب انور شاہ کشمیری صاحب لکھتے ہیں:

فِي الْأَرْبَعِ قَبْلَهُ ضَعِيفٌ .

”عشاء سے پہلے چار رکعت کے بارے میں روایت ضعیف ہے۔“

(العَرَفُ الشَّدِي 101/1)

جب اس روایت کا سرے سے وجود ہی نہیں، تو اس کے ضعیف ہونے کا کیا معنی؟

✽ علامہ یوسف بنوری (۱۳۹۷ھ) لکھتے ہیں:

”علامہ انور کشمیری کے اس قول: ’’عشاء سے پہلے اور بعد میں چار رکعت پڑھنی چاہئیں۔‘‘ سے استدلال کیا گیا ہے، میں نے سوچا کہ شاید حافظ قاسم بن قطلوبغا نے اپنی کتاب ’الاختیار‘ میں عشاء سے پہلے چار رکعت کے ثبوت میں حدیث پیش کی ہو، چنانچہ میں نے محدث شیخ ابوالوفا افغانی رئیس دائرہ احیاء المعارف نعمانیہ حیدرآباد دکن کو خط لکھا، ان کے پاس اس کتاب کے مخطوطہ کی فوٹو کاپی تھی۔ مقصد یہ تھا کہ وہ اس مقام سے کتاب کا مطالعہ کریں، اس مقام کی طرف رجوع کرنے کے بعد انہوں نے کہا: ہم نے کتاب میں اس مقام کو بیاض (خالی) پایا ہے، اس کا مطلب یہ تھا کہ حافظ قاسم بن قطلوبغا جیسے تبحر اور ماہر عالم اس مسئلہ میں کوئی حدیث نہیں جان سکے، یہ وہ شخصیت ہیں، جنہوں نے حافظ جمال زلیعی کی تالیف ’تخریج احادیث الہدایۃ‘ پر بطور استدراک ایک کتاب لکھی ہے، جس کا نام انہوں نے ’مُنِيَّةَ الْأَلَمَعِيِّ فِيْمَا فَاتَ مِنْ تَخْرِيجِ أَحَادِيثِ الْهَدَايَةِ لِلزَّيْلَعِيِّ‘ رکھا ہے، اس (علمی مقام) کے باوجود وہ اس مسئلہ پر کسی حدیث پر آگاہی حاصل نہیں کر سکے۔ دوسری

طرف حنیفوں کے کتابیں عشا سے پہلے چار رکعات کو مسنون کہنے میں ہمنوا ہیں، ہو سکتا ہے احناف کی دلیل ہمارے ائمہ کرام کی کتب مخطوطہ یا ضائع شدہ کتابوں میں ہو۔ واللہ اعلم۔“

(معارف السنن: 4/115)

قبل از عشا چار رکعات کو مسنون کہنا بے دلیل ہے۔

فائدہ نمبر: ①

✽ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كَانُوا يَسْتَحِبُّونَ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ قَبْلَ الْعِشَاءِ الْآخِرَةِ.

”صحابہ و تابعین عشا سے پہلے چار رکعت مستحب سمجھتے تھے۔“

(مختصر قیام اللیل لمحمد بن نصر المروزی، ص 58)

یہ قول بے سند ہونے کی وجہ سے ناقابل التفات ہے۔

فائدہ نمبر ②

نماز عشا سے پہلے تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضو کی دو، دو رکعت ادا کی جاسکتی ہیں۔

**(سوال):** نماز عاشوراء کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

**(جواب):** عاشوراء یعنی دس محرم کو عبادت کے لیے خاص کرنا بدعت ہے۔ صلاۃ

عاشوراء کی مشروعیت پر کوئی دلیل باسند صحیح ثابت نہیں، البتہ موضوع (من گھڑت) اور سخت

ضعیف روایات موجود ہیں۔

✽ شیخ الاسلام، ابن تیمیہ رضی اللہ عنہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

لَيْسَ فِي عَاشُورَاءَ حَدِيثٌ صَحِيحٌ غَيْرَ الصَّوْمِ، وَكَذَلِكَ مَا

يُرَوَّى فِي فَضْلِ صَلَوَاتِ مُعَيَّنَةٍ فِيهِ فَهَذَا كُلُّهُ كَذِبٌ مَوْضُوعٌ  
بِاتِّفَاقِ أَهْلِ الْمَعْرِفَةِ، وَلَمْ يَنْقُلْ هَذِهِ الْأَحَادِيثَ أَحَدٌ مِّنْ أُمَّةٍ  
أَهْلِ الْعِلْمِ فِي كُتُبِهِمْ.

”روزے کے علاوہ عاشوراء کے متعلق کوئی حدیث ثابت نہیں، اسی طرح اس ماہ کی مخصوص نمازوں کے بارے میں منقول روایات معرفت حدیث رکھنے والے محدثین کے نزدیک بالاتفاق جھوٹی اور من گھڑت ہیں، ائمہ محدثین میں سے کسی نے انہیں اپنی کتابوں میں نقل نہیں کیا۔“

(منهاج السنّة: 433/7)

**(سوال):** مندرجہ ذیل روایت کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

✽ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ وَسَّعَ عَلَيَّ يَوْمَ عَاشُورَاءَ وَسَّعَ اللَّهُ عَلَيْهِ فِي سَائِرِ سَنَّتِهِ.

”جس نے عاشوراء کے دن اپنے اہل و عیال پر وسعت کی، اللہ تعالیٰ اسے سارا سال وسعت عطا کر دے گا۔“

(المعجم الكبير للطبراني: 10007، شعب الإيمان للبيهقي: 3513)

**(جواب):** یہ جھوٹی روایت ہے۔

① ہيصم بن شدان سخت ضعیف ہے۔

② علی بن ابی طالب بزاز مجروح راوی ہے۔

③ أمّش کا معنی ہے۔

✽ حافظ ذہبی رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو من گھڑت قرار دیا ہے۔

(میزان الاعتدال: 3/158)

یہ حدیث دیگر صحابہ سے بھی مروی ہے، مگر وہ تمام سندیں بھی ضعیف ہیں۔

**(سوال):** زیر ناف بالوں کو کتنے دنوں میں صاف کرنا چاہیے؟

**(جواب):** مردوزن کی شرم گاہ اور اس کے گرد اُگنے والے بال زیر ناف کہلاتے ہیں، انہیں صاف کرنا فطرت ہے۔ طبی اعتبار سے کئی فوائد بھی ہیں، ان کی کم سے کم مدت مقرر نہیں، البتہ زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہے۔ چالیس دنوں سے تجاوز جائز نہیں۔

❁ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

وَقَّتَ لَنَا فِي قَصِّ الشَّارِبِ، وَتَقْلِيمِ الْأَطْفَارِ، وَنَتْفِ الْأَبِطِ،  
وَحَلْقِ الْعَانَةِ، أَنْ لَا نَتْرُكَ أَكْثَرَ مِنْ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً.

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لمبیں لینے، ناخن کاٹنے، بغل کے بال اکھاڑنے اور زیر ناف بال صاف کرنے کی آخری حد چالیس دن رکھی ہے کہ اس سے زیادہ تاخیر نہ کی جائے۔“

(صحیح مسلم: 258)

❁ فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے:

الْأَفْضَلُ أَنْ يُقْلَمَ أَطْفَارُهُ وَيُحْفَى شَارِبُهُ وَيَحْلَقَ عَانَتَهُ وَيَنْظِفَ  
بَدَنَهُ بِالْأَغْتِسَالِ فِي كُلِّ أُسْبُوعٍ مَرَّةً فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ فِيهِ كُلِّ  
خَمْسَةِ عَشَرَ يَوْمًا وَلَا يُعْذَرُ فِي تَرْكِهِ وَرَاءَ الْأَرْبَعِينَ ..... وَلَا  
عُذْرَ فِيمَا وَرَاءَ الْأَرْبَعِينَ وَيَسْتَحِقُّ الْوَعِيدَ.

”افضل یہ ہے کہ ہفتہ میں ایک دفعہ ناخن کاٹے جائیں، لمبیں لی جائیں، زیر

ناف بال صاف کئے جائیں اور غسل کیا جائے، اگر ایسا نہ کر پائے، تو پندرہ دن بعد کر لے، چالیس دن تک بھی اگر ایسا نہیں کرتا، تو عذر قبول نہیں، بلکہ وعید کا مستحق ٹھہرے گا۔“

(فتاویٰ عالمگیری: 1/357)

✿ علامہ ابن عابدین شامی حنفی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۵۲ھ) لکھتے ہیں:

كُرِّهَ تَرْكُهُ تَحْرِيْمًا وَلَا عُذْرَ فِيْمَا وَرَاءَ الْأَرْبَعِيْنَ وَيَسْتَحِقُّ الْوَعِيْدَ .  
”چالیس دن کے بعد بھی زیر ناف صاف نہ کرنا مکروہ تحریمی ہے، ایسا کرنے والا وعید کا مستحق ہو جاتا ہے۔“

(فتاویٰ شامی: 6/407)

**(سوال):** زیر ناف بال صاف کرنے کے لیے کریم کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

**(جواب):** زیر ناف بالوں کی صفائی کے لیے لوہے کا آلہ یا کریم کا استعمال کیا جائے، ٹریٹ والوں کا پاکی ریزر، جو خشک جلد پر استعمال ہوتا ہے، زیادہ بہتر ہے۔ مرد و عورت کے لئے یکساں مفید ہے۔ اس میں وقت بھی زیادہ صرف نہیں ہوتا۔ زخم لگنے کا اندیشہ بھی نہیں ہے، خصوصاً شوگر کے مریضوں یا بڑے پیٹ والوں کے لئے آسانی ہے۔ اس کا یہ فائدہ بھی ہے کہ جلد کا کلر بھی خراب نہیں ہوتا، کریموں میں ایسے کیمیکل ہوتے ہیں، جو جلد کو داغدار کر دیتے ہیں۔

✿ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

الْفِطْرَةُ خَمْسٌ، أَوْ خَمْسٌ مِّنَ الْفِطْرَةِ الْخِتَانُ، وَالْإِسْتِحْدَادُ،  
وَنَتْفُ الْإِبِطِ، وَتَقْلِيمُ الْأَظْفَارِ، وَقَصُّ الشَّارِبِ .



”پانچ چیزیں فطرت ہیں؛ ختنے کروانا، لوہے کا استعمال (زیر ناف کی صفائی کے لئے)، بغل کے بال اکھاڑنا، ناخن کاٹنا اور مونچھیں پست کرنا۔“

(صحیح البخاری: 5889، صحیح مسلم: 257)

**(سوال):** کیا عدت و فوات شوہر گزارنا فرض ہے؟

**(جواب):** بیوہ پر چار ماہ دس دن عدت و فوات شوہر گزارنا فرض ہے۔ قرآن کریم نے

عدت گزارنے کا حکم دیا ہے۔ بیوہ کو چاہیے کہ دوران عدت چادر چار دیواری میں رہے اور زیب و زینت نہ کرے، نیز آگے نکاح بھی نہیں کر سکتی۔

❁ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ يَتُوفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ

أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا

فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾ (البقرة: ۲۳۴)

”تم میں جو وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں، تو وہ عورتیں چار ماہ دس

تک عدت میں رہیں، جب وہ مقررہ مدت مکمل کر لیں، تو وہ عہدگی کے ساتھ جو

کریں، اس میں تم پر کوئی حرج نہیں اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بخوبی

واقف ہے۔“



## فتاویٰ امن پوری (قسط ۱۸۳)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

**(سوال):** مزاروں پر عرس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

**(جواب):** قبروں پر عرس اور میلوں کا انعقاد بدعت، حرام اور ناجائز ہے، یہ دراصل ہندوؤں کی نقالی ہے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی صریح نافرمانی، سلف صالحین کی مخالفت، حدود شرع سے تجاوز اور انہدامِ اسلام ہے۔ عقیدہ و عمل کی بہت سی خرابیاں اسی سے وابستہ ہیں۔ یہ قریب بہ شرک یا بے شمار بدعات و خرافات کا موجب ضرور ہے۔ اس سے مشرکانہ عقائد و اعمال پروان چڑھتے ہیں۔ اس فعل بد کو سند جواز دینا درحقیقت احکام شریعت کی کھلم کھلا توہین ہے۔

عرسوں اور میلوں کا اصل سبب جہالت اور غلو ہے۔ اس لیے یہ قبر کے متعلق فتنوں میں بڑا فتنہ ہے۔ شرک کے قلع قمع کے لیے اس سے اجتناب ضروری ہے۔ یہ وقت اور قیمتی مال کا ضیاع ہے۔

عرس اور میلوں میں جو کچھ ہوتا ہے، وہ کسی پر مخفی نہیں۔ ایک بدعت کی آڑ میں بیسیوں بدعات و خرافات اور لغویات و ہفتوات، بلکہ مشرکانہ عقائد و اعمال کا اس قدر بازار گرم ہوتا ہے کہ یہود و نصاریٰ بھی شرم جاتے ہیں۔ وہاں اکتساب فیض، طلب برکت اور استمداد کے لیے جایا جاتا ہے۔ سازوں میں خدا کی آواز سن رہے ہوتے ہیں، نعوذ باللہ! شراب طہور کی یاد میں شراب نوشی ہوتی ہے، بدکاری تک کر گزرتے ہیں۔ دلیل یہ دیتے ہیں کہ خدا کی

مشیت کے بغیر دنیا میں یہ تک حرکت نہیں کر سکتا۔ العیاذ باللہ!  
 نذرانے چڑھائے جاتے ہیں، صاحبِ قبر کے لیے تعظیمی سجدہ روا سمجھا جاتا ہے،  
 دوسرے یہ کہ اونچے اونچے گنبدوں، مقبروں کی شان و شوکت، دیواروں کی مینہ کاری اور  
 تابوت کے نقش و نگار کو دیکھ کر بھلا موت یاد آتی ہے؟

❁ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (1176ھ) لکھتے ہیں:

مِنْ أَعْظَمِ الْبِدَعِ مَا اخْتَرَعُوا فِي أَمْرِ الْقُبُورِ، وَاتَّخَذُوا عَيْدًا.  
 ”ان مشرکین نے سب سے بڑی بدعت قبروں کی صورت میں ایجاد کی ہے اور  
 ان قبروں پر میلے رچا لیے ہیں۔“

(تقیہات الہیہ، جلد 2 ص 64)

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (728ھ) لکھتے ہیں:

لَيْسَ الْإِعْتِقَادُ لِي وَلَا لِمَنْ هُوَ أَكْبَرُ مِنِّي؛ بَلِ الْإِعْتِقَادُ يُؤْخَذُ  
 عَنِ اللَّهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى وَرَسُولِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا  
 أَجْمَعَ عَلَيْهِ سَلَفُ الْأُمَّةِ، يُؤْخَذُ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ تَعَالَى، وَمِنْ  
 أَحَادِيثِ الْبُخَارِيِّ وَمُسْلِمٍ وَغَيْرِهِمَا مِنَ الْأَحَادِيثِ  
 الْمَعْرُوفَةِ وَمَا ثَبَتَ عَنْ سَلَفِ الْأُمَّةِ.

”عقیدہ نہ میرا اپنا ہے، نہ میرے کسی بڑے کا، بلکہ عقیدہ تو اللہ، اس کے  
 رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلاف امت کے اجماع سے اخذ کیا جاتا ہے، یعنی عقیدہ  
 کتاب اللہ، بخاری و مسلم وغیرہما کی صحیح احادیث اور اسلاف امت سے ثابت  
 شدہ (اجماعی) اقوال سے لیا جائے گا۔“

(مجموع الفتاویٰ: 203/3)

✿ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (774ھ) لکھتے ہیں:

إِنَّ الدِّينَ لَيْسَ بِالتَّحَلِّيِّ وَلَا بِالتَّمَنِّيِّ، وَلَيْسَ كُلُّ مَنْ ادَّعَى شَيْئًا حَصَلَ لَهُ بِمَجْرَدِ دَعْوَاهُ، وَلَا كُلُّ مَنْ قَالَ: إِنَّهُ هُوَ الْمُحِقُّ سُمِعَ قَوْلُهُ بِمَجْرَدِ ذَلِكَ، حَتَّى يَكُونَ لَهُ مِنَ اللَّهِ بُرْهَانٌ.

”دین محض تزئین و آرائش اور آرزو کا نام نہیں، ہر شخص جو دعویٰ کرے، اسے محض دعویٰ کی وجہ سے وہ چیز حاصل نہیں ہو جاتی، نہ ہی ہر شخص جو کہے، وہ صرف اس کے کہنے سے سچ بنتا ہے، سچ تب بنتا ہے، جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر دلیل ہو۔“ (تفسیر ابن کثیر: 2/380)

✿ علامہ برکوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”بت پرستی میں سب سے بڑا فتنہ قبر پرستوں کا ہے یہی بت پرستی کی جڑ ہے جیسا کہ سلف صالحین میں سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمۃ اللہ علیہم نے یہ بات کہی ہے، چنانچہ شیطان ایک ایسے آدمی کی قبر ان کے سامنے کرتا ہے جس کی وہ تعظیم کرتے ہیں، پھر اُسے معبد خانہ بنا دیتا ہے، بعد ازاں شیطان اپنے دوستوں کے ذہنوں میں ڈالتا ہے کہ جو ان کی عبادت کرنے، ان کی قبر کو میلہ، عرس گاہ اور معبد خانہ بنانے سے روکتا ہے، وہ ان کی گستاخی اور حق تلفی کرتا ہے، اس پر جاہل لوگ ایسے (حق گو) آدمی کو قتل کرنے، سزا دینے اور اس کی تکفیر کے درپے ہو جاتے ہیں، حالانکہ اس کا جرم صرف اتنا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ماننے کا حکم دیتا ہے اور اس سے روکتا ہے جس

سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے منع کیا ہے۔“

(زیارة القبور، ص 39)

ہم کہتے ہیں کہ قبروں پر میلوں کی دلیل تو کجا، اسے تو شریعت نے ممنوع و حرام ٹھہرایا ہے، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قُبُورًا، وَلَا تَجْعَلُوا قَبْرِی عِیدًا، وَصَلُّوا عَلَیَّ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِی حَیثُ كُنْتُمْ .

”گھروں کو قبرستان مت بنائیں، نہ ہی میری قبر کو میلہ گاہ بنانا، مجھ پر درود پڑھیں، آپ جہاں بھی ہو گے، آپ کا درود مجھ تک پہنچے گا۔“

(مسند الإمام أحمد: 2/368، سنن أبي داود: 2042، واللفظ له، وسنده حسن)

حافظ نووی رحمہ اللہ (الاذکار ص 106، خلاصة الاحكام 1/440) اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ

(فتح الباری 6/488) نے اس کی سند کو ”صحیح“ قرار دیا ہے۔

🌸 شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هَذَا إِسْنَادٌ حَسَنٌ، فَإِنَّ رِوَاةَهُ كُلَّهُمْ ثِقَاتٌ مَّشَاهِيرٌ .

”اس کی سند حسن ہے، اس کے تمام راوی مشہور ثقہ ہیں۔“

(اقتضاء الصراط المستقیم: 2/654)

اس حدیث میں قبروں پر میلے ٹھیلے لگانے کی واضح ممانعت ہے۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ (751ھ) لکھتے ہیں:

”بعض لوگ جو شرک میں عیسائیوں اور تحریف میں یہودیوں جیسے ہیں، انہوں

نے ان احادیث میں تحریف کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ان احادیث میں تو نبی ا

کرم ﷺ کی قبر لازم پکڑنے، اس پر اعتکاف کرنے، بار بار اس کی طرف جانے کا حکم ہے اور ممانعت یہ ہے کہ عید کی طرح سال کے سال جایا جائے، یعنی سال میں صرف ایک دو مرتبہ جانے سے منع کیا گیا ہے۔ گویا کہ آپ ﷺ یہ فرمانا چاہتے تھے کہ میری قبر کو اس عید کی طرح نہ بنانا جو سال بعد آتی ہے، بلکہ ہر وقت، ہر گھڑی اس کا قصد کرنا۔ حالانکہ ان احادیث کا یہ مطلب لینا اللہ تعالیٰ سے بغاوت اور اس کی مخالفت ہے۔ نیز یہ رسول اللہ ﷺ کی مراد کے خلاف ہے۔ اس سے حقائق بدلنے کی کوشش کی گئی ہے اور رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کی طرف تناقض کے ساتھ ساتھ تدریس و تلمیس کی نسبت ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل باطل کو تباہ و برباد کرے، وہ کہاں بہکے پھرتے ہیں! جو شخص لوگوں کو اپنی قبر کی طرف بہت زیادہ آنے، اسے لازم پکڑنے اور بار بار زیارت کا حکم یہ کہہ کر دیتا ہے کہ میری قبر کو میلہ گاہ نہ بنانا، وہ فصاحت و بلاغت کی بجائے تلمیس اور تناقض کے زیادہ قریب ہے، اگر یہ گستاخی نہیں تو پھر دنیا میں گستاخی کا وجود ہی نہیں، اس شخص کی طرح جو رسول اللہ ﷺ کے اعوان و انصار اور آپ ﷺ کی جماعت کو اپنی (شرک و بدعت اور باطل تاویل کی) بیماری اور مصیبت میں ملوث کرتا ہے اور خود بری الذمہ ہو جاتا ہے۔ کچھ شک نہیں کہ شرک کے بعد آپ ﷺ کے دین اور آپ ﷺ کی سنت کے بارے میں ایسے تاثرات کے اظہار سے ہر کبیرہ گناہ کم تر قباحت اور ہلکے عذاب والا ہے۔ سابقہ رسولوں کے ادیان بھی اسی طرح بدل دیے گئے تھے۔ اگر اللہ اپنے دین کے مددگار اور محافظ پیدا نہ کرتا جو اس سے تحریف کا

ازالہ کرتے ہیں، تو اسلام پر بھی وہی حالات آجاتے جو پہلے ادیان پر گزرے تھے۔ اگر رسول اللہ ﷺ کی مراد وہی ہوتی، جو یہ بیان کرتے ہیں، تو آپ ﷺ انبیائے کرام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنانے سے منع نہ فرماتے اور ایسا کرنے والوں پر لعنت در لعنت نہ فرماتے۔ جب آپ ﷺ قبروں پر مسجدیں بنانے، جن میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جاتی تھی، والوں پر لعنت کر رہے ہیں، تو کیسے ممکن ہے کہ آپ ﷺ قبروں کو لازم پکڑنے، ان پر اعتکاف کرنے اور ان پر بار بار آنے کا حکم دیں اور اس سے منع کریں کہ ان پر سال کے سال آکر میلہ گاہ نہ بنایا جائے؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ اپنے رب سے یہ دعا کریں کہ آپ کی قبر بت نہ بنے، جس کی عبادت کی جائے؟ اور پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ ﷺ کے بارے میں سب سے زیادہ جاننے والی شخصیت (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا) کہیں کہ آپ ﷺ کی قبر اسی لیے کھلی نہیں رکھی گئی کہ لوگوں کی طرف سے اسے سجدہ گاہ بنائے جانے کا ڈر تھا؟ اور پھر آپ ﷺ یہ کیسے فرما سکتے تھے کہ میری قبر کو میلہ گاہ نہ بنانا، بلکہ جہاں بھی ہونا، درود پڑھ دینا، آپ جہاں بھی ہو گے، درود مجھ تک (فرشتوں کے ذریعے) پہنچ جائے گا؟ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ بات آپ کے صحابہ اور آپ کے اہل بیت کی سمجھ میں نہ آئی، جو شرک و تحریف کو جمع کرنے والے گمراہوں کی سمجھ میں آئی ہے۔“

(اغاثۃ اللہفان من مصاید الشیطان، ص 192-193)

❁ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لَا تَجْعَلُوا زِيَارَةَ قَبْرِي عَيْدًا، أَقُولُ: هَذَا إِشَارَةٌ إِلَى سَدِّ مَدْخَلِ

التَّحْرِيفِ كَمَا فَعَلَ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى بِقُبُورِ أَنْبِيَائِهِمْ، وَجَعَلُوهَا عَيْدًا وَمَوْسِمًا بِمَنْزِلَةِ الْحَجِّ .

”میری قبر کی زیارت میلہ نہ بنا لینا۔ میں کہتا ہوں کہ اس حدیث میں یہود و نصاریٰ کی طرح اپنے انبیاء کی قبروں کو حج کا اجتماع یا تہوار بنانے کا دروازہ بند کرنے کی طرف اشارہ ہے۔“

(حُجَّةُ اللَّهِ الْبَالِغَةُ: 77/2)

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (728ھ) لکھتے ہیں:

فِي الْجُمْلَةِ هَذَا الَّذِي يُفَعَلُ عِنْدَ هَذِهِ الْقُبُورِ هُوَ بِعَيْنِهِ الَّذِي نَهَى عَنْهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَوْلِهِ: لَا تَتَّخِذُوا قَبْرِي عَيْدًا، فَإِنَّ اعْتِيَادَ قَصْدِ الْمَكَانِ الْمُعَيَّنِ فِي وَفْتٍ مُعَيَّنٍ عَائِدٌ بِعَوْدِ السَّنَةِ أَوْ الشَّهْرِ أَوْ الْأُسْبُوعِ هُوَ بِعَيْنِهِ مَعْنَى الْعِيدِ ثُمَّ يَنْهَى عَنْ دِقِّ ذَلِكَ وَجِلِّهِ .

”الحاصل ان قبروں پر جو کچھ ہو رہا ہے، وہ بعینہ وہی ہے، جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا تھا کہ میری قبر کو عید نہ بنانا۔ اعتیاد کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی خاص جگہ کا کسی معین وقت میں جو سال، مہینے یا ہفتے بعد لوٹ کر آئے، قصد کرنا۔ بالکل یہی معنی عید کا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے چھوٹے بڑے ہر کام سے منع فرما دیا ہے۔“

(اقتضاء الصَّراطِ الْمُسْتَقِيمِ، ص 257-258)

❁ نیز فرماتے ہیں:



”دلائل یوں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی قبر روئے زمین کی سب قبروں سے افضل ہے، آپ ﷺ نے اسے میلہ گاہ بنانے سے منع فرمایا ہے، تو دوسری سب قبریں خواہ کسی کی بھی ہوں، انہیں میلہ گاہ بنانے کی ممانعت بالاولیٰ ہو گی۔ پھر ایک دوسری حدیث پڑھیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے گھروں کو قبریں مت بناؤ، یعنی انہیں نماز، دعا اور قرأت سے خالی نہ کرو کہ وہ قبروں کی طرح ہو جائیں۔ یوں آپ ﷺ نے گھروں میں عبادت کا اور قبروں پر عبادت سے رکنے کا حکم دیا ہے، یہ فرمانِ نبوی اس طریقے کے خلاف ہے جسے عیسائی اور ان سے مشابہت کرنے والے لوگ اپنائے ہوئے ہیں۔“

(اقتضاء الصراط المستقیم، ص 172)

❁ علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”معنی یہ کہ آپ ﷺ کی قبر کی زیارت کے لیے عید کی طرح اجتماع منع ہے۔ یا تو مشقت ختم کرنے کے لیے ایسا فرمایا گیا ہے یا اس خدشہ سے کہ لوگ تعظیم کی حد سے گزر جائیں گے۔“

(فیض القدير، تحت الحديث: 5016)

❁ علامہ طبری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

نَهَاہُمْ عَنِ الْجَمَاعِ لَهَا اجْتِمَاعُهُمْ لِلْعِيدِ نَزْهَةً وَزِينَةً، وَكَانَتْ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى تَفْعَلُ ذَلِكَ بِقُبُورِ أَنْبِيَائِهِمْ، فَأَوْرَثَهُمُ الْعَمَلَةَ وَالْقَسْوَةَ.

”نبی کریم ﷺ نے اپنی قبر پر اس طرح جمع ہونے سے منع فرمایا، جس طرح

عید کے موقع پر سیر و تفریح اور زینت کے ساتھ جمع ہوا جاتا ہے۔ یہود و نصاریٰ انبیا کی قبروں پر ایسا کرتے تھے۔ اس چیز نے انہیں غافل اور سخت دل بنا دیا تھا۔“

(مِرْقَاة الْمَفَاتِيحِ لِلْقَارِي: 14/3)

❁ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ (751ھ) فرماتے ہیں:

”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پر مسجد بنانے سے منع فرمایا اور ایسا کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبریں پختہ بنانے، بلند کرنے، سجدہ گاہ بنانے، ان پر نماز ادا کرنے اور ان کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے اور ان پر چراغاں کرنے سے منع فرمایا ہے اور انہیں برابر کرنے کا حکم دیا ہے، انہیں میلہ گاہ بنانے اور ان کی طرف رختِ سفر باندھ کر جانے سے منع فرمایا ہے تاکہ یہ کام ان کی عبادت کرنے اور ان کی وجہ سے شرک کا ذریعہ نہ بن جائے۔ یہ کام سد ذرائع کے طور پر ایسا ارادہ کرنے والوں اور ارادہ نہ کرنے والوں، بلکہ اس کے خلاف ارادہ رکھنے والوں سب پر حرام ہے۔“

(إِعْلَامُ الْمُؤَقِّعِينَ: 151/3)

قبروں پر عرس کے رد میں ایک اور دلیل ملاحظہ ہو:

❁ سیدنا ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

نَذَرَ رَجُلٌ عَلَيَّ عَهْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ  
يَنْحَرُ بَبْوَآنَةَ، فَأَتَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ:  
إِنِّي نَذَرْتُ أَنْ أَنْحَرَ بَبْوَآنَةَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ: هَلْ كَانَ فِيهَا وَشْنٌ مِنْ أَوْثَانِ الْجَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ؟ قَالَ: لَا،

قَالَ : فَهَلْ كَانَ فِيهَا عِيدٌ مِنْ أَعْيَادِهِمْ؟ قَالَ : لَا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أَوْفِ بِنَذْرِكَ .

”ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کے عہد میں بوانہ نامی مقام پر اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی تھی، وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور اس بارے میں پوچھا، فرمایا: کیا اس جگہ کوئی بت تھا، جس کی عبادت کی جاتی تھی؟ عرض کیا: نہیں، فرمایا: کیا اس جگہ پر مشرکین کے میلوں میں سے کوئی میلہ تھا؟ عرض کیا: نہیں، فرمایا: اپنی نذر پوری کر لیں۔“

(سنن أبي داود: 3313، المعجم الكبير للطبراني: 1341، وسنده صحيح)

✿ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

إِسْنَادُهُ كُلُّهُمْ ثِقَاتٌ مَشَاهِيرٌ، وَهُوَ مُتَّصِلٌ بِلَا عَنَعَةَ .

”اس کے تمام راوی مشہور ثقہ ہیں اور یہ سند عنعنہ کے بغیر متصل ہے۔“

(اقتضاء الصراط المستقيم، ص 186)

✿ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ”صحیح“ قرار دیا ہے۔

(التلخیص الحبير: 198/4، بلوغ المرام، کتاب الأیمان والنذور)

✿ علامہ ابن عبد الہادی رحمہ اللہ (744ھ) لکھتے ہیں

”اس میں دلیل ہے کہ جس جگہ مشرکین کا میلہ لگتا ہو، اس جگہ کی تعظیم میں جانور ذبح کرنا اسی طرح ناجائز ہے، جس طرح بت کی تعظیم میں اس کے نزدیک ذبح کرنا۔ یہ سب شرک کی طرف جانے والے راستے بند کرنے اور توحید کی حفاظت و صیانت کے لیے ہے۔ جب آپ ﷺ نے قبر وغیرہ پر میلہ لگنے والی

جگہ پر جانور ذبح کرنے سے منع فرمایا ہے تو آپ ﷺ کا قبر کو عید گاہ اور میلہ بنانے سے منع کرنا بالاولیٰ ثابت ہوگا، کیونکہ قبر کو میلہ گاہ بنانے کے نقصانات میلہ گاہ پر جانور ذبح کرنے سے بہت زیادہ ہیں۔ یہ سب احادیث دلیل ہیں کہ قبروں کو ایسی چیزوں کے ساتھ خاص کرنا، جن سے ان پر آنا جانا زیادہ ہو، ان پر سجدہ کیا جائے، انہیں میلہ گاہ بنایا جائے، ان پر چراغاں کیا جائے، ان کے نزدیک جانوروں کو ذبح کیا جائے، حرام ہے۔ ان احادیث کے مقاصد اور ان کا مشترکہ مفہوم اس سے مخفی نہیں، جس نے خالص توحید کی خوشبو بھی سونگھی ہو۔ یہاں اس شخص کی تاویل کا بطلان بھی واضح ہو جاتا ہے، جو کہتا ہے کہ فرمان نبوی: ”میری قبر کو میلہ گاہ نہ بنانا۔“ کا مطلب یہ ہے کہ کم آنے جانے اور قصد کرنے کے سبب میری قبر کو عید نہ بناؤ، جو سال میں دو مرتبہ ہوتی ہے، بلکہ ہر وقت میری قبر کا قصد کرو، اس کی طرف آنے میں جلدی کرو اور دُور اور قریب سے اس کی طرف مسلسل آؤ، اس کام کو اپنی فطرت اور عادت بناؤ..... حالانکہ یہ مفہوم نبی اکرم ﷺ کے ان ارشادات کے خلاف ہے جو آپ نے اپنی قبر اور دوسری قبروں کے بارے فرمائے۔ یہ مفہوم ان چیزوں کی طرف ترغیب دیتا ہے جن سے آپ ﷺ نے اُمت کو منع فرمایا ہے اور خطرہ محسوس کیا ہے۔ یہ مفہوم آپ ﷺ کی مراد کے خلاف ہے، یہ بھی ہے کہ تاویل کرنے والے نے جو معنی بیان کیا ہے وہ اذہان میں تشریح کی بجائے اُلجھن پیدا کرتا ہے، ایسا کیوں نہ ہو کہ معروف احادیث اس مفہوم کے سخت خلاف ہیں، بلکہ یہ حدیث نبوی خود اس تاویل کو رد کرتی ہے، اس میں نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان

بھی ہے کہ آپ جہاں بھی ہو، مجھ پہ درود پڑھ دینا، پھر اگر (معاذ اللہ!) آپ ﷺ کی مراد یہی ہوتی، تو آپ ﷺ اسے قبروں کی طرف قصد کی ترغیب اور زیادہ آنے جانے کے واضح الفاظ میں بیان فرمادیتے، جیسا کہ آپ ﷺ نے مسجدوں کی طرف زیادہ آنے کی ترغیب دی ہے۔“

(الصَّارِمُ الْمُنْكَي فِي الرَّدِّ عَلَى السَّبْكِ ص 310)

**(سوال):** عرف کی کیا حیثیت ہے؟

**(جواب):** شریعت نے عرف کا لحاظ رکھا ہے، ہر علاقے کے عرف کا لحاظ رکھا جائے گا، البتہ جب شریعت کے مخالف ہو، تو عرف کا لحاظ نہیں رکھا جائے گا، بلکہ شرعی حکم مقدم ہوگا۔

❁ نبی کریم ﷺ عرف کا لحاظ رکھتے تھے۔

(صحیح البخاری : 126، صحیح مسلم : 1333)

**(سوال):** نماز عرفہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

**(جواب):** یوم عرفہ (نوذوالحجہ) کو خاص عبادت کی جاتی ہے، اس بارے میں بیان کی جانے والی تمام روایات غیر ثابت ہیں۔

**(سوال):** غسل خانے میں برہنہ ہو کر غسل کرنا کیسا ہے؟

**(جواب):** غسل خانے میں برہنہ ہو کر غسل کرنا جائز ہے۔

**(سوال):** عزل کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

**(جواب):** جمل کے ڈر سے مادہ تولید کو باہر خارج کرنا عزل کہلاتا ہے۔ عزل مباح اور جائز عمل ہے، عزل کے سلسلے میں متفرق روایات وارد ہوئی ہیں، بعض کا تعلق اس کے جواز سے ہے، بعض روایات سے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان میں عزل سے منع کیا گیا ہے،

لیکن اس ممانعت کا تعلق ایک خاص نوعیت سے ہے۔

**(سوال):** منصوبہ بندی کے لیے عزل کے علاوہ کوئی اور طریقہ اختیار کرنا کیسا ہے؟

**(جواب):** عزل منصوبہ بندی کا فطری طریقہ ہے۔ اس سے منصوبہ بندی کے غیر فطری

طریقوں سے بچا جاسکتا ہے۔

منصوبہ بندی کے لیے گولیوں کا استعمال یا انجکشن لگوا یا جاتا ہے۔ اس سے عورت کے ہارمونز خراب ہو جاتے ہیں، جن کی وجہ سے چھاتیوں میں دودھ کی نالیوں میں سوزش آ جاتی ہے۔ حیض بند ہونے کی وجہ سے عورت تبخیر اور چڑچڑاپن کا شکار ہو جاتی ہے، جو کچھ عرصہ کے بعد چھاتی کے کینسر کا سبب بن سکتا ہے۔

اسی طرح منصوبہ بندی کے لیے چھلا رکھوانے سے عورت کی اندام نہانی میں خارش شروع ہو جاتی ہے اور زخم بننے پر لیکوریا (سیلان رحم غفونی) شروع ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد بار بار پیشاب کی حاجت ہوتی ہے۔

منصوبہ بندی کے لیے condom کا استعمال بھی نقصان دہ ہے۔ اس سے عورت کی اندام نہانی میں خارش پیدا ہو جاتی ہے، جس سے عورت کی لذت ختم ہو جاتی ہے۔ عورت کے خاص حصے سے رطوبت خارج ہونا بند ہو جاتی ہے، جو عورت میں موٹاپے کا باعث بنتا ہے۔

**(سوال):** مندرجہ ذیل روایت کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

مَنْ هَاجَرَ يَبْتَغِي شَيْئًا فَهُوَ لَهُ، قَالَ : هَاجَرَ رَجُلٌ لِيَتَزَوَّجَ

امْرَأَةً يُقَالُ لَهَا : أُمُّ قَيْسٍ، وَكَانَ يُسَمِّي مَهَاجِرَ أُمَّ قَيْسٍ .

”جس نے جس نیت سے ہجرت کی، اس کے لیے وہی ہے۔ ایک شخص نے ام

قیس نامی عورت سے شادی کرنے کی نیت سے ہجرت کی، تو اسے ”مہاجر اُم قیس“ کہا جانے لگا۔“

(المعجم الكبير للطبراني: 8540، معرفة الصحابة لأبي نعیم: 3546/6)

**جواب:** سند ضعیف ہے۔ اعمش کا عنعنہ ہے۔

**سوال:** مندرجہ ذیل روایت کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كُلُّ أَمْرٍ ذِي بَالٍ، لَا يُبْدَأُ فِيهِ بِالْحَمْدِ، أَقْطَعُ.

”جس اہم کام کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد سے نہ کیا جائے، وہ ناقص رہتا ہے۔“

(سنن أبي داود: 4840، السنن الكبرى للنسائي: 10255، سنن ابن ماجه: 1894)

**جواب:** سند ضعیف ہے،

① زہری کا عنعنہ ہے۔

② قرہ بن عبد الرحمن جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔

(الآداب الشرعية لابن مفلح: 180/3، العرف الشذی للكاشميري: 289/1)

جہاں قرہ کی متابعت ہوئی ہے، وہ سند ثابت نہیں۔

بعض روایات میں یہ الفاظ بھی ہیں:

كُلُّ أَمْرٍ ذِي بَالٍ لَا يُبْدَأُ فِيهِ بِبِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ فَهُوَ أَقْطَعُ.

”جس اہم کام کا آغاز بسم اللہ الرحمن الرحیم سے نہ کیا جائے، وہ ناقص رہتا ہے۔“

(طبقات الشافعية للسبكي: 12/1)

اس کی سند بھی ضعیف ہے۔

① زہری کا عنعنہ ہے۔

② احمد بن محمد بن عمران جندی ”ضعیف“ ہے۔

نیز یہ روایت مضطرب ہے۔

(سوال): بچھو کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

(جواب): بچھو حرام ہے۔ یہ خباثت میں سے ہے، زہریلا ہے، اس کے قتل کا حکم دیا

گیا ہے۔

✽ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خَمْسٌ مِنَ الدَّوَابِّ لَا جُنَاحَ فِي قَتْلِهَا عَلَى مَنْ قَتَلَهَا فِي  
الْحَرَمِ وَالْإِحْرَامِ، وَقَالَ ابْنُ هَاشِمٍ: «فِي الْحِلِّ وَالْحَرَمِ  
الْفَأْرَةُ وَالْحِدَاةُ وَالْغُرَابُ وَالْعَقْرَبُ وَالْكَلْبُ الْعَقُورُ».

”پانچ جانور ایسے ہیں، جنہیں قتل کرنے میں کوئی گناہ نہیں، خواہ انہیں قتل  
کرنے والا حرم کے اندر ہو یا حالت احرام میں ہو۔ (۱) چوہیا (۲) چیل (۳)  
کوا (۴) بچھو (۵) کاٹنے والا کتا“

(صحیح البخاری: 1828، صحیح مسلم: 1199، المنتقى لابن الجارود: 440)

✽ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

بَيْنَمَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ يُصَلِّي  
فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَى الْأَرْضِ فَلَدَغَتْهُ عَقْرَبٌ، فَتَنَاوَلَهَا رَسُولُ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَعْلِهِ فَقَتَلَهَا، فَلَمَّا انْصَرَفَ، قَالَ:



أَخْرَى اللَّهُ الْعَرْبَ، مَا تَدْعُ مُصَلِّيًا وَلَا غَيْرَهُ وَلَا مُؤْمِنًا وَلَا  
غَيْرَهُ إِلَّا لَدَغْتَهُ، ثُمَّ دَعَا بِمِلْحٍ وَمَاءٍ فَجَعَلَهُ فِي إِنَاءٍ وَجَعَلَ  
يَصُبُّهُ عَلَى إِصْبَعِهِ حَيْثُ لَدَغْتَهُ وَيَمْسَحُهَا وَيَعُوذُهَا بِالْمَعُودَتَيْنِ .

’ایک رات رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے، آپ ﷺ نے زمین پر ہاتھ  
رکھا، تو پچھونے کا ٹ لیا، رسول اللہ ﷺ نے اسے جوتے سے مار دیا، نماز سے  
فارغ ہوئے، تو فرمایا: اللہ تعالیٰ پچھو کو برباد کرے، نماز کے اندر اور باہر، نبی اور  
غیر نبی ہر کسی کو کاٹ لیتا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے پانی اور نمک منگوا یا، اسے ایک  
برتن میں ڈالا اور انگلی کے جس حصہ پر پچھونے کا ٹا تھا، اس پر نمک والا پانی  
بہانے لگے، اسے ملنے لگے اور معوذتین کا دم کرنے لگے۔“

(مصنف ابن ابی شیبہ: 29801، المعجم الصغیر للطبرانی: 830، وسندہ صحیح)

**(سوال):** بعض صوفیا کہتے ہیں کہ جب انسان ”یقین“ کے درجہ پر پہنچ جاتا ہے، تو اس

سے عبادات ساقط ہو جاتی ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

**(جواب):** بعض گمراہ اور ملحد صوفیوں کا کہنا ہے کہ جب انسان مقام یقین کو عبور کر لے،

تو اس سے عبادات ساقط ہو جاتی ہیں اور وہ احکام شرعیہ کا پابند نہیں رہتا۔ وہ ”یقین“ کی  
تاویل معرفت الہیہ سے کرتے ہیں۔ یہ نظریہ ملحد اور زندیق صوفیا کا ہے۔ اپنے آپ کو  
عبادت سے بے نیاز سمجھنا شیطانی اور دجالی وسوسہ ہے۔ وہ اپنے نظریے پر مندرجہ ذیل  
آیت کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔

﴿وَأَعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ﴾ (الحجر: 99)

’اپنے تادم واپسین اپنے رب کی عبادت بجالائیے۔“

جبکہ تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ یہاں ”یقین“ سے مراد موت ہے۔

(مِرْقَاة الْمَفَاتِيحِ لِلْمَلَا عَلِي الْقَارِي: 61/1)

اللہ تعالیٰ جہنمیوں کا حال بیان کرتے ہیں:

﴿وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ ، حَتَّىٰ آتَانَا الْيَقِينَ﴾

(المدثر: 46-47)

” (اہل جہنم کہیں گے) ہم روز قیامت کو جھٹلاتے رہے، یہاں تک کہ ہمیں موت آگئی۔“

یہاں یقین موت کے معنی میں ہے۔

✽ شیخ الاسلام، ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

”گمراہ صوفیا کا ایک گروہ یہ سمجھتا ہے کہ عبادات کی غایت معرفت کا حصول محض ہے۔ تو جب معرفت حاصل ہو جائے، عبادات ساقط ہو جاتی ہیں۔ بعض نے

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو دلیل بنایا ہے: ﴿وَأَعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ

الْيَقِينَ﴾ (الحجر: 99) ”اللہ کی عبادت کریں، یہاں تک کہ یقین حاصل

ہو جائے۔“ صوفیا کہتے ہیں کہ یقین سے مراد معرفت ہے، لیکن یہ خطا ہے۔

مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے۔ اہل تفسیر وغیرہ بھی اس کو خطا کہتے۔ مسلمانوں

کا اس پر اجماع ہے کہ جب تک بندے کی عقل سلامت ہو، اس وقت تک

احکام پر عمل کرنا جیسا کہ پانچ نمازیں اور منہیات جیسا کہ ظلم اور فحش وغیرہ سے

رکے رہنا واجب ہے۔ نماز کسی سے ساقط نہیں ہوتی، سوائے حیض اور نفاس

والی خاتون کے یا اس شخص کے، جس کی عقل ہی زائل ہو چکی ہو..... تو اس

سے مقصود یہ ہے کہ پانچ نمازیں کسی سے ساقط نہیں ہوں گی، چاہے وہ صالح نیک، عالم اور بڑا ہی کیوں نہ ہو۔ اور یہ جو جاہل اسماعیلیوں، صوفیوں، نصیریوں اور ان کے متبعین نے سمجھ رکھا ہے کہ عارفین سے نماز ساقط ہو جاتی ہے، یا ان سے جو ایک خاص مقام کو پہنچ جائیں، یا ائمہ اسماعیلیہ اور ان کے بعض متبعین سے نماز ساقط ہو جاتی ہے۔ اسی طرح علوم عقلیہ کے ماہر سے بھی ساقط ہو جاتی ہے۔ یا پھر علم کلام کے ماہر سے اور کامل فلسفی سے نماز ساقط ہو جاتی ہے، تو یہ سب باطل باتیں ہیں، اس پر مسلمانوں کا اتفاق ہے۔

(درء تعارض العقل والنقل: 3/270-271)

علامہ ابن قیمؒ (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

”یہاں یقین سے مراد موت ہے اور اس پر مفسرین کا اجماع ہے۔ تو بندہ جب تک دارالتکلیف میں رہتا ہے، اس وقت عبادت سے چھٹی نہیں ملتی، بلکہ برزخ میں بھی اس پر ایک دوسری نوعیت عبادت فرض ہے، فرشتے اس سے سوال کریں گے کہ آپ کس کی عبادت کیا کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ وہ اس سے جواب چاہیں گے۔ اسی طرح قیامت میں ایک نوعیت کی عبادت ہوگی۔ اللہ اپنی تمام مخلوق کو سجدے کا کہے گا، سب مسلمان مومن سجدہ کریں گے لیکن کفار اور منافقین سجدہ نہیں کر پائیں گے۔ تو جب وہ دارثواب اور عقاب میں داخل ہو جائیں گے، پھر مکلف نہیں رہیں گے۔ تو جنت والوں کی عبادت تسبیح ہوگی، جو ان کی سانسوں سے نکلتی رہے گی، اس سے وہ مشکل کا شکار نہیں ہوں گے۔ جو شخص ایسا خیال کرتا ہے کہ وہ ایسے

مقام و مرتبے کو پہنچ گیا ہے، جس میں اس سے عبادت ساقط ہوگئی ہے تو وہ زندیق ہے، اللہ و رسول کے ساتھ کفر کرتا ہے۔ وہ اللہ کے ساتھ کفر کے مقام پر پہنچ گیا ہے اور دین سے نکل گیا ہے۔“

(مدارج السالکین: 1/117)

**سوال:** عمامہ پر مسح کا کیا حکم ہے؟

**جواب:** عمامہ پر مسح مسنون ہے۔

✽ سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَيَّ نَاصِيَتِهِ وَعَلَى الْعِمَامَةِ وَعَلَى الْخُفَّيْنِ .

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا، تو پیشانی کے بالوں، عمامہ اور موزوں پر مسح کیا۔“

(صحیح البخاری: 206، صحیح مسلم: 274)

**سوال:** عیادت کا کیا حکم ہے؟

**جواب:** مسلمان بیمار بھائی کی عیادت کرنا مسنون و مستحب ہے۔ یہ مسنون کے

مسلمہ حقوق میں سے ہے۔

✽ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ؛ رَدُّ السَّلَامِ، وَعِيَادَةُ الْمَرِيضِ، وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ، وَإِجَابَةُ الدَّعْوَةِ، وَتَشْمِيتُ الْعَاطِسِ .

”مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں، سلام کا جواب دینا، مریض کی عیادت کرنا، جنازہ میں شریک ہونا، دعوت قبول کرنا اور چھینک مارنے والے کو دوا دینا۔“

(صحیح البخاری: 1240؛ صحیح مسلم: 2162)

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سات چیزوں کا حکم دیا اور سات سے منع کیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازے کے ساتھ شریک ہونے، مریض کی عیادت کرنے، دعوت قبول کرنے، مظلوم کی مدد کرنے، قسم اٹھانے والے کی قسم پوری کرنے، سلام کا جواب دینے اور چھینک مارنے والے کا جواب دینے کا حکم دیا اور چاندی کے برتنوں، سونے کی انگوٹھی، ریشم، باریک ریشم، قسی کپڑے اور موٹے ریشم سے منع کیا ہے۔“

(صحیح البخاری: 1239؛ صحیح مسلم: 2066)

**سوال:** مریض کے پاس جا کر کیا کہنا چاہیے؟

**جواب:** مریض کی عیادت کو جائیں، تو اسے تسلی دیں، شفا یابی کی اُمید دلائیں، اللہ

تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلائیں اور بھرپور دعائیں دیں۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی بیمار کی

عیادت کو جاتے، تو فرماتے:

لَا بَأْسَ، طَهُورٌ إِنْ شَاءَ اللَّهُ.

”کوئی بات نہیں، ان شاء اللہ، یہ بیماری گناہوں سے پاکی کا باعث بنے گی۔“

(صحیح البخاری: 5656)



## فتاویٰ امن پوری (قسط ۱۸۴)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

**سوال:** عیدین کی نماز کب ادا کرنی چاہیے؟

**جواب:** عیدین کی نماز کا وقت طلوع آفتاب سے لے کر زوال سے پہلے تک رہتا

ہے، عیدین کو اول وقت میں ادا کرنا افضل ہے۔

**سوال:** عید کی نماز کہاں ادا کرنی چاہیے؟

**جواب:** مسنون یہ ہے کہ عید کی نماز آبادی سے باہر عید گاہ میں ادا کرنی چاہیے، البتہ

اگر مسجد میں ادا کر لی جائے، تو جائز ہے۔

**سوال:** کیا عیدین کا غسل مسنون ہے؟

**جواب:** عیدین کا غسل مستحب ہے۔

✽ زاذان ابو عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

سَأَلَ رَجُلٌ عَلِيًّا عَنِ الْغُسْلِ، قَالَ: اغْتَسِلْ كُلَّ يَوْمٍ إِنْ شِئْتَ،

فَقَالَ: لَا، الْغُسْلُ الَّذِي هُوَ الْغُسْلُ، قَالَ: يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَيَوْمَ

عَرَفَةَ، وَيَوْمَ النَّحْرِ، وَيَوْمَ الْفِطْرِ.

”ایک شخص نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے غسل کے بارے میں پوچھا، تو انہوں نے

فرمایا: چاہو تو ہر روز غسل کر لیا کرو۔ اس نے عرض کیا: نہیں، وہ غسل جو شرعی

غسل ہے۔ فرمایا: جمعہ کے دن، عرفہ کے دن، قربانی کے دن اور عید الفطر کے

دن۔ (السَّنَنِ الْكَبْرَىٰ لِلْبَيْهَقِيِّ: 278/3، وسندہ حسن)

❁ نافع رَضِيَ اللهُ عَنْهُ کا بیان ہے:

”سیدنا عبد اللہ بن عمر رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قربانی والے دن عید گاہ جانے سے پہلے غسل

فرماتے تھے۔“

(المَوْطَأُ لِلْإِمَامِ مَالِكٍ: 1/177، وسندہ صحیح)

**(سوال):** عید کی نماز میں تکبیرات زوائد کتنی ہیں؟

**(جواب):** عید کی نماز میں زوائد تکبیرات بارہ ہیں، سات پہلی رکعت میں اور پانچ

دوسری رکعت میں۔ تمام تکبیرات سورت فاتحہ کی قرأت سے پہلے کہی جائیں گی۔

❁ سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَبَّرَ فِي الْعِيدِ يَوْمَ الْفِطْرِ

سَبْعًا فِي الْأُولَىٰ وَخَمْسًا فِي الْآخِرَةِ سِوَىٰ تَكْبِيرَةِ الصَّلَاةِ .

”رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے عید الفطر کی نماز میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ پہلی رکعت میں

سات اور دوسری رکعت پانچ تکبیرات کہیں۔“

(مسند الإمام أحمد: 2/180، سنن أبي داود: 1151-1152، سنن ابن ماجه :

1278، وسندہ حسن)

اس حدیث کو امام ابن الجارود رَضِيَ اللهُ عَنْهُ (۲۶۲) نے ”صحیح“ قرار دیا ہے۔

❁ حافظ ابن حجر رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فرماتے ہیں:

صَحَّحَهُ أَحْمَدُ وَعَلِيُّ وَالْبُخَارِيُّ .

”اس حدیث کو امام احمد، امام علی ابن المدینی اور امام بخاری رحمہم اللہ نے ”صحیح“ قرار دیا ہے۔“

(التلخیص الحبیر: 84/2، ح: 691)

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قَدْ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنَّهُ كَبَّرَ فِي الْعِيدَيْنِ سَبْعًا فِي  
الْأُولَى وَخَمْسًا فِي الثَّانِيَةِ مِنْ طُرُقٍ كَثِيرَةٍ حَسَنًا .  
”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی حسن سندوں کے ساتھ مروی ہے کہ آپ نے عیدین کی  
پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ تکبیریں کہی۔“

(التمہید لما فی المؤطا من المعانی والأسانید: 37/16)

عبداللہ بن عبدالرحمن طائفی جمہور محدثین کے نزدیک ”مؤثق، حسن الحدیث“ ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هُوَ الْأَمْرُ عِنْدَنَا .

”ہمارا (اہل مدینہ کا) بھی یہی مذہب ہے۔“

(مؤطا الإمام مالك: 180/1)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أَنَا أَذْهَبُ إِلَى هَذَا .

”میرا بھی یہی مذہب ہے۔“

(مسند الإمام أحمد: 180/2، ح: 6688)

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:



الْعَمَلُ عَلَىٰ هَذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَغَيْرِهِمْ، ..... وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ الْمَدِينَةِ وَبِهِ يَقُولُ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، وَالشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ.

”بعض اہل علم صحابہ اور تابعین کا اسی پر عمل ہے۔..... اہل مدینہ کا بھی یہی مذہب ہے، نیز امام مالک بن انس، امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔“

(سنن الترمذی، تحت الحدیث: 536)

❁ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

التَّكْبِيرُ فِي الْعِيدَيْنِ سَبْعٌ وَخَمْسٌ.

”عیدین کی پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ تکبیریں ہیں۔“

(مصنف ابن أبي شيبة: 174/2، وسنده حسن)

❁ نافع مولیٰ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

شَهِدْتُ الْأَضْحَى وَالْفِطْرَ مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ فَكَبَّرَ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى سَبْعَ تَكْبِيرَاتٍ قَبْلَ الْقِرَاءَةِ، وَفِي الْآخِرَةِ خَمْسَ تَكْبِيرَاتٍ قَبْلَ الْقِرَاءَةِ.

”میں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ عید الاضحیٰ اور عید الفطر ادا کیں، آپ رضی اللہ عنہ نے پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے سات تکبیرات اور دوسری رکعت میں قرأت سے پہلے پانچ تکبیرات کہی۔“

(مؤطا الإمام مالك: 180/1، وسنده صحيح)

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

✽ عمار بن ابی عمار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ، كَبَّرَ فِي عِيدِ ثِنْتِي عَشْرَةَ تَكْبِيرَةً، سَبْعًا فِي الْأُولَى، وَخَمْسًا فِي الْآخِرَةِ.

”سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے عید کی نماز میں بارہ تکبیرات کہیں، یعنی سات پہلی رکعت میں اور پانچ دوسری میں۔“

(مصنف ابن ابی شیبہ : 176/2، أحكام العیدین للفریابی : 130-126، وسندہ

صحیح، له شواهد كثيرة)

فائدہ:

✽ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے چھ تکبیرات بھی ثابت ہیں۔

(مصنف عبد الرزاق : 5689، ومصنف ابن ابی شیبہ : 173/2، وسندہ صحیح)

✽ ولید بن مسلم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

قُلْتُ لِلأَوْزَاعِيِّ: كَمْ يَكْبُرُ فِي صَلَاةِ الْعِيدِ؟ فَقَالَ: سَبْعَ وَخَمْسَ، سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ يَقُولُ: إِنَّ السُّنَّةَ مَضَتْ فِي صَلَاةِ الْعِيدِ أَنْ يُكْبَرَ سَبْعَ تَكْبِيرَاتٍ فِي الْأُولَى ثُمَّ يَقْرَأُ، ثُمَّ يَكْبُرُ فَيَرْكَعُ، ثُمَّ يَسْجُدُ، ثُمَّ يَقُومُ فَيَكْبُرُ خَمْسًا، ثُمَّ يَقْرَأُ فَيَكْبُرُ وَيَسْجُدُ.

”میں نے امام اوزاعی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: نماز عید میں کتنی تکبیرات کہی جائیں

گی؟ فرمایا: سات اور پانچ۔ میں نے امام زہری رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا:

بے شک نماز عید میں سنت یہ ہے کہ (ہر نمازی) پہلی رکعت میں سات تکبیرات کہے، پھر قرأت کرے اور پھر تکبیر کہہ کر رکوع کرے، پھر (دوسری رکعت کے

(لیے) کھڑا ہو اور پانچ تکبیرات کہے، پھر قرأت کرے اور تکبیر کہے (رکوع کرے) اور سجدہ کرے۔“

(أحكام العیدین للفریابی: 107، وسندہ حسن)

✽ عمرو بن مہاجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ، كَانَ يُكَبِّرُ يَوْمَ الْأَضْحَى وَالْفِطْرِ سَبْعًا وَخَمْسًا، يَبْدَأُ بِالتَّكْبِيرِ قَبْلَ الْقِرَاءَةِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ جَمِيعًا.  
”امام عمر بن عبد العزیز عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی نماز میں سات اور پانچ تکبیرات کہا کرتے تھے، دونوں رکعتوں میں قرأت سے پہلے ہی تکبیرات کہا کرتے تھے۔“

(أحكام العیدین للفریابی: 116، وسندہ حسن)

✽ عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

صَلَّى بِنَا أَمِيرِ الْأَمْرَاءِ فِي يَوْمِ عِيدٍ، فَالْتَفَتَ إِلَى عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ فَسَأَلَهُ عَنِ التَّكْبِيرِ فَقَالَ: كَبَّرَ سَبْعًا فِي الْأُولَى، وَخَمْسًا فِي الْآخِرَةِ، وَخَالَفَ بَيْنَ الْقِرَاءَتَيْنِ، قَالَ عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ: هَذِهِ السَّنَةُ عِنْدَنَا، وَقَالَ وَهَيْبٌ: قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ: هَذِهِ السَّنَةُ عِنْدَنَا.

”ہمیں امیر الامرانے عید کی نماز پڑھائی، امیر نے عبید اللہ بن عبد اللہ بن عمر کی طرف دیکھا اور تکبیرات کے متعلق پوچھا، تو امام عبید اللہ بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پہلی رکعت میں سات تکبیریں کہیں اور دوسری میں پانچ، نیز دونوں

رکعتوں میں قرأت سے پہلے تکبیرات کہیں۔ راوی عبید اللہ بن عمر عمری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہمارے ہاں یہی عمل رائج ہے۔ راوی حدیث وہیب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: یحییٰ بن سعید انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہمارا اسی طریقہ پر عمل ہے۔“

(أحكام العیدین للفریابی: 119، وسندہ صحیح)

✽ سالم بن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كَبَّرَ سَبْعًا فِي الْأُولَى، وَاقْرَأَ فِيهَا بِسَبْحِ اسْمِ رَبِّكَ الْأَعْلَى  
وَكَبَّرَ فِي الْآخِرَةِ خَمْسًا.

”پہلی رکعت میں سات تکبیریں کہیں اور سورت اعلیٰ کی قرأت کریں اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں کہیں۔“

(أحكام العیدین للفریابی: 121، وسندہ صحیح)

✽ برد بن سنان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ مَكْحُولٌ يَقُولُ فِي الصَّلَاةِ فِي الْعِيدَيْنِ، يُكَبِّرُ سَبْعَ  
تَكْبِيرَاتٍ، ثُمَّ يَقْرَأُ، ثُمَّ يُكَبِّرُ خَمْسَ تَكْبِيرَاتٍ، ثُمَّ يَقْرَأُ.

”امام کھول رضی اللہ عنہ نماز عیدین (کی پہلی رکعت) میں سات تکبیریں کہتے، پھر قرأت کرتے، پھر (دوسری رکعت میں) پانچ تکبیریں کہتے اور قرأت کرتے۔“

(أحكام العیدین للفریابی: 122، وسندہ حسن)

فائدہ:

عیدین میں چھ تکبیرات بھی ثابت ہیں۔

(شرح معانی الآثار للطحاوی: 4/345، وسندہ حسن)

**سوال:** عیدین سے پہلے نوافل کا کیا حکم ہے؟

**جواب:** عیدین سے پہلے نوافل نہیں۔

**سوال:** چاند رات کی نماز کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟

**جواب:** عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی رات عبادت کے ساتھ خاص کرنا ثابت نہیں، بلکہ

بدعت ہے۔ اس بارے میں پیش کردہ تمام روایات ضعیف و ناقابل احتجاج ہیں۔

**سوال:** کیا ڈوب کرفوت ہونے والا شہید ہے؟

**جواب:** ڈوب کرفوت ہونے والا حکمی شہید ہے۔

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الشُّهَدَاءُ خَمْسَةٌ، الْمَطْعُونُ، وَالْمَبْطُونُ، وَالْغَرِيقُ، وَصَاحِبُ  
الْهَدْمِ، وَالشَّهِيدُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ.

”شہید پانچ قسم کے ہیں: ① طاعون سے فوت ہونے والا ② پیٹ کے مرض میں مبتلا ہو کر فوت ہونے والا ③ ڈوب کرفوت ہو جانے والا ④ دب کرفوت ہو جانے والا ⑤ اللہ کی راہ میں کٹ جانے والا۔“

(صحیح البخاری: 2829، صحیح مسلم: 1914)

**سوال:** غزوہ ہند کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

**جواب:** سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عِصَابَتَانِ مِنْ أُمَّتِي أَحْرَزَهُمَا اللَّهُ مِنَ النَّارِ، عِصَابَةُ تَغْزُو  
الْهِنْدَ وَعِصَابَةُ مَعَ عَيْسَى بْنِ مَرْيَمَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ.

”میری امت کے دو گروہوں کو اللہ تعالیٰ جہنم سے محفوظ رکھے گا، ایک وہ، جو

غزوہ ہند کرے گا اور دوسرا، جو سیدنا عیسیٰ ﷺ کے ساتھ مل کر (دجال کے خلاف) جہاد کرے گا۔“

(التاریخ الكبير للبخاري: 6/73، الجهاد لابن أبي عاصم: 288، وسنده حسن)  
ہند و سبع و عریض رقبہ پر پھیلا ہوا ہے، جس میں بھارت، پاکستان اور افغانستان وغیرہ شامل ہیں۔ جب کبھی بھارت اور پاکستان کے حالات میں کشیدگی آتی ہے، تو یہ حدیث ان حالات پر چسپاں کر دی جاتی ہے۔ یہ حدیث کی معنوی تحریف ہے۔  
غزوہ ہند کے حوالے سے شارحین حدیث نے کچھ واضح نہیں کیا، البتہ بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ غزوہ ہند بنو امیہ کے دور میں ہو چکا ہے۔

رہا مسئلہ عیسیٰ ﷺ کے جہاد کا، تو وہ قرب قیامت دجال کے خلاف ہوگا۔  
اس حدیث میں جن دو غزوات کا ذکر ہے، وہ تلواروں اور نیزوں سے لڑے جائیں گے، نہ کہ توپوں اور ٹینکوں سے۔

✽ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

يُرِيهِمْ دَمَهُ فِي حَرَبَتِهِ .

”اللہ تعالیٰ عیسیٰ ﷺ کے نیزے پر دجال کا خون لوگوں کو دکھائے گا۔“

(صحیح مسلم: 2897)

**(سوال):** گانے کا کیا حکم ہے؟

**(جواب):** گانے میں شہوانی جذبات اُبھریں یا آلات موسیقی کے ساتھ گایا جائے یا گانے والی عورت ہو، تو گانا گانا اور سننا حرام ہے۔ البتہ اگر فحش گانا نہ ہو، آلات موسیقی کا استعمال نہ ہو، تو گانا گایا یا سنا جاسکتا ہے۔

❁ نبی کریم ﷺ کے سامنے عید کے موقع پر انصار کی دو بچیوں نے گیت گائے، بلکہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے روکنا چاہا، تو نبی کریم ﷺ نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: انہیں گانے دیجئے، ہر قوم کا (مذہبی) تہوار ہوتا ہے، آج ہمارا تہوار ہے۔

(صحیح البخاری: 952، صحیح مسلم: 892)

اسی طرح اچھے اشعار ترنم اور خوش آوازی کے ساتھ پڑھے یا سنے جاسکتے ہیں۔

❁ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيدٌ يُقَالُ لَهُ أَنْجَشَةُ، وَكَانَ حَسَنَ الصَّوْتِ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: رَوَيْدَكَ يَا أَنْجَشَةُ، لَا تَكْسِرِ الْقَوَارِيرَ.

”نبی کریم ﷺ کا ایک حدی خواں تھا، جس کا نام انجشہ تھا، اس کی خوبصورت آواز تھی۔ نبی کریم ﷺ نے اس سے فرمایا: انجشہ! خیال سے، (اپنے اشعار سے) شیشیاں (کجاؤں میں موجود کمزور عورتوں کو) توڑ نہ دینا۔“

(صحیح البخاری: 6211، صحیح مسلم: 2323)

انجشہ مخصوص اشعار ترنم کے ساتھ پڑھتے تھے، جنہیں سن کر اونٹ تیز چلتے تھے، نبی کریم ﷺ نے کمزور عورتوں کا خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ ان شیشی نما کمزور خواتین کو چور چور نہ کر دینا، ذرا اشعار نرمی سے پڑھیے، تاکہ اونٹ زیادہ تیز نہ چلیں۔

آلات موسیقی بالاجماع ممنوع و حرام ہیں، کسی دین میں جائز نہیں رہے۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ

اللَّهُ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿٦﴾

(لقمان: 6)

”بعض لوگ آلات موسیقی کے شوقین ہیں، تا کہ بغیر علم کے اللہ کے رستے سے بھٹکائیں اور اس کی آیات سے ٹھٹھا اور مذاق کریں، ان کے لئے رسوا کن عذاب ہے۔“

❁ سیدنا ابوما لک اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:  
”میری امت کے کچھ لوگ زنا، (مردوں کے لیے) ریشم، شراب اور آلات موسیقی کو حلال سمجھیں گے۔“

(صحیح البخاری: 5590)

❁ علامہ غانم بن محمد حنفی رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۳۰ھ) فرماتے ہیں:  
إِنَّهَا كَبِيرَةٌ فِي الْأَدْيَانِ كُلِّهَا.  
”آلات موسیقی تمام ادیان میں کبیرہ گناہ ہیں۔“

(مجمع الضمانات، ص 132)

❁ فقہ حنفی کی معتبر ترین کتاب میں ہے:  
”سماع، قوالی اور رقص، جو ہمارے زمانے کے صوفیا کرتے ہیں، حرام ہیں، ان مجلسوں اور محفلوں میں جانا اور ان میں بیٹھنا جائز نہیں۔ قوالی، گانا اور موسیقی کا حکم ایک ہے۔“

(فتاویٰ عالمگیری: 352/5، فتاویٰ شامی: 349/6)

❁ علامہ ہسکلی حنفی (۱۰۸۸ھ) لکھتے ہیں:



إِنَّ الْمَلَاهِيَّ كُلَّهَا حَرَامٌ.

”گانے بجانے کے تمام آلات حرام ہیں۔“

(الدرّ المُختار، ص 652)

**سوال:** کیا مصافحہ کرنا مسنون ہے؟

**جواب:** امت کا اجماع ہے کہ ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا سنت ہے۔

❁ قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا:  
 أَكَانَتْ الْمُصَافِحَةُ فِي أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟  
 قَالَ: نَعَمْ.

”کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں مصافحہ (پر عمل) تھا؟ تو فرمایا: جی ہاں!“

(صحیح البخاری: 6263)

❁ سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ والی حدیث جس میں ان کی توبہ کا ذکر ہے، مروی ہے، فرماتے ہیں: سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ دوڑتے ہوئے میرے پاس آئے، مجھ سے مصافحہ کیا، مجھے مبارک باد پیش کی اور خوشخبری دی۔

(صحیح البخاری: 4418؛ صحیح مسلم: 2769)

❁ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

”جب اہل یمن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آپ کے ہاں اہل یمن آرہے ہیں، یہ سب سے بڑھ کر نرم طبیعت لوگ ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں، جو سب سے پہلے مصافحہ لے کر آئے۔ (یعنی مصافحہ والی مبارک سنت ان سے جاری ہوئی)۔“

(مسند الإمام أحمد: 212/3، سنن أبي داود: 2013، وسنده صحيح)

مسند الامام احمد (212/3) میں اس کے قائل سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔

**(سوال):** قضائے حاجت کے لیے قبلہ کی طرف رخ کرنا کیسا ہے؟

**(جواب):** قبلہ رخ ہو کر پیشاب کرنے کا جواز اس صورت میں ہے، جب سامنے کوئی

اوٹ، دیوار یا پردہ وغیرہ حائل ہو۔ اس مسئلہ میں مختلف احادیث وارد ہیں۔ اکثر محدثین

قبلہ کی طرف کر کے پیشاب کرنے کے بارے میں ممانعت والی روایات کو فضا اور صحرا پر

محمول کرتے ہیں کہ پردہ یا اوٹ ہو، تو جائز ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ نہی کراہت تنزیہی پر

محمول ہو، کیوں کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قبلہ کی طرف منہ کر کے پیشاب کرنا ثابت ہے۔

✽ شارح صحیح مسلم حافظ نووی رحمۃ اللہ علیہ (۶۷۶ھ) اس مسئلہ میں مذہبِ علماء ذکر

کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”جو احادیث قبلہ رخ پیشاب کرنے کی ممانعت میں آئیں ہیں، انہیں صحرا پر

محمول کریں گے اور یہ بات علمائے کرام کے ہاں طے ہے کہ جب جمع و تطبیق

ممکن ہو، ترجیح پر عمل نہیں کیا جاسکتا، بل کہ جمع و توفیق اور تمام احادیث پر عمل

واجب ہوگا۔ اس مسئلہ میں جمع و توفیق ممکن ہے، لہذا اسی پر عمل کیا جائے گا۔

علمائے کرام نے صحرا اور عمارتوں میں اس لحاظ سے بھی فرق کیا ہے کہ عمارتوں

میں قبلہ رخ نہ ہونے کا کہا جائے تو اس سے مشقت لاحق ہوگی، جب کہ صحرا

میں ایسا کچھ نہیں ہے۔“

(شرح صحیح مسلم: 155/3)

✽ شارح بخاری، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ (۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

بِالتَّفْرِيقِ بَيْنَ الْبُنْيَانِ وَالصَّحْرَاءِ مُطْلَقًا قَالَ الْجُمْهُورُ وَهُوَ  
مَذْهَبُ مَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ وَإِسْحَاقَ وَهُوَ أَعْدَلُ الْقَوَالِ لِإِعْمَالِهِ  
جَمِيعَ الْأَدِلَّةِ .

”پیشاب کرتے وقت قبلہ رخ ہونے کے حوالے سے عمارت اور صحرا میں فرق  
جمہور کا موقف ہے۔ امام مالک، شافعی اور اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ کا یہی  
مذہب ہے۔ نیز تمام دلائل پر عمل اسی صورت میں ممکن ہے۔“

(فتح الباری: 1/246)

**(سوال)** نفل نماز میں استقبال قبلہ کا حکم کیا ہے؟

**(جواب)** نفل نماز اگر سواری پر ادا کی جائے، تو استقبال قبلہ واجب نہیں، بلکہ سواری کا  
رخ جدھر بھی ہو، جائز ہے اور اگر نفل نماز سواری کے علاوہ زمین پر ادا کی جائے، تو اس کے  
لیے استقبال قبلہ واجب ہے، جان بوجھ کر استقبال قبلہ ترک کرنا جائز نہیں۔

**(سوال)** قدریہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

**(جواب)** گمراہ اور باطل فرقوں میں سے ایک ”قدریہ“ ہے۔ یہ تقدیر کے منکر ہیں۔  
ان کا نظریہ ہے کہ انسان اپنے اعمال میں کامل قدرت رکھتا ہے، گویا انسان کوئی برائی کرنا  
چاہے، تو اللہ تعالیٰ اسے نہیں روک سکتا، یا وہ اچھائی کرے، تو اپنی کامل قدرت سے کرتا ہے،  
اس میں اللہ تعالیٰ کی مشیت شامل نہیں۔ وغیرہ وغیرہ

یہ گمراہی پر مبنی نظریہ ہے۔ تقدیر کا انکار کفر ہے، یہ ارکان ایمان میں سے ہے۔

❁ میمون بن مہران رحمہم اللہ فرماتے ہیں:

ثَلَاثٌ أَرْفُضُوهُنَّ : سَبُّ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ، وَالنَّظْرُ فِي النُّجُومِ، وَالنَّظْرُ فِي الْقَدْرِ .  
 ”تین کام چھوڑ دیجئے، اصحاب محمد ﷺ کو برا بھلا کہنا، ستاروں میں غور و فکر  
 اور تقدیر میں غور و خوض۔“

(فضائل الصحابة لأحمد بن حنبل: 19، وسندہ حسن)

❁ زید بن اسلم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مَنْ كَذَّبَ بِالْقَدْرِ، فَقَدْ جَحَدَ قُدْرَةَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ .  
 ”جس نے تقدیر کو جھٹلایا، اس نے اللہ کی قدرت کا انکار کر دیا۔“

(القدر للفریابی: 207، وسندہ حسن)

❁ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

”میں امام ابن سیرین رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، آپ نے مجھ سے پوچھا: لوگ تقدیر  
 کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ مجھ سے کوئی جواب نہ بن پایا، آپ نے زمین  
 سے کچھ اٹھایا اور فرمایا: میں اپنی بات پر اتنا بھی نہیں چاہتا۔ اللہ تعالیٰ جب کسی  
 بندے سے کوئی بھلائی کا ارادہ کرتا ہے، تو اسے اپنی طاقت اور رضا والے  
 کاموں کی توفیق دیتا ہے اور جب کسی بندے سے کوئی اور ارادہ کرتا ہے، تو اس  
 پر حجت قائم کر کے عذاب سے دوچار کرتا دیتا ہے اور اللہ ظالم بھی نہیں ہوتا۔“

(القدر للفریابی: 411، وسندہ حسن)

سوال: بندر کے جھوٹے کا کیا حکم ہے؟

جواب: بندر کا جھوٹا ناپاک ہے، کیونکہ بندر حرام درندہ ہے۔

سوال: قرض لینے کا کیا حکم ہے؟

(جواب): جائز ضرورت کے لیے قرض لینا مباح ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ بھی قرض لے لیا کرتے تھے۔ نیز قرض کے غلبہ سے پناہ مانگا کرتے تھے۔

✽ رسول اللہ ﷺ جن چیزوں سے پناہ طلب کرتے، ان میں یہ بھی تھا:

..... ضَلَعَ الدَّيْنُ ، وَغَلَبَةَ الرَّجَالَ .

”قرض کے بوجھ اور لوگوں کے غلبہ سے پناہ چاہتا ہوں۔“

(صحيح البخاري: 2893)

(سوال): مقروض کو مہلت دینے کیا فضیلت ہے؟

(جواب): سیدنا ابوقتاہبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ نَفَسَ عَنْ غَرِيمِهِ ، أَوْ مَحَا عَنْهُ ، كَانَ فِي ظِلِّ الْعَرْشِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ .

”مقروض سے نرمی برتنے یا اس کا قرض معاف کر دینے والا روز قیامت عرش کے سائے میں ہوگا۔“

(سنن الدارمي: 2631، وسندہ حسن)

(سوال): کیا اللہ تعالیٰ کے لیے ”مکر“ کی صفت ثابت ہے؟

(جواب): اللہ تعالیٰ کے لیے ”مکر“ کی صفت ثابت ہے۔

✽ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَكْرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ﴾ (آل عمران: ۵۴)

”ان کفار نے مکر کیا اور اللہ نے بھی مکر کیا، اللہ تعالیٰ سب سے بڑھ کر مکر کرنے والا ہے۔“

نیز فرمایا:

﴿إِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْدًا \* وَأَكِيدُ كَيْدًا﴾ (الطَّارِق: ۱۵-۱۶)

”وہ کید و مکر کر رہے ہیں، میں بھی کید و مکر کر رہا ہوں۔“

یاد رہے کہ یہ صفات (مکر و کید) اللہ تعالیٰ کے لیے حقیقتاً ثابت ہیں، لیکن اللہ نے صرف انہیں مقابلتا ثابت کیا ہے، لہذا ان کو مطلق طور پر ثابت کرنا درست نہیں، نہ ہی ان سے اللہ کا نام مشتق کیا جاسکتا ہے، ایسا کرنے والا سخت گناہ گار ہے، کیونکہ یہ افعال مطلق طور پر قابل تعریف نہیں ہیں، بلکہ صرف حق و عدل کے قیام اور ظلم و جور کے خاتمے کے لیے قابل مدح ہیں۔

✿ حسن بصری رضی اللہ عنہ فرمان باری تعالیٰ: ﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ﴾ (النساء: ۱۴۲) ”منافق اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں اور اللہ ان کو دھوکا دے گا۔“ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”مومن اور منافق دونوں کو روز قیامت نور دیا جائے گا، جس کی روشنی میں وہ چلیں گے، جب وہ پل صراط پر پہنچیں گے، مومنوں کا نور برقرار رہے گا، جبکہ منافقوں کا بجھا دیا جائے گا، پھر وہ مومنوں کو پکاریں گے، کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ مومن جواب دیں گے، کیوں نہیں! لیکن تم نے اپنی جانوں کو آزمائش میں ڈالا، انتظار کرتے رہے، شک میں پڑے رہے، تم کو امیدوں نے دھوکا دیا حتیٰ کہ اللہ کا حکم (موت) آگیا اور شیطان نے تمہیں دھوکا دے دیا، یہی اللہ تعالیٰ کا ان کے ساتھ دھوکہ ہے۔“

(تفسیر ابن ابی حاتم: 6138، وسندہ صحیح)

**سوال:** کیا نبی کریم ﷺ سے ٹوپی پہننا ثابت ہے؟

**جواب:** نبی کریم ﷺ سے ٹوپی پہننا ثابت نہیں۔

**سوال:** ”قلہ“ کیا ہے؟

**جواب:** قلہ مٹکے کو کہتے ہیں۔

❁ امام محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الْقَلَّةُ هِيَ الْجَرَادُ، وَالْقَلَّةُ الَّتِي يُسْتَقَى فِيهَا.

”قلہ مٹکے کو کہتے ہیں، جس میں پانی پلایا جاتا ہے۔“

(سنن الترمذی، تحت الحدیث: 67، وسندہ صحیح)

❁ حافظ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الْقَلَّةُ فِي اللَّعَةِ: الْجَرَّةُ الْعَظِيمَةُ سُمِّيَتْ بِذَلِكَ، لِأَنَّ الرَّجُلَ

الْعَظِيمَ يَقْلُّهَا بِيَدَيْهِ، أَيْ يَرْفَعُهَا.

”لغت میں قلہ بڑے مٹکے کو کہتے ہیں، اسے قلہ اس لیے کہتے ہیں کہ ایک

طاقتور آدمی ہی اسے اپنے ہاتھوں سے اٹھا سکتا ہے۔“

(تحریر ألفاظ التنبيه، ص 132، الإيجاز في شرح أبي داود، ص 283)

❁ علامہ ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

..... إِنَّ جَعْلَهُ مُقَدَّرًا بَعْدَ مِنْهَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ أَشَارَ إِلَى

أَكْبَرِهَا؛ لِأَنَّهُ لَا فَايِدَةَ بِتَقْدِيرِهِ بِقَلَّتَيْنِ صَغِيرَتَيْنِ، وَهُوَ يَقْدَرُ

عَلَى تَقْدِيرِهِ بِوَاحِدَةٍ كَبِيرَةٍ.

وَالْجَوَابُ الثَّانِي: أَنَّهُ قَدْ وَرَدَ تَقْدِيرُهُ بِقِلَالٍ هَجَرَ، وَهِيَ

مَعْلُومَةٌ، وَلِهَذَا ذَكَرَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَعْرِضِ التَّعْرِيفِ لَمَّا ذَكَرَ سِدْرَةَ الْمُنْتَهَى، وَلَا يُعْرَفُ إِلَّا بِمَعْرُوفٍ .

”.....قلوں (منکلوں) کو (دو کے) عدد کے ساتھ خاص کرنا، اس بات کی دلیل ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بڑے قلوں کی طرف اشارہ کیا ہے، ورنہ تو دو چھوٹے قلعے کہنے کا کوئی فائدہ نہ ہوا، بلکہ ایک بڑا قلعہ ہی کہہ دیا جاتا۔

دوسرا جواب: قلوں کو قبیلہ ہجر کے منکلوں سے تشبیہ دی گئی ہے، یہ معروف ہیں۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے جب سدرۃ المنتہیٰ کا ذکر کیا، تو (اس کے پیر کو) قبیلہ ہجر کے منکے کے ساتھ تشبیہ دی۔ اور تشبیہ معروف چیز کی ہی دی جاتی ہے۔“

(شرح الإمام بأحاديث الأحكام: 1/185)

✽ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

هُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ، قَالُوا: إِذَا كَانَ الْمَاءُ قَلْتَيْنِ لَمْ يَنْجِسْهُ شَيْءٌ مَا لَمْ يَتَغَيَّرِ رِيحُهُ أَوْ طَعْمُهُ، وَقَالُوا: يَكُونُ نَحْوًا مِّنْ خَمْسِ قَرَبٍ .

”امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق رحمۃ اللہ علیہم کا قول ہے کہ جب پانی دو قلعے ہو، تو اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی، جب تک اس کی بو یا ذائقہ نہ بدلے، نیز کہتے ہیں کہ دو قلعے تقریباً پانچ مشکیزوں کے برابر ہیں۔“

(سنن الترمذی، تحت الحدیث: 67)

**سوال:** جو ا کا کیا حکم ہے؟



(جواب): جو اکھیلنا حرام اور کبیرہ گناہ ہے، عربی میں اسے ”قمار“ کہتے ہیں۔

✽ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ حَلَفَ فَقَالَ فِي حَلْفِهِ : وَاللَّاتِ وَالْعُزَّىٰ ، فَلْيَقُلْ : لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ، وَمَنْ قَالَ لِصَاحِبِهِ : تَعَالَ أَقَامِرَكَ ، فَلْيَتَصَدَّقْ .

”جو شخص قسم کھائے اور کہے کہ لات و عزی کی قسم! تو اسے «لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ» کہنا چاہئے اور جو شخص اپنے ساتھی سے یہ کہے: آؤ جو اکھیلیں، تو اسے صدقہ کرنا چاہئے۔“

(صحیح البخاری: 4860، صحیح مسلم: 1647)

(سوال): روایت: إِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا لِمَا ظَنَنْتُ كَيْسِي هُوَ؟

(جواب): سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے منسوب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا .

”مجھے معلم بنا کر مبعوث کیا گیا۔“

(سنن ابن ماجہ: 229)

سند ضعیف ہے۔ عبدالرحمن بن زیاد افریقی سیء الحفظ ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

✽ اس حدیث کی سند کو حافظ عراقی رحمہ اللہ نے ضعیف کہا ہے۔

(تخریج أحادیث الاحیاء: 11/1)

(سوال): روایت: ”میری امت میں سے جس نے چالیس احادیث حفظ کیں، وہ

روزِ قیامت اس حال میں اٹھایا جائے گا کہ عالم اور فقیہ ہوگا۔“ کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

(جواب): روایت ثابت نہیں، اس کی کئی سندیں ہیں، ساری کی ساری ضعیف ہیں۔

✽ امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ (۳۸۵ھ) فرماتے ہیں:

كُلُّهَا ضِعَافٌ، وَلَا يَثْبُتُ مِنْهَا شَيْءٌ.

”ساری کی ساری سندیں ضعیف ہیں، ان میں سے کوئی بھی ثابت نہیں۔“

(العلل الواردة في الأحاديث النبوية : 959)

✽ حافظ نووی رحمۃ اللہ علیہ (۶۷۶ھ) فرماتے ہیں:

اتَّفَقَ الْحَفَاطُ عَلَى أَنَّهُ حَدِيثٌ ضَعِيفٌ وَإِنْ كَثُرَتْ طُرُقُهُ.

”محدثین کا اتفاق ہے کہ کئی سندیں ہونے کے باوجود یہ حدیث ضعیف ہے۔“

(الأربعون النووية، ص 38)

(سوال) روایت: **عُلَمَاءُ أُمَّتِي كَأَنْبِيَاءِ بَنِي إِسْرَائِيلَ** ”میری اُمت کے علما

بنی اسرائیل کے انبیا کی مانند ہیں۔“ کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

(جواب) بے سند و بے اصل روایت ہے۔



## فتاویٰ امن پوری (قسط ۱۸۵)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

**(سوال)** قنوت نازلہ کب پڑھی جاتی ہے؟

**(جواب)** نازلہ کا مطلب ہے: نازل ہونے والی مصیبت، پریشانی، ارضی و سماوی آفت، بیماری اور دشمن کا خوف وغیرہ۔ قنوت نازلہ کو جنگی حالات کے ساتھ خاص کرنا درست نہیں۔ قنوت فرائض اور نوافل کی آخری رکعت میں کی جائے۔ سری نمازوں میں بھی کی جا سکتی ہے۔ قنوت رکوع سے پہلے اور بعد دونوں طرح ثابت ہے۔ اکیلا نمازی بھی قنوت کر سکتا ہے۔ جماعت کی صورت میں مقتدی امام کی دعا پرائین کہہ سکتے ہیں۔

**(سوال)** کیا قہقہہ لگا کر ہنسنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے؟

**(جواب)** نماز میں قہقہہ لگانے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے، البتہ وضو ٹوٹنے پر کوئی دلیل ثابت نہیں۔

✽ علامہ زیلیعی حنفی رحمۃ اللہ علیہ (۷۴۳ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعُوا عَلَى أَنَّ الضُّحْكَ يَنْقُضُ الصَّلَاةَ وَلَا يَنْقُضُ الْوُضُوءَ .  
 ”فقہاء کا اجماع ہے کہ (نماز میں قہقہہ لگا کر) ہنسنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے،  
 وضو نہیں ٹوٹتا۔“

(تبيين الحقائق: 1/11)

**(سوال)** کیا خون بہنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

(جواب): بعض کہتے ہیں کہ جب بدن کے کسی حصہ سے خون نکل کر بہہ پڑے، تو وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ بے دلیل موقف ہے۔ قرآن حدیث اور فہم سلف سے اس کا کوئی ثبوت نہیں، بلکہ یہ صحیح، مدلل اور مبرہن دلائل کے مخالف ہے۔

درست بات یہی ہے کہ مخرج حدث کے علاوہ جتنا بھی خون بہہ نکلے، وضو نہیں ٹوٹتا۔ یہی اکثر اہل علم کا مذہب ہے۔ اس پر دلائل ملاحظہ ہوں:

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِي فِي غَزْوَةِ ذَاتِ الرِّقَاعِ فَأَصَابَ رَجُلٌ امْرَأَةً رَجُلٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ، فَحَلَفَ أَنْ لَا أَنْتَهِيَ حَتَّى أُهْرِيْقَ دَمًا فِي أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ، فَخَرَجَ يَتَّبِعُ أَثَرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَنَزَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْزِلًا، فَقَالَ مَنْ رَجُلٌ يَكْلُونَا؟ فَانْتَدَبَ رَجُلٌ مِّنَ الْمُهَاجِرِينَ وَرَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ، فَقَالَ كُونَا بِنِمْ الشَّعْبِ، قَالَ فَلَمَّا خَرَجَ الرَّجُلَانِ إِلَى فِمْ الشَّعْبِ اضْطَجَعَ الْمُهَاجِرِيُّ، وَقَامَ الْأَنْصَارِيُّ يُصَلِّي، وَاتَى الرَّجُلُ فَلَمَّا رَأَى شَخْصَهُ عَرَفَ أَنَّهُ رَبِيبَةٌ لِلْقَوْمِ، فَرَمَاهُ بِسَهْمٍ فَوَضَعَهُ فِيهِ فَنَزَعَهُ، حَتَّى رَمَاهُ بِثَلَاثَةِ أَسْهُمٍ، ثُمَّ رَكَعَ وَسَجَدَ، ثُمَّ انْتَبَهَ صَاحِبُهُ، فَلَمَّا عَرَفَ أَنَّهُمْ قَدْ نَدَرُوا بِهِ هَرَبَ، وَلَمَّا رَأَى الْمُهَاجِرِيُّ مَا بِالْأَنْصَارِيِّ مِّنَ الدَّمِ، قَالَ سُبْحَانَ اللَّهِ الْآ

أَنبَهَتَنِي أَوَّلَ مَا رَمَى، قَالَ كُنْتُ فِي سُورَةِ أَفْرُؤُهَا فَلَمْ أَحِبَّ  
أَنْ أَفْطَعَهَا .

”غزوہ ذات الرقاع میں ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے، اسی غزوہ میں ایک مشرک مرد نے ایک مشرکہ عورت سے بد فعلی کی اور قسم اٹھائی کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھیوں میں سے کسی کا خون بہائے گا۔ وہ نبی کریم ﷺ کے نشان قدم ڈھونڈنے لگا، نبی کریم ﷺ ایک مقام پر لشکر کے ساتھ اترے، تو فرمایا: ہمارا پہرہ کون دے گا؟ تو ایک انصاری اور ایک مہاجر اس کے لئے تیار ہو گئے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس گھاٹی کے سرے پر جا کر، یہ گھاٹی کے سرے پر پہنچے، تو مہاجر صحابی سو گئے اور انصاری صحابی نماز پڑھنے لگے، وہیں پہ مشرک بھی پہنچ گیا۔ اس نے دیکھا تو جان لیا کہ مسلمانوں کے پہرے دار ہیں۔ اس نے تیر چلایا، جو انصاری صحابی کو جا لگا۔ انہوں نے نماز ہی کی حالت میں وہ تیر نکال پھینکا، اس نے اس دوران تین تیر چھینکے، یہاں تک انصاری صحابی نے رکوع اور سجدہ کر لیا، تو اپنے مہاجر ساتھی کو جگایا، جب مہاجر نے انصاری کا خون نکلنے دیکھا تو کہا سبحان اللہ! پہلے تیر پر مجھے کیوں نہ جگایا، تو انصاری کہنے لگے: میں نماز میں سورت کی تلاوت کر رہا تھا، تو میرا دل نہیں مانا کہ وہ تلاوت درمیان میں چھوڑ دوں۔“

(مسند الإمام أحمد ۳/۳۴۳، ۳۵۹، سنن أبي داود: ۱۹۸، سيرة ابن هشام ۳/۲۴۵،

الجهاد لابن المبارك: ۱۸۹، المستدرک علی الصحیحین للحاکم ۱/۱۵۶، ۱۵۷، السنن

الکبریٰ للبيهقي ۱/۱۴۰، وسنده حسن)

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ (۳۶) امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۹۶) نے ”صحیح“ اور امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے ”صحیح الاسناد“ کہا ہے، حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ”صحیح“ کہا ہے۔  
 حافظ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی سند کو ”حسن“ قرار دیا ہے۔

(المجموع شرح المہذب: ۵۵/۲)

اس حدیث سے ائمہ سے استدلال کیا ہے کہ خون نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

✿ امام ابو عبد اللہ حاکم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

هَذِهِ سُنَّةٌ ضَبَّيْقَةٌ قَدْ اعْتَقَدَ أَئِمَّتُنَا بِهَذَا الْحَدِيثِ أَنَّ خُرُوجَ  
 الدَّمِ مِنْ غَيْرِ مَخْرَجِ الْحَدَثِ لَا يُوجِبُ الْوُضُوءَ .

”یہ بہترین سنت ہے۔ ہمارے ائمہ اس حدیث پر اعتقاد رکھتے تھے کہ سبیلین کے علاوہ خون نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔“

(المستدرک علی الصحیحین: ۱۵۷/۱)

✿ حافظ نووی رحمۃ اللہ علیہ (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:

مَوْضِعُ الدَّلَالَةِ أَنَّهُ خَرَجَ دِمَاءٌ كَثِيرَةٌ وَأَسْتَمَرَ فِي الصَّلَاةِ وَلَوْ  
 نَقَضَ الدَّمُ لَمَا جَازَ بَعْدَهُ الرُّكُوعُ وَالسُّجُودُ وَإِتْمَامُ الصَّلَاةِ  
 وَعَلِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَلِكَ وَلَمْ يَنْكَرْهُ .

”محل استہدایہ یہ ہے کہ کثیر خون نکلتا رہا، مگر انہوں نے نماز جاری رکھی۔ اگر خون ناقض وضو ہوتا، تو اس کے بعد رکوع اور سجدہ اور نماز مکمل کرنا درست نہ ہوتا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا مگر آپ نے اس کا انکار نہیں کیا۔“

(المجموع شرح المہذب: ۵۵/۲)

✿ علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”ہمارے علم کے مطابق نجاست خون پر دلالت کرنے والی کوئی دلیل موجود نہیں، سوائے حیض کے خون کے۔ خون کی نجاست پر اتفاق کا دعویٰ مذکورہ منقولات کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ اصل طہارت ہے، تو کوئی ایسی نص ہی چاہیے، جس کی بنا پر اصل نص کو چھوڑ دیا جائے۔ جب ایسی نص موجود نہیں، تو اصل ہی پر رہنا چاہیے۔“

(سلسلة الأحادیث الصحیحة، تحت الحدیث: ۳۰۱)

حرام ہونے سے نجس ہونا لازم نہیں ہوتا۔ ہر حرام نجس نہیں ہوتا، بلکہ ہر نجس حرام ہوتا ہے، لہذا اگر دوران نماز خون بہہ پڑے اور کپڑے خون آلودہ ہو جائیں، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

✿ مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّهُ دَخَلَ عَلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ مِنَ اللَّيْلَةِ الَّتِي طَعِنَ فِيهَا فَأَيَّقَظَ عُمَرَ لِصَلَاةِ الصُّبْحِ فَقَالَ عُمَرُ نَعَمْ وَلَا حَظًّا فِي الْإِسْلَامِ لِمَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ فَصَلَّى عُمَرُ، وَجُرْحُهُ يَتَعَبُ دَمًا.

”جس رات سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو تیر لگا وہ رات میں نے آپ کے ہاں گزاری۔ میں نے آپ کو نماز صبح کے لئے جگایا، تو سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: ہاں! نماز چھوڑنے والے کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں، اس وقت آپ کے زخم سے خون رس رہا تھا۔“

(موطأ الإمام مالك: ۳۹/۱، وسندہ صحیح)

✽ عبد الرحمن بن مجمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّهُ رَأَى سَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ يَخْرُجُ مِنْ أَنْفِهِ الدَّمُ، حَتَّى تَحْتَضِبَ أَصَابِعَهُ، ثُمَّ يَفْتِلُهُ، ثُمَّ يُصَلِّي، وَلَا يَتَوَضَّأُ.

”انہوں نے سالم بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ان کے ناک سے خون نکل رہا ہے اور ان کی انگلیاں خون آلود ہو گئی ہیں۔ انہیں ملا، نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔“

(موطأ الإمام مالك: ۳۹/۱، وسندہ صحیح)

✽ عبد الرحمن بن حرملة سلمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

رَأَيْتُ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يَرْعُفُ، فَيَخْرُجُ مِنْهُ الدَّمُ، حَتَّى تَحْتَضِبَ أَصَابِعَهُ مِنَ الدَّمِ الَّذِي يَخْرُجُ مِنْ أَنْفِهِ، ثُمَّ يُصَلِّي، وَلَا يَتَوَضَّأُ.

”میں نے سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کو دیکھا، ان کی نکسیر پھوٹ پڑی ہے۔ ناک سے نکلنے والے خون کی بنا پر انگلیاں خون آلود ہو چکی ہیں، انہوں نے نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔“

(موطأ الإمام مالك: ۳۹/۱، وسندہ حسن)

✽ طاوس بن كيسان رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے:

إِنَّهُ كَانَ لَا يَرَى فِي الدَّمِ السَّائِلِ وَضُوءٌ، يَغْسِلُ عَنْهُ الدَّمُ ثُمَّ حَسِبَهُ.

”وہ بہنے والے خون سے وضو کے قائل نہیں تھے۔ فرماتے تھے: ایسی صورت میں خون والی جگہ کو دھولینا ہی کافی ہو جائے گا۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة: ۱۳۷/۱، وسندہ صحیح)



✽ علاء بن حبیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

سَأَلْتُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ فَقُلْتُ إِنِّي اتَّوَضَّأْتُ فَأَخَذُ الدَّلْوُ  
فَأَسْتَسْقِي بِهِ فَيَخْدِشُنِي الْحَبْلُ أَوْ يُصِيبُنِي الْحَدَشُ فَيَخْرُجُ  
مِنْهُ الدَّمُ قَالَ: اغْسِلْهُ وَلَا تَتَوَضَّأُ.

”میں نے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ میں وضو کر کے ڈول سے پانی پی  
لیتا ہوں۔ اس ڈول کی رسی سے زخم آجاتا ہے، جس سے خون بہنے لگتا ہے۔  
فرمایا: خون دھو دیں، وضو نہ کریں۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة: ۱/۱۳۷، وسنّده صحيح)

✽ ابو قلابہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے:

إِنَّهُ كَانَ لَا يَرَى بَأْسًا بِالشَّقَاقِ يَخْرُجُ مِنْهُ الدَّمُ.

”زخم سے خون بہہ پڑے، تو وضو نہ کیا جائے۔ یہ ان کا موقف ہے۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة: ۱/۱۳۷، وسنّده صحيح)

✽ ابوخلدہ خالد بن دینار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

رَأَيْتُ أَبَا سَوَّارٍ الْعَدَوِيَّ عَصَرَ بَثْرَةً ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأُ.

”میں نے ابو سوار عدوی رضی اللہ عنہ کو دیکھا، ان کی پھنسی بہہ پڑی ہے، انہوں نے  
اسی طرح نماز ادا کی، وضو نہیں کیا۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة: ۱/۱۳۷، وسنّده صحيح)

✽ قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

إِنَّ عَطَاءً كَانَ لَا يَرَى فِي الرَّعَافِ وَضُوءً.

”عطاء نکسیر پھوٹنے سے وضو کے قائل نہیں تھے۔“

(تغلیق التعلیق لابن حجر : ۱۱۸/۲، وسندہ صحیح)

✽ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں:

فَقَالَ سَمُوِيَه فِي فَوَائِدِهِ : ثَنَا أَبُو جَعْفَرَ النُّفَيْلِيُّ ثَنَا خَطَّابُ  
بُنُّ الْقَاسِمِ عَنِ الْأَعْمَشِ قَالَ سَأَلْتُ أَبَا جَعْفَرَ عَنِ الرَّعَافِ  
فَقَالَ لَوْ سَالَ نَهْرٌ مِّنْ دَمٍ مَا أَعَدْتُ مِنْهُ الْوُضُوءَ .

”سیمان بن مهران اعمش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ سے نکسیر کے بارے میں سوال کیا، فرمایا: (بالفرض) خون کی نہر جاری ہو جائے، میرے نزدیک تو تب بھی وضو نہیں ٹوٹے گا۔“

(تغلیق التعلیق : ۱۱۷/۲، وسندہ صحیح)

✽ علامہ عینی حنفی نے اس کی سند کو ”صحیح“ کہا ہے۔

(عمدة القاري : ۳۵۳/۲)

**سوال:** کیا پیپ نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

**جواب:** پیپ نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

✽ ابوخلدہ خالد بن دینار بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

رَأَيْتُ أَبَا سَوَّارٍ الْعَدَوِيَّ عَصَرَ بَثْرَةً ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ .  
”میں نے ابوسوار عدوی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا، ان کی پھنسی بہہ پڑی ہے، انہوں نے  
اسی طرح نماز ادا کی، وضو نہیں کیا۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة : ۱۳۷/۱، وسندہ صحیح)

**سوال:** کیا قبولہ سنت ہے؟

(جواب): دو پہر کو کچھ وقت کے لیے آرام کرنا ”قبیلوہ“ کہلاتا ہے۔ یہ نبی کریم ﷺ

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت ہے۔

(سوال): کیا قرآن کی ہر ہر آیت متواتر ہے؟

(جواب): قرآن کی ہر ہر سورت، آیت اور لفظ متواتر اور محفوظ من جانب اللہ ہے۔

✽ حافظ ذہبی رحمہ اللہ (۷۴۸ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا الْقُرْآنُ الْعَظِيمُ، سُورَهُ وَآيَاتُهُ، فَمُتَوَاتِرٌ، وَلِلَّهِ الْحَمْدُ،  
مَحْفُوظٌ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى لَا يَسْتَطِيعُ أَحَدٌ أَنْ يُبَدِّلَهُ، وَلَا يَزِيدَ  
فِيهِ آيَةً، وَلَا جُمْلَةً مُسْتَقَلَّةً، وَلَوْ فَعَلَ ذَلِكَ أَحَدٌ عَمْدًا،  
لَأَنْسَلَخَ مِنَ الدِّينِ .

”قرآن عظیم کی سورتیں اور آیات متواتر ہیں، واللہ الحمد۔ اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے ساتھ محفوظ ہے، کوئی اس میں تبدیلی یا زیادتی نہیں کر سکتا، نہ کوئی جملہ بڑھا سکتا ہے، اگر کوئی ایسا جان بوجھ کر کرے گا، تو وہ دین سے نکل جائے گا (یعنی مرتد ہو جائے گا)۔“

(سیر أعلام النبلاء: 10/171)

✽ قاضی عیاض رحمہ اللہ (۵۴۴ھ) فرماتے ہیں:

قَدْ ثَبَتَ الْقُرْآنُ وَوَقَعَ عَلَيْهِ الْإِجْمَاعُ، فَلَا يُزَادُ فِيهِ حَرْفٌ وَلَا  
يُنْقُصُ حَرْفٌ وَقَدْ رَامَ الرَّوَافِضُ وَالْمُلْحَدَةُ ذَلِكَ فَمَا يُمَكِّنُ لَهُمْ .

”یقیناً قرآن صحیح سلامت ہے، اس پر اجماع ہو چکا ہے، لہذا اس میں ایک حرف بھی بڑھایا جائے، نہ کم کیا جائے۔ روافض (شیعہ) اور ملحدین نے

تحریف قرآن کی کوشش کی ہے، لیکن کامیاب نہیں ہو سکے۔“

(إكمال المعلم: 1/119)

❁ علامہ ابن ہبیرہ رضی اللہ عنہ (۵۶۰ھ) فرماتے ہیں:

الْقُرْآنُ هُوَ مَا أَجْمَعَ عَلَيْهِ الْمُسْلِمُونَ وَنَقَلَ النَّقْلَ الْمُتَوَاتِرَ  
كَوَافٍ عَنْ كَوَافٍ .

”قرآن وہ کتاب ہے، جس پر مسلمانوں کا اجماع ہے، اسے ہر دور کے لوگوں نے ایک دوسرے سے تواتر کے ساتھ نقل کیا ہے۔“

(الإفصاح عن معاني الصحاح: 3/49)

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ نَبِيٍّ إِلَّا أُعْطِيَ مَا مِثْلُهُ آمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ، وَإِنَّمَا  
كَانَ الَّذِي أُوتِيَتْ وَحِيًّا أَوْحَاهُ اللَّهُ إِلَيَّ، فَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ  
أَكْثَرَهُمْ تَابِعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ .

”ہر نبی کو جو بھی معجزہ دیا گیا، لوگ اسے دیکھ کر ایمان لاتے رہے، البتہ جو معجزہ مجھے دیا گیا ہے، وہ (قرآن و حدیث کی) وحی ہے، جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کی ہے، لہذا مجھے امید ہے کہ روز قیامت سب سے زیادہ متبعین میرے ہی ہوں گے۔“

(صحيح البخاري: 4981، صحيح مسلم: 152)

❁ اس حدیث کے تحت حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہ (۷۷۷ھ) فرماتے ہیں:

”اس حدیث میں دلیل ہے کہ انبیا کو عطا کردہ تمام معجزوں اور تمام کتابوں سے زیادہ فضیلت والا معجزہ قرآن مجید ہے۔ کیونکہ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ہر نبی

معجزات عطا کیے گئے، جن پر لوگ ایمان لائے، یعنی یہ معجزات انبیائے کرام کی لائی ہوئی شریعت کی صداقت پر دلیل تھے، تو جس نے انبیا کا اتباع کیا، سو کیا۔ پھر جب انبیا فوت ہو گئے، تو ان کے بعد ان کا کوئی معجزہ باقی نہ رہا، سوائے اس کے کہ انبیا کے متبعین ان معجزات کو بیان کرتے تھے، جن کے وہ یعنی شاہد تھے۔ جبکہ خاتم المرسلین جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو (قرآن کی صورت میں) وحی عطا کی تھی، جو لوگوں تک تو اتر کے ساتھ منقول ہوئی۔ ہر زمانے میں وحی اسی طرح رہے، جیسے نازل ہوئی تھی، اسی لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”مجھے اُمید ہے کہ میرے متبعین سب سے زیادہ ہوں گے۔“ ایسا ہی ہوا، کیونکہ نبی کریم ﷺ کے متبعین دیگر انبیا کے متبعین سے زیادہ ہیں، کیونکہ آپ ﷺ کی رسالت عام ہے اور قیامت تک جاری و ساری ہے، نیز آپ ﷺ کا معجزہ (قرآن) بھی قیامت تک جاری رہے گا۔“

(مقدمہ تفسیر ابن کثیر: 20/1)

❁ علامہ ابن الجزری رَضِيَ اللهُ عَنْهُ (۸۳۳ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ الْأَعْتِمَادَ فِي نَقْلِ الْقُرْآنِ عَلَى حِفْظِ الْقُلُوبِ وَالصُّدُورِ لَا عَلَى حِفْظِ الْمَصَاحِفِ وَالْكِتَابِ، وَهَذِهِ أَشْرَفُ خَصِيصَةٍ مِّنَ اللَّهِ تَعَالَىٰ لِهَذِهِ الْأُمَّةِ .

”قرآن کریم کے نقل میں اصل اعتماد حافظے پر ہے، نہ کہ کتابت پر۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس امت کی بہترین خصوصیت ہے۔“

(النشر في القراءات العشر: 6/1)

حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (۹۱۱ھ) فرماتے ہیں:

لَا خِلَافَ أَنَّ كُلَّ مَا هُوَ مِنَ الْقُرْآنِ يَجِبُ أَنْ يَكُونَ مُتَوَاتِرًا فِي  
أَصْلِهِ وَأَجْزَائِهِ وَأَمَّا فِي مَحَلِّهِ وَوَضْعِهِ وَتَرْتِيبِهِ فَكَذَلِكَ عِنْدَ  
مُحَقِّقِي أَهْلِ السُّنَّةِ لِلْقَطْعِ بِأَنَّ الْعَادَةَ تَقْضِي بِالتَّوَاتُرِ فِي  
تَفَاصِيلِ مِثْلِهِ لِأَنَّ هَذَا الْمُعْجَزَ الْعَظِيمَ الَّذِي هُوَ أَصْلُ الدِّينِ  
الْقَوِيمِ وَالصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيمِ مِمَّا تَتَوَفَّرُ الدَّوَاعِي عَلَى نَقْلِ  
جَمَلِهِ وَتَفَاصِيلِهِ فَمَا نَقَلَ أَحَادًا وَلَمْ يَتَوَاتَرَ يَقْطَعُ بِأَنَّهُ لَيْسَ  
مِنَ الْقُرْآنِ قَطْعًا.

”اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ قرآن میں جو کچھ ہے، اس کے تمام اجزا متواتر  
ہیں۔ قرآن (کی آیات و سور) کی ترتیب اور محل بھی محقق اہل سنت کے  
نزدیک قطعی الثبوت (یعنی متواتر) ہے، اس جیسی اہم چیز کی تفصیل بھی عموماً  
متواتر ہی ہوتی ہیں، کیونکہ شرعی ضرورت متقاضی ہے کہ یہ عظیم معجزہ، جو کہ دین  
تویم اور صراط مستقیم کی اساس و بنیاد ہے، مکمل طور پر نقل کیا جائے، لہذا جو چیز  
خبر آحاد کے ساتھ نقل ہو اور متواتر نہ ہو، تو وہ قطعاً قرآن کا حصہ نہیں ہو سکتی۔“

(الاتقان في علوم القرآن: 266/1)

(سوال): کتابت حدیث کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

(جواب): عہد نبوی میں حدیث لکھی جاتی تھی، دلائل ملاحظہ ہوں؛

① سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض

الموت میں فرمایا:

اَتُّونِي بِكِتَابٍ اَكْتُبُ لَكُمْ كِتَابًا لَا تَصِلُوْا بَعْدَهُ .  
 ”میرے پاس لکھنے کے لیے کچھ لائیں، تاکہ میں تحریر کردوں کہ جس کے بعد  
 آپ نہیں بھولیں گے۔“

(صحیح البخاری: 114، صحیح مسلم: 1637)

② سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یمنی صحابی ابو شاہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ حجۃ  
 الوداع لکھنے کی فرمائش کی، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:  
 اُكْتُبُوا لِاَبِي سَاهٍ .  
 ”ابو شاہ کو (حدیث) لکھ دیں۔“

(صحیح البخاری: 2434، صحیح مسلم: 1355)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (۷۷۷ھ) لکھتے ہیں:  
 فِي الصَّحِيحَيْنِ وَغَيْرِهِمَا، مِمَّا ثَبَتَ تَوَاتُرَهُ بِالْوَقَائِعِ الْمُتَعَدِّدَةِ،  
 أَنَّهُ بَعَثَ كُتُبَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُو إِلَى اللَّهِ مُلُوكَ  
 الْأَفَاقِ، وَطَوَائِفِ بَنِي آدَمَ مِنْ عَرَبِهِمْ وَعَجَمِهِمْ، كِتَابِيَهُمْ  
 وَأُمِّيَهُمْ، امْتِنَالًا لِأَمْرِ اللَّهِ لَهُ بِذَلِكَ .

”بخاری و مسلم اور دیگر کتب میں تواتر کے ساتھ متعدد واقعات ثابت ہیں کہ نبی  
 کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے خطوط کے ذریعے بادشاہوں، عرب و عجم  
 کے پڑھے لکھے اور ان پڑھ لوگوں کو ”دعوت الی اللہ“ دی ہے۔“

(تفسیر ابن کثیر: 26/2، سلامة)

③ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

مَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَدٌ أَكْثَرَ حَدِيثًا عَنْهُ مِنِّي، إِلَّا مَا كَانَ مِنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، فَإِنَّهُ كَانَ يَكْتُبُ وَلَا أَكْتُبُ.

”مجھ سے زیادہ حدیثیں کسی اور صحابی رسول کے پاس نہ تھی، سوائے سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے پاس کہ وہ احادیث لکھا کرتے تھے، میں لکھتا نہیں تھا۔“

(صحیح البخاری: 113)

④ سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بات سنتا تھا، وہ حفظ و ضبط کے ارادے سے لکھ لیتا تھا، مجھے اس بات سے ہر قریشی (صحابی) نے منع کیا، انہوں نے کہا کہ آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات لکھ لیتے ہیں، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں، غضب و غصہ اور خوشگوار اور دونوں حالتوں میں بات کرتے ہیں۔ میں حدیث لکھنے سے رک گیا اور اس بات کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلی مبارک سے اپنے منہ مبارک کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا:

أَكْتُبُ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا يَخْرُجُ مِنْهُ إِلَّا حَقٌّ.

”آپ حدیث لکھا کریں، مجھے اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس منہ سے صرف حق ہی نکلتا ہے۔“

(مسند الإمام أحمد : 162/2، سنن أبي داود : 3646، سنن الدارمي : 490، المستدرک للحاکم : 106-105/1، وسنده صحيح، وأخرجه أحمد : 207/2، والبزار : 2470، وأبو زرعة الدمشقي في تاريخه : 1516، وأبو القاسم البغوي في الصحابة :



1472، وابن عبد البرّ في جامع بيان العلم وفضله: 84-85/1، وسنده حسن، والخطيب في التقييد: 80، وسنده حسن)

**(سوال):** روزہ کی حالت میں سرمہ لگانا کیسا ہے؟

**(جواب):** روزے میں سرمہ لگانا جائز ہے، جمہور اہل علم کا یہی موقف ہے۔

**(سوال):** کیا کسی صورت میں جھوٹ کی اجازت ہے؟

**(جواب):** جھوٹ سخت کبیرہ گناہ ہے۔ البتہ بعض صورتوں میں جھوٹ کا گناہ نہیں لکھا

جاتا، مثلاً صلح کرانے کے لیے دو فریقوں سے خلاف حقیقت بات کی جائے، تاکہ وہ دونوں ایک دوسرے کے قریب آجائیں، اسی طرح دوران جنگ دشمن کو دھوکہ دینے کے لیے۔

❁ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِي يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ، فَيَنْمِي خَيْرًا، أَوْ يَقُولُ خَيْرًا.

”لوگوں کے درمیان صلح کرانے والا شخص جھوٹا نہیں، وہ خیر و بھلائی کی بات ہی آگے پہنچاتا ہے۔“

(صحیح البخاری: 2692، صحیح مسلم: 2605)

❁ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لَمْ أَسْمَعْ يُرَخَّصُ فِي شَيْءٍ مِمَّا يَقُولُ النَّاسُ كَذِبٌ إِلَّا فِي ثَلَاثٍ؛ الْحَرْبِ، وَالْإِصْلَاحِ بَيْنَ النَّاسِ، وَحَدِيثِ الرَّجُلِ أَمْرَاتِهِ وَحَدِيثِ الْمَرْأَةِ زَوْجَهَا.

”تین معاملات میں جھوٹ بولا جا سکتا ہے، جنگ کے دوران (دشمن کو دھوکہ

دینے کے لیے)، لوگوں کے درمیان صلح کروانے کے لیے اور شوہر بیوی کے ساتھ یا بیوی کا شوہر کے ساتھ (اظہار محبت کرتے ہوئے)۔“

(صحیح مسلم: 2605)

**(سوال):** کعبہ کے اندر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

**(جواب):** کعبہ کے اندر نماز پڑھنا جائز ہے، رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔

(صحیح البخاری: 397)

**(سوال):** کتوں کی خرید و فروخت کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

**(جواب):** کتا ضرورت کا جانور ہے، مثلاً رکھوالی اور شکار کے کام آتا ہے۔ ضرورت کے مطابق اس سے فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ یہ حرام اور نجس العین ہے۔ اس کا گوشت ہڈیاں خون کھال بال اور لعاب سبھی نجس ہیں۔ انسانوں کی بھلائی نبی کریم ﷺ کی نورانی تعلیمات اپنانے میں ہے۔ کتے کے حوالے سے بھی اسلام نے مکمل رہنمائی کی ہے۔ کتے کی قیمت کھانا ناجائز و حرام ہے۔

❁ سیدنا ابو مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ،  
وَمَهْرِ الْبَغِيِّ، وَحُلْوَانِ الْكَاهِنِ .

”رسول اللہ ﷺ نے کتے کی کمائی، زانیہ کی اجرت اور کاہن کی کمائی سے منع کیا ہے۔“

(صحیح البخاری: 2237، صحیح مسلم: 1567)

❁ ابو جحیفہ عبد اللہ بن وہب سوائی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ ثَمَنِ الدَّمِّ،  
وَتَمَنِ الكَلْبِ .

”رسول اللہ ﷺ نے خون اور کتے کی قیمت لینے سے منع کیا ہے، اسی طرح  
لوٹھی کی کمائی سے بھی منع کیا ہے۔“

(صحیح البخاری: 2238)

✽ حافظ نووی رحمۃ اللہ علیہ (۶۷۶ھ) فرماتے ہیں:

فِيهِ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّهُ لَا يَصِحُّ بَيْعُ الكَلْبِ، مُعَلِّمًا كَانَ أَوْ غَيْرَ  
مُعَلِّمٍ؛ لِأَنَّهُ نَجَسٌ، وَالنَّجَسُ لَا يَجُوزُ بَيْعُهُ .

”یہ اس بات پر دلیل ہے کہ کتے کی بیع درست نہیں، چاہے وہ سکھایا ہوا کتا ہو یا  
سکھایا ہوا نہ ہو، کیوں کہ کتا نجس ہے اور نجس چیز کی بیع جائز نہیں۔“

(الإيجاز في شرح سنن أبي داود، ص 319)

نوٹ:

جن روایات میں کتوں کی خرید و فروخت سے شکاری کتے کو مستثنیٰ کیا گیا ہے، وہ  
روایات ثابت نہیں، ضعیف ہیں۔

✽ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لَمْ يَصِحَّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُخْصَةٌ فِي كَلْبِ  
الصَّيْدِ .

”نبی کریم ﷺ سے (باسند صحیح) شکاری کتے کی رخصت ثابت نہیں ہے۔“

(جامع العلوم والحکم لابن رجب، ص 453)

✿ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ (۴۵۸ھ) فرماتے ہیں:

هَذَا الْأِسْتِثْنَاءُ غَيْرُ مَحْفُوظٍ فِي الْأَحَادِيثِ الثَّابِتَةِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي النَّهْيِ عَنِ الثَّمَنِ الْكَلْبِ .  
 ”کتے کی کمائی کے بارے میں ممانعت کی صحیح احادیث میں شکاری کتے کی استثنا کے الفاظ محفوظ نہیں ہیں۔“

(معرفة السنن والآثار: 177/8)

✿ حافظ نووی رحمۃ اللہ علیہ (۶۷۶ھ) فرماتے ہیں:

كُلُّهَا ضَعِيفَةٌ بِاتِّفَاقِ أُمَّةِ الْحَدِيثِ .  
 ”(شکاری کتے کی استثنا میں وارد) تمام احادیث باتفاق محدثین ضعیف ہیں۔“

(شرح صحيح مسلم: 10/233)

**سوال:** نیا لباس پہننے پر کیا دعا پڑھنی چاہیے؟

**جواب:** نیا لباس پہننے پر یہ دعا مسنون ہے۔

اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ كَسَوْتَنِيهِ أَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِهِ وَخَيْرِ مَا صُنِعَ لَهُ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهِ، وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَهُ .

”اللہ! تیرا شکر ہے تو نے مجھے یہ لباس پہنایا، میں تجھ سے اس لباس کی خیر طلب کرتا ہوں اور ان ضروریات کی خیر طلب کرتا ہوں جن کے لئے یہ بنایا گیا، نیز اس لباس کے شر اور جن ضروریات کے لئے بنایا گیا، ان کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔“ (سنن أبي داود: 4021، وسندہ صحيح)

**سوال:** کیا زبان کاٹنے پر دیت ہے؟

(جواب): اہل علم کا اجماع ہے کہ زبان کا ٹٹے پر مکمل دیت (سواونٹ) ہے۔

(الإقناع في مسائل الإجماع لابن القطان: 2/292)

(سوال): کیا ہر حرام کام پر لعنت کی جاسکتی ہے؟

(جواب): ہر گز نہیں، عمومی لعنت انہی حرام کاموں پر کی جاسکتی ہے، جن پر شریعت کی

طرف سے لعنت کی گئی ہے، مثلاً سودی معاملہ کرنا، حلالہ کرنا اور کرانا، وغیرہ۔

(سوال): جس کھیل میں جو اگایا جائے، اسے دیکھنا کیسا ہے؟

(جواب): جو اگانا حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔ ایسے کھیل کو دیکھنا بھی جائز نہیں، کیونکہ یہ

گناہ پر معاونت ہے۔

❁ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾

(المائدة: 2)

”نیکی اور تقویٰ کے امور پر ایک دوسرے کی معاونت کیا کریں، گناہ اور ظلم کے

کام پر کسی کا ہاتھ نہ بٹایا کریں۔“

(سوال): کیا کشتی کھیلنا جائز ہے؟

(جواب): کشتی کھیلنا جائز ہے، یہ جسم کو مضبوط کرنے کا ذریعہ ہے۔ جسمانی طور پر قوی

مومن اللہ تعالیٰ کو کمزور مومن سے زیادہ پسند ہے۔

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ، خَيْرٌ وَأَحَبُّ إِلَى اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ،

وَفِي كُلِّ خَيْرٍ.

”مضبوط (جسم والا) مؤمن اللہ تعالیٰ کے لیے زیادہ بہتر اور محبوب ہے، بہ نسبت کمزور (جسم والے) مؤمن سے، البتہ خیر دونوں میں موجود ہے۔“

(صحیح مسلم: 2664)

**سوال:** اگر کشتی میں جو الگ دیا جائے، تو کیا حکم ہے؟

**جواب:** کھیل کوئی بھی ہو، اگر اس میں جو الگ دیا جائے، تو وہ حرام و ناجائز ہوگا۔

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ حَلَفَ فَقَالَ فِي حَلْفِهِ : وَاللَّاتِ وَالْعُزَّى ، فَلْيَقُلْ : لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ، وَمَنْ قَالَ لِصَاحِبِهِ : تَعَالَ أَقَامِرُكَ ، فَلْيَتَصَدَّقْ .

”جو شخص قسم کھائے اور کہے کہ لات و عزی کی قسم! تو اسے «لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ» کہنا چاہئے اور جو شخص اپنے ساتھی سے یہ کہے: آؤ جو کھیلیں، تو اسے صدقہ کرنا چاہئے۔“

(صحیح البخاری: 4860، صحیح مسلم: 1647)

**سوال:** گھوڑ دوڑ کا کیا حکم ہے؟

**جواب:** جائز اور مستحب ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کھیل کو سراہتے تھے، بلکہ خود ایسے

مقابلے منعقد کرواتے تھے۔

❁ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر تیلے اور ہلکے بدن والے گھوڑوں کی دوڑ لگوائی، ان کی مسافت ”حفیاء“ سے ”ثنیۃ الوداع“ تک تھی اور جو گھوڑے بھاری جسم والے تھے، ان کی مسافت ”ثنیۃ الوداع“ سے مسجد بنی زریق تک تھی۔“

(صحیح البخاری: 420، صحیح مسلم: 1870)

## فتاویٰ امن پوری (قسط ۱۸۶)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

**(سوال):** کیا پاگل کے مال پر زکوٰۃ واجب ہے؟

**(جواب):** پاگل کے مال پر بھی زکوٰۃ واجب ہے، البتہ اس کی ادائیگی وہ شخص کرے گا، جو پاگل کے مال کی دیکھ بھال کرتا ہے۔

**(سوال):** کیا سونے اور چاندی کی زکوٰۃ یکجا کر کے نکالی جائے گی یا الگ الگ؟

**(جواب):** سونا اور چاندی الگ الگ کرنی ہے، ان کی زکوٰۃ بھی الگ الگ نکالی جائے گی، مثلاً ایک شخص کے پاس پچاس تولہ چاندی ہے اور چھ تولہ سونا ہے، تو اس پر کوئی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، تا آنکہ ہر ایک اپنے اپنے نصاب کو پہنچ جائے۔

**(سوال):** کیا سامان تجارت پر زکوٰۃ ہے؟

**(جواب):** مال تجارت نصاب (ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت) کو پہنچ جائے اور اس پر سال گزر جائے، تو زکوٰۃ فرض ہے، اس پر قرآن مجید، اجماع امت اور صحابہ و تابعین کے آثار و دلیل ہیں۔

### قرآنی دلائل:

① اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ﴾

(البقرة: 267)

”اہل ایمان! اپنی حلال کمائی سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو۔“

✿ امام مجاہد بن جبر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

”اس آیت سے مراد مال تجارت ہے۔“

(تفسیر الطبری: 4/695، وسندہ صحیح)

② اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً﴾ (التوبة: 103)

”ان کے اموال سے زکوٰۃ وصول کیجئے۔“

③ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ﴾ (المعارج: 24)

”ان کے اموال میں (غربا و مساکین کا) مقررہ حق ہے۔“

ان آیات میں مال عام ہے، سامان تجارت کو بھی شامل ہے۔

حدیثی دلائل:

① سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا خالد بن

ولید رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

قَدْ احْتَبَسَ اَدْرَاعَهُ وَاَعْتَادَهُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ .

”خالد نے اپنی زرہیں اور جنگی ساز و سامان کو اللہ کے راستے میں وقف کر دیا ہے۔“

(صحیح البخاری: 1468، صحیح مسلم: 983)

✿ اس حدیث کی شرح میں حافظ نووی رحمۃ اللہ علیہ (۶۷۷ھ) فرماتے ہیں:

اِسْتَنْبَطَ بَعْضُهُمْ مِنْ هَذَا وُجُوبَ زَكَاةِ التِّجَارَةِ، وَبِهِ قَالَ



جُمْهُورُ الْعُلَمَاءِ مِنَ السَّلَفِ وَالْخَلْفِ .

”بعض اہل علم نے اس حدیث سے مال تجارت میں زکوٰۃ کے وجوب پر استدلال کیا ہے، سلف اور خلف میں جمہور اہل علم کا یہی مذہب ہے۔“

(شرح النووي: 56/7)

جب عمال نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے آلات حرب کو سامان تجارت سمجھتے ہوئے زکوٰۃ کا مطالبہ کیا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بتایا کہ یہ سامان راہِ خدا میں وقف ہے، سامان تجارت نہیں۔ مطلب یہ کہ وہ سامان مال تجارت ہوتا، تو زکوٰۃ کا مطالبہ درست تھا۔

② سیدنا قیس بن ابی غزہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَا مَعْشَرَ التُّجَّارِ، إِنَّ الْبَيْعَ يَحْضُرُهُ اللَّغْوُ وَالْحَلْفُ، فَشُوبُهُ بِالصَّدَقَةِ .

”تاجرو! بلاشبہ خرید و فروخت میں لغوبات اور (جھوٹی) قسم داخل ہو جاتی ہے، لہذا اسے صدقہ کے ذریعہ پاک کریں۔“

(سنن ابی داود: 3326، سنن النسائي: 3800، سنن الترمذي: 1208، سنن ابن

ماجہ: 2145، وسندہ صحیح)

اس کی بے شمار اسانید ہیں۔ ائمہ حدیث نے اس کی تصحیح کی ہے۔

③ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا، تو فرمایا:

أَعْلِمُهُمْ أَنَّ اللَّهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً فِي أَمْوَالِهِمْ تُوْخَذُ مِنْ  
أَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ .

”اہل یمن کو خبر دینا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کے مالوں میں زکوٰۃ فرض کی ہے، جو ان کے امیروں سے لی جائے گی اور فقیروں میں بانٹ دی جائے گی۔“

(صحیح البخاری: 1395، صحیح مسلم: 19)

سامان تجارت مال ہے، اس حدیث کے عموم میں داخل ہے۔

## اجماع امت:

① امام قاسم بن سلام رحمۃ اللہ علیہ (۲۲۴ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ أَنَّ الزَّكَاةَ فَرَضٌ وَاجِبٌ فِيهَا وَأَمَّا الْقَوْلُ  
الْآخِرُ فَلَيْسَ مِنْ مَذَاهِبِ أَهْلِ الْعِلْمِ عِنْدَنَا.

”مسلمانوں کا اجماع ہے کہ مال تجارت میں زکوٰۃ فرض واجب ہے، اس کے برخلاف ایک قول ہے، جو ہمارے مطابق اہل علم میں سے کسی کا مذہب نہیں۔“

(الأموال: 1202)

② امام ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ (۳۱۹ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعُوا عَلَى أَنَّ فِي الْعُرُوضِ الَّتِي تُدَارُ لِلتِّجَارَةِ الزَّكَاةَ إِذَا  
حَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ.

”اہل علم کا اجماع ہے کہ مال تجارت پر سال گزر جائے، تو اس پر زکوٰۃ ہے۔“

(الإجماع: 115، المجموع شرح المہذب للنووي: 47/6)

## آثار صحابہ و محدثین:

① سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

لَيْسَ فِي الْعُرُوضِ زَكَاةٌ إِلَّا مَا كَانَ لِلتَّجَارَةِ.  
 ”سامان تجارت کے علاوہ سامان پر زکوٰۃ نہیں۔“

(السَّنن الكُبْرَى للبيهقي: 174/4، وسننهٌ صحيحٌ)

حافظ نووی رحمۃ اللہ علیہ (المجموع: ۶/۳۶) نے اس اثر کی سند کو ”صحیح“ اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ (الدرایۃ: ۱/۲۶۱) نے اس اثر کو ”صحیح“ کہا ہے۔

❁ یہ قول ذکر کرنے کے بعد حافظ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

هَذَا قَوْلُ عَامَّةِ أَهْلِ الْعِلْمِ.  
 ”اکثر اہل علم کا یہی مذہب ہے۔“

② امام عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے زریق بن حیان رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا:

أَنْ أَنْظُرَ مَنْ مَرَّ بِكَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، فَخُذْ مِمَّا ظَهَرَ مِنْ أَمْوَالِهِمْ،  
 مِمَّا يُدِيرُونَ مِنَ التَّجَارَاتِ، مِنْ كُلِّ أَرْبَعِينَ دِينَارًا، دِينَارًا.  
 ”مسلمانوں کے تجارتی سامان میں ہر چالیس دینار پر ایک دینار زکوٰۃ وصول کیجئے۔“

(موطأ الإمام مالك: 1/255، وسننهٌ صحيحٌ)

③ امام عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لَا صَدَقَةَ فِي اللُّؤْلُؤِ، وَلَا زَبْرَجِدٍ، وَلَا يَاقُوتٍ، وَلَا فُصُوصٍ،  
 وَلَا عَرَضٍ، وَلَا شَيْءٍ لَا يُدَارُ، وَإِنْ كَانَ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ يُدَارُ  
 فَفِيهِ الصَّدَقَةُ فِي ثَمَنِهِ حِينَ يُبَاعُ.

”موتی، زبرجد، یاقوت، فصوص، سامان اور جس چیز کی تجارت نہ کی جائے،  
 میں زکوٰۃ نہیں۔ سامان تجارت کی قیمت فروخت پر زکوٰۃ ہے۔“

(مصنف ابن ابی شیبہ: 144/3، وسندہ حسن)

✽ نیز آپ ﷺ سے سوال ہوا:

تَاجِرٌ لَهُ مَالٌ كَثِيرٌ فِي أَصْنَافٍ شَتَّى، حَضَرَ زَكَاتَهُ، أَعْلَيْهِ أَنْ يُقَوِّمَ مَتَاعَهُ عَلَى نَحْوِ مَا يَعْلَمُ أَنَّهُ تَمَنَّهُ فَيُخْرِجَ زَكَاتَهُ؟ قَالَ: لَا، وَلَكِنْ مَا كَانَ مِنْ ذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ أَخْرَجَ مِنْهُ زَكَاتَهُ، وَمَا كَانَ مِنْ بَيْعٍ أَخْرَجَ مِنْهُ إِذَا بَاعَهُ.

”ایک تاجر کے پاس کئی اصناف کا کثیر مال ہے، اس کی زکوٰۃ کا وقت آ گیا ہے، کیا وہ اندازے سے مال کی قیمت طے کر کے زکوٰۃ ادا کر دے؟ فرمایا: نہیں، بلکہ وہ سونے اور چاندی کی زکوٰۃ سونے چاندی سے ہی دے اور تجارتی مال کی زکوٰۃ اس وقت دے، جب اسے فروخت کرے۔“

(الأموال لابن زنجويه: 1703، وسندہ صحیح)

جس دن زکوٰۃ فرض ہو، اس دن سامان کی محتاط اندازہ سے قیمت لگائے گا، اس کی ادائیگی اسی وقت بھی ہو سکتی ہے اور مال کے فروخت کرنے پر بھی۔

④ امام میمون بن مہران رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

إِذَا حَلَّتْ عَلَيْكَ الزَّكَاةُ فَانظُرْ مَا كَانَ عِنْدَكَ مِنْ نَقْدٍ أَوْ عَرْضٍ لِبَيْعٍ، فَقَوِّمُهُ قِيمَةَ النَّقْدِ، وَمَا كَانَ مِنْ دَيْنٍ فِي مَلَاءَةٍ فَاحْسِبْهُ، ثُمَّ اطْرَحْ مِنْهُ مَا كَانَ عَلَيْكَ مِنَ الدَّيْنِ، ثُمَّ زَكِّ مَا بَقِيَ.

”جب سامان پر زکوٰۃ کا وقت آ گیا (یعنی سال پورا ہو گیا)، تو آپ کے پاس جو بھی نقدی یا سامان تجارت موجود ہے، اس کی قیمت کا نقدی کی صورت میں

اندازہ لگائیے، جو قرض ہے، اسے شمار کیجئے، پھر اس سے قرض کو نکال دیجئے اور باقی مال پر زکوٰۃ ادا کر دیں۔“

(الأموال للقاسم بن سلام: 1184، وسندہ حسن)

⑤ فقیہ جابر بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قَوْمُهُ بِنَحْوِ مَن تَمَنِيهِ يَوْمَ حَلَّتْ فِيهِ الزَّكَاةُ، ثُمَّ أَخْرَجَ زَكَاتَهُ .  
”اپنے سامان کی اس دن کی قیمت کے مطابق تخمینہ لگائیے، جس دن زکوٰۃ فرض ہوئی ہے، پھر اس پر زکوٰۃ ادا کر دیجئے۔“

(الأموال للقاسم بن سلام: 1182، وسندہ حسن)

**(سوال):** نوے (۹۰) بکریاں ہیں، جن میں دو بندوں کی شراکت ہے۔ ایک کی چچاس بکریاں ہیں اور دوسرے کی چالیس بکریاں ہیں، ساری بکریوں کو ایک ہی شخص چراتا ہے، اب اگر دونوں شخص الگ الگ زکوٰۃ نکالیں، تو دونوں پر ایک ایک بکری واجب ہے اور اگر اکٹھی نکالیں، تو ایک بکری واجب ہوگی، تو کیا حکم ہے؟

**(جواب):** جب بکریوں کا ریوڑھ ایک ہو، مشرب اور چراگاہ بھی اکٹھی ہو، نیز باڑہ بھی ایک ہی ہو، تو ان سب پر اکٹھی زکوٰۃ واجب ہوگی، الگ الگ واجب نہ ہوگی۔ لہذا مذکورہ صورت میں ساری بکریوں میں ایک بکری زکوٰۃ واجب ہوگی، جس کی ادائیگی دونوں مالکوں پر شراکت کے تناسب سے واجب ہوگی۔

❁ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

”سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھے بحرین بھیجا، تو یہ خط لکھ کر دیا: بسم اللہ الرحمن الرحیم یہ زکوٰۃ کا فریضہ ہے، جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق مسلمانوں پر فرض کیا ہے، جس مسلمان سے اس میں مذکور نصاب کے

مطابق زکوٰۃ کا مطالبہ کیا جائے، تو وہ ادا کرے اور جس سے اس نصاب سے زائد مطالبہ کیا جائے، تو وہ صاف انکار کر دے۔“

اس خط میں مزید فرمایا:

لَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُتَفَرِّقٍ وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ خَشِيَةَ الصَّدَقَةِ  
وَمَا كَانَ مِنْ خَلِيطَيْنِ فَإِنَّهُمَا يَتَرَاجَعَانِ بَيْنَهُمَا بِالسُّوِيَّةِ .

”زکوٰۃ کے ڈر سے الگ الگ چرنے والی بکریوں کو اکٹھا کیا جائے، نہ اکٹھی چرنے والیوں کو الگ الگ کیا جائے اور جو جانور دو آدمیوں کے مشترک ہوں، تو وہ مساوی طور پر زکوٰۃ کا حصہ نکالیں گے۔“

(صحیح البخاری: 1448-1450-1455، المنتقى لابن الجارود: 342)

**(سوال):** فقیر و مسکین کسے کہتے ہیں؟

**(جواب):** فقیر اور مسکین اس شخص کو کہتے ہیں، جس کے پاس اپنی بنیادی ضروریات

پوری کرنے کی مالی استعداد موجود نہ ہو، بلکہ وہ دوسروں کا محتاج ہو۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسَاكِينَ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ﴾

(الكهف: 79)

”دستی مسکینوں کی ملکیت ہے، جو سمندر میں کام کرتے ہیں۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسکین کی ملکیت میں مال ہوتا ہے، مگر اتنا نہیں کہ وہ اس

سے اپنی بنیادی ضروریات پوری کر سکے۔

**(سوال):** کسی کو صدقہ دینے کے بعد اس پر احسان جتلانے کا کیا حکم ہے؟

(جواب): کسی سے نیکی کرنے کے بعد اس کو جتلا نا نہیں چاہیے، اس سے عمل ضائع ہو جاتا ہے، نیز سخت وعید کا بھی مستحق ٹھہرتا ہے۔

✽ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْطُلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ﴾

(البقرة: 264)

”مومنو! اپنے صدقات احسان جتلا کرو اور اذیت دے کر برباد مت کرو۔“

مفسرین کی رائے یہ ہے کہ خیرات ضائع کرنے اور مٹانے سے مراد ثواب کو ضائع کرنا ہے۔

✽ سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”روز قیامت اللہ تین لوگوں سے کلام نہیں کرے گا، نہ ان کی طرف دیکھے گا، نہ

ان کا تزکیہ فرمائے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ

نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی۔ سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: وہ تو ناکام و نامراد

ہو گئے، اللہ کے رسول! وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: ازار (ٹخنے سے نیچے) لٹکانے

والا، احسان جتلانے والا اور جھوٹی قسم سے سودا بیچنے والا۔“

(صحیح مسلم: 106)

(سوال): حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”میری اور علی کی مثال ایسے

ہے، جیسے سیدنا ہارون اور سیدنا موسیٰ علیہما السلام کی مثال ہے۔“ اس حدیث کا کیا مفہوم ہے؟

(جواب): نبی کریم ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور اپنی مثال سیدنا ہارون اور سیدنا

موسیٰ علیہما السلام سے بیان کی ہے۔

✽ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

خَلَّفَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ تُخَلِّفُنِي فِي النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ؟ فَقَالَ: أَمَا تَرْضَى أَنْ تَكُونَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى؟ غَيْرَ أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي.

”غزوہ تبوک کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو (مدینہ میں) اپنا جانشین مقرر کیا، سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں پیچھے چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ فرمایا کیا آپ اس بات پر راضی نہیں کہ میرے ساتھ آپ کی وہی نسبت ہو، جو ہارون علیہ السلام کی موسیٰ علیہ السلام سے تھی، البتہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔“

(صحیح البخاری: 3706، صحیح مسلم: 2404، واللفظ له)

✽ صحیح مسلم میں یہ الفاظ بھی ہیں:

إِنَّهُ لَا نُبُوَّةَ بَعْدِي.

”میرے بعد کوئی نبوت نہیں۔“

✽ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ (544ھ) اس کا معنی بیان کرتے ہیں:

قَوْلُهُ: أَنْتَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى، يُرِيدُ فِي تَقْدِيمِهِ عَلَى مَنْ يُخَلِّفُهُ، اسْتَشْنَى مِنْ حَالِ هَارُونَ بَعْضَ صِفَاتِهِ، وَهِيَ النُّبُوَّةُ، لِأَنَّ هَارُونَ كَانَ نَبِيًّا، وَقَدْ أَعْلَمَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ



وَالسَّلَامُ أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ، وَمَعْنَاهُ مُنْذُ بُعِثَ، أَيُّ بَعْدَ مَبْعَثِهِ  
انْقَطَعَتِ النَّبُوءَةُ، فَلَا نَبِيَّ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ.

”رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”آپ کی اور میری مثال وہی ہے، جو ہارون اور موسیٰ علیہ السلام کی ہے۔“ اس حدیث سے مقصود سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو پیچھے چھوڑے گئے لوگوں پر فضیلت دینا تھا، پھر آپ ﷺ نے اس تشبیہ سے ہارون علیہ السلام کی صفت نبوت کو مستثنیٰ کر دیا، کیوں کہ ہارون علیہ السلام تو نبی تھے اور رسول اللہ ﷺ نے بتایا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ ”میرے بعد کوئی نبی نہیں۔“ کا معنی یہ ہے کہ آپ کی بعثت کے بعد نبوت کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے، اب قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا۔“ (إكمال المعلم: 413/7)

✿ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ (597ھ) لکھتے ہیں:

لَمَّا شَبَّهَهُ فِي تَخْلِيْفِهِ إِيَّاهُ بِهَارُونَ حِينَ خَلَفَهُ مُوسَى، خَافَ  
أَنْ يَتَأَوَّلَ مَتَأَوَّلٌ فَيَدَّعِي النَّبُوءَةَ لِعَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ، فَقَالَ: غَيْرَ  
أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي، وَإِنَّمَا كَانَتْ خِلَافَةُ هَارُونَ فِي وَفْتٍ  
خَاصِّ فِي حَيَاةِ مُوسَى.

”رسول اللہ ﷺ نے جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام بنانے کی تشبیہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے سیدنا ہارون علیہ السلام کو قائم مقام بنانے سے دی، تو یہ شبہ پیدا ہوا کہ کوئی اس فرمان سے دلیل لے کر نبوت کا دعویٰ ہی نہ کر دے، تو فرمایا کہ ہاں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ ہارون علیہ السلام کی خلافت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے

ایک خاص حصے میں تھی۔“ (کشف المُشکل: 236/1)

## ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

اس حدیث کے معنی میں ایک شبہ وارد کیا گیا ہے، ملاحظہ ہو!

✽ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

يَا عَلِيُّ أَمَا تَرْضَى أَنْ تَكُونَ مِنِّي كَهَارُونَ مِنْ مُوسَى غَيْرَ  
أَنَّكَ لَسْتَ بِنَبِيِّ؟ قَالَ: بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ: فَإِنَّهُ كَذَلِكَ.

”علی! کیا آپ اس بات پر راضی نہیں ہیں کہ میری اور آپ کی مثال موسیٰ  
وہارون علیہ السلام والی ہو؟ البتہ آپ نبی نہیں ہیں؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہا: اللہ کے  
رسول! آپ نے سچ فرمایا، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بات ہی یہی ہے۔“

(طبقات ابن سعد: 25/3)

یہاں شبہ اٹھایا جاتا ہے کہ اس روایت نے حدیث: لَا نَبِيَّ بَعْدِي کا مطلب واضح  
کر دیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے بعد نبوت کی نفی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص ہے،  
آپ ﷺ کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ نبی نہیں بن سکتے، یہ مراد نہیں کہ کوئی اور بھی نہیں بن سکتا۔

یہ استدلال و شبہ منطقی، عقلی اور اصولی دلائل کے اعتبار سے بالکل بے جان ہے، اس  
سے کسی بھی طور ثابت نہیں ہوتا کہ یہ روایت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص ہے، بلکہ یہ عمومی  
قاعدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی نبی نے نہیں آنا اور اس عموم میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی  
شامل ہیں، اس میں ان کی کوئی خصوصیت نہیں، مثلاً: میں کسی سے کہتا ہوں کہ آپ اللہ کے  
شریک نہیں ہیں، تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوگا کہ دوسرے لوگ اللہ کے شریک ہیں، بلکہ عمومی  
قاعدہ ہے کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں، اب جس سے بھی کہا جائے گا کہ آپ اللہ کے شریک

نہیں ہیں، تو عموم کا فرد ہونے کے ناطے کہا جائے گا، اس حدیث سے بھی یہی مراد ہے، دوسرے یہ کہ یہ روایت ہی ضعیف ہے، اس میں میمون ابو عبد اللہ کنڈی ”ضعیف“ ہے۔

(تقریب التہذیب لابن حجر: 7051)

**(سوال):** کیا راستے سے تکلیف دہ چیز کو دور کرنا ایمان ہے؟

**(جواب):** ایمان کے مختلف درجات ہیں، ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ راستے سے تکلیف دہ چیز کو

دور کر دیا جائے۔

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”ایمان کے ستر یا ساٹھ سے کچھ اوپر شعبے ہیں، سب سے افضل شعبہ لا الہ الا اللہ کہنا ہے اور سب سے آخری شعبہ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے، نیز حیاء بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے۔“

(صحیح البخاری: 9، صحیح مسلم: 35، واللفظ لہ)

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي بِطَرِيقٍ، وَجَدَ عُصْنَ شَوْكٍ عَلَى الطَّرِيقِ،  
فَآخَرَهُ فَشَكَرَ اللَّهُ لَهُ فَغَفَرَ لَهُ.

”ایک شخص راستے پر چل رہا تھا، اس نے ایک کانٹے دار ٹہنی دیکھی، اس نے اسے ہٹا دیا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کی قدر دانی کی اور اسے معاف فرما دیا۔“

(صحیح مسلم: 1914)

**(سوال):** کیا اذان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کا انگوٹھے چومنا

ثابت ہے؟

(جواب): مسند فردوس از دلیلی میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق روایت ہے:  
 إِنَّهُ لَمَّا سَمِعَ قَوْلَ الْمُؤَدِّنِ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ قَالَ  
 هَذَا، وَقَبَّلَ بَاطِنَ الْأُنْمَلَتَيْنِ السَّبَابَتَيْنِ وَمَسَحَ عَيْنَيْهِ، فَقَالَ  
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ فَعَلَ مِثْلَ مَا فَعَلَ خَلِيلِي، فَقَدْ  
 حَلَّتْ عَلَيْهِ شَفَاعَتِي.

”جب آپ رضی اللہ عنہ نے مؤذن کو اَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ کہتے سنا، تو یہی الفاظ کہے اور دونوں انکشت شہادت کے پورے جانب زریں سے چوم کر آنکھوں سے لگائے، اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ایسا کیا، جیسا میرے پیارے نے کیا ہے، اس کے لیے میری شفاعت حلال ہوگئی۔“

(المقاصد الحسنۃ للسخاوی، ص 384)

جھوٹ ہے۔

① اس کی سند نہیں ملی۔

② حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ (902ھ) نے اس روایت کے متعلق لکھا ہے:

لَا يَصِحُّ. ”یہ روایت ثابت نہیں ہے۔“

بعض احباب کہتے ہیں کہ لَا يَصِحُّ ”یہ روایت صحیح نہیں ہے۔“ سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ ”حسن“ بھی نہیں ہے، یہ ان کی بات خطائے محض کی قبیل سے ہے اور اس روایت پر توفٹ بھی نہیں آتی، کیوں کہ اس روایت کی تو سند ہی موجود نہیں۔

(سوال): کبار تابعین کی مرسل روایت کا کیا حکم ہے؟

(جواب): تابعین کی مرسل روایات ناقابل حجت ہیں، خواہ تابعی کبیر ہو یا صغیر، کیونکہ

اگر تابعی کبیر کی اکثر و بیشتر روایات صحابہ سے ہوتی ہیں، مگر بعض روایات تابعین سے بھی ہوتی ہیں، تو معلوم نہیں کہ وہ روایت بھی تابعی سے ہو، لہذا اس جہالت کی بنا پر تابعی کبیر کی روایت کو ناقابل احتجاج سمجھا جائے گا۔

❁ امام مسلم بن حجاج رحمۃ اللہ علیہ (۲۶۱ھ) ”مرسل“ کے بارے میں فرماتے ہیں:

الْمُرْسَلُ فِي أَصْلِ قَوْلِنَا وَقَوْلِ أَهْلِ الْعِلْمِ بِالْأَخْبَارِ لَيْسَ بِحُجَّةٍ .  
 ”ہمارے اور محدثین کے ہاں مرسل حجت نہیں ہے۔“

(مقدمة صحيح مسلم، ص 20)

**سوال:** کیا استحاضہ والی عورت سے شوہر ازدواجی تعلقات قائم کر سکتا ہے؟

**جواب:** استحاضہ ایک بیماری ہے، جو ایک رگ کے کٹنے کی وجہ سے ہوتی ہے، استحاضہ والی عورت پاک ہوتی ہے۔ اس میں بیوی سے ازدواجی تعلق قائم کرنا جائز ہے۔  
 ❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَإِنُؤَا حَرْتِكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ﴾ (البقرة: 223)

”بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں۔ اپنی کھیتی کو جیسے چاہو، آؤ۔“

آیت کے عموم سے معلوم ہوا کہ استحاضہ میں مجامعت جائز ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے ممانعت ثابت نہیں۔

❁ علامہ مرغینانی حنفی رحمۃ اللہ علیہ (593ھ) لکھتے ہیں:

دَمُ الْإِسْتِحَاضَةِ كَالرُّعَافِ الدَّائِمِ، لَا يَمْنَعُ الصَّوْمَ وَلَا الصَّلَاةَ  
 وَلَا الْوَطْئَ .

”استحاضہ کا خون، دائمی نکسیر کی طرح ہے۔ روزے، نماز اور جماع سے رکاوٹ

نہیں۔“ (الہدایۃ : ص 64، فتاویٰ عالمگیری: 39/1)

**(سوال):** کیا قبلہ کی طرف رخ کرنا ”بت پرستی“ ہے؟

**(جواب):** بعض ہندو اور بت پرست لوگ اسلام پر اعتراض کرتے ہیں کہ مسلمان بھی ہماری طرح کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں اور کعبہ پتھر کا ہے، لہذا مسلمان بھی (نعوذ باللہ) ”بت پرست“ ہیں۔

جبکہ یہ غلط فہمی ہے۔ کوئی مسلمان کعبہ کو اپنا خدا یا معبود نہیں سمجھتا، بلکہ یہ صرف ایک جہت ہے، جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، پھر مسلمانوں کے نزدیک کعبہ کے اندر داخل ہو کر نماز پڑھنا بھی جائز ہے، بھلا کوئی شخص اپنے معبود کے اوپر چڑھ سکتا ہے؟؟؟ لہذا کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے، تاکہ مسلمانوں میں اتحاد قائم رہے، ورنہ ایک ہی مسلمان میں کچھ لوگ مشرق کی طرف، کچھ مغرب کی طرف، کچھ شمال اور کچھ جنوب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہے ہوں گے، تو بد نظمی پیدا ہو جائے گی۔

کعبۃ اللہ نماز پڑھنے کے لیے جہت اور سمت ہے، مسلمان اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہی حکم دیا ہے، جیسا کہ پہلے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کا حکم دیا تھا۔

**(سوال):** کیا حجر اسود کو بوسہ دینا ”سنگ پرستی“ ہے؟

**(جواب):** بت پرستوں کی طرف سے ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ مسلمان بھی

ان کی طرح ”بت پرست“ ہیں، اس لیے کہ وہ بھی سیاہ پتھر کو چومتے ہیں اور ہم بھی جبکہ یہ اعتراض محض جہالت ہے۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ حجر اسود جنت کا پتھر ہے، مگر یہ کسی نفع یا نقصان کا مالک نہیں، اس کو چومنے کی وجہ انبیائے کرام علیہم السلام کا اتباع ہے، خود

جناب محمد رسول اللہ ﷺ کہ جنہوں نے بیت اللہ کو بتوں سے پاک کیا، نے حجر اسود کا بوسہ لیا ہے۔ اسی سنت پر عمل کرتے ہوئے مسلمان حجر اسود کا استلام کرتے ہیں۔

✽ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حجر اسود کے پاس آئے، اسے بوسہ دیا اور فرمایا:

إِنِّي أَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ، لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ، وَلَوْ لَا أَنِّي رَأَيْتُ  
النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْبَلُكَ مَا قَبَّلْتُكَ .

”بے شک میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع دے سکتا ہے، اگر میں نے نبی کریم ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا، تو میں تجھے ہرگز بوسہ نہ دیتا۔“

(صحیح البخاری: 1597، صحیح مسلم: 1270)

**سوال:** گھر میں شیر پالنا کیسا ہے؟

**جواب:** شیر درندہ ہے، درندوں کو پالنا جائز نہیں۔ یہ نقصان بھی پہنچا سکتا ہے۔

**سوال:** کسی کو برے القابات سے پکارنا کیسا ہے؟

**جواب:** کسی کے نام کو بگاڑ کر بولنا یا اسے برے لقب سے پکارنا جائز نہیں، یہ گناہ

کبیرہ ہے، اس سے منع کیا گیا ہے۔

✽ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿..... وَلَا تَنَابَزُوا بِاللِّقَابِ بِئْسَ الْأَسْمُ الْمُسَوِّقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ

وَمَنْ لَمْ يَتُبْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ (الحجرات: ۱۱)

”..... ایک دوسرے کو (برے) القابات سے مت چڑاؤ۔ ایمان کے بعد

برے نام سے پکارنا گناہ ہے، جنہوں نے توبہ نہ کی، وہ ظالم ہیں۔“

**(سوال):** محراب میں کھڑے ہو کر امامت کرانا کیسا ہے؟

**(جواب):** محراب میں کھڑے ہو کر امامت کرانا جائز اور درست ہے، خواہ کوئی دشواری

نہ بھی ہو۔ محراب مسجد کا حصہ ہے، جو شرعی ضرورت کے پیش نظر بنایا گیا ہے۔ محراب کا وہی حکم ہے، جو مسجد کا ہے، اس کی ممانعت نہیں۔

کہا گیا ہے:

يُكْرَهُ قِيَامُ الْإِمَامِ وَحْدَهُ فِي الطَّاقِ وَهُوَ الْمِحْرَابُ وَلَا يُكْرَهُ  
سُجُودُهُ فِيهِ إِذَا كَانَ قَائِمًا خَارِجَ الْمِحْرَابِ هَكَذَا فِي التَّبْيِينِ وَإِذَا  
ضَاقَ الْمَسْجِدُ بِمَنْ خَلْفَ الْإِمَامِ فَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَقُومَ فِي الطَّاقِ .

”محراب میں اکیلا کھڑا ہونا امام کے لئے مکروہ ہے۔ البتہ محراب میں سجدہ کرنا جائز ہے، جب نماز محراب سے باہر کھڑے ہو کر ادا کر رہا ہو۔ تبیین میں ایسا ہی لکھا ہے۔ مسجد تنگ پڑ جائے، تو امام محراب میں کھڑا ہو سکتا ہے، یہ جائز ہے۔“

(فتاویٰ عالمگیری: 1/108)

مفتی محمود صاحب لکھتے ہیں:

”امام کا محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے، یعنی کراہت تنزیہی ہے۔ جگہ کی قلت اور جگہ کی دشواری اور نمازیوں کی کثرت کے وقت خود محراب میں کھڑا ہونا مکروہ نہیں ہے۔“

(فتاویٰ محمودیہ: 6/504، 506)

کراہت پر کوئی دلیل شرعی نہیں۔

علامہ ابن امیر الحاج حنفی رحمۃ اللہ علیہ (۸۷۹ھ) اپنی کتاب حلیۃ المجلیٰ



شَرَحُ مُنِيَةِ الْمُصَلِّيِّ فِيهِ لِكَيْتِي هِي:

أَمَّا الْمَسَاجِدُ الَّتِي بُنِيَتْ، وَفِيهَا الطَّاقُ ابْتِدَاءً، فَهُوَ مِنْ جُمْلَةِ الْمَسْجِدِ، فَلَا يُكْرَهُ لِلْإِمَامِ الْوُقُوفُ فِيهِ، وَالطَّاقُ هُوَ الْمِحْرَابُ. ”جن مساجد میں ابتدا سے ہی محراب بنے ہوں، وہ مسجد کے حکم میں ہوں گے، لہذا اس میں امام بلا کراہت کھڑا ہو سکتا ہے۔“

(الفوائد البهيّة لعبد الحي اللكهنوي، ص 17)

علامہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ (۷۹۴ھ) فرماتے ہیں:

الْمَشْهُورُ الْجَوَازُ بِلَا كَرَاهَةٍ، وَلَمْ يَزَلْ عَمِلَ النَّاسُ عَلَيْهِ مِنْ غَيْرِ نَكِيرٍ.

”مشہور یہی ہے کہ محراب بنانا بلا کراہت جائز ہے، لوگوں کا اس پر ہمیشہ سے عمل رہا، کسی نے انکار نہیں کیا۔“

(إعلام السّاجد بأحكام المساجد، 364)

دلائل ملاحظہ ہوں:

① رفاعہ بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں:

رَأَيْتُ سُوَيْدَ بْنَ غَفَلَةَ يُصَلِّي فِي الطَّاقِ.

”میں نے سوید بن غفلمہ رحمۃ اللہ علیہ کو محراب میں نماز پڑھتے دیکھا۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة: 2/59، وسندّه حسن)

② موسیٰ بن نافع ابوشہاب حنظل رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں:

رَأَيْتُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ يُصَلِّي فِي الطَّاقِ.

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

”میں نے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کو محراب میں نماز پڑھتے دیکھا۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة: 59/2، سندہ حسن)

③ فطر بن خليفه رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

رَأَيْتُ أَبَا رَجَاءٍ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ .

”میں نے ابو رجاء عطار دی رضی اللہ عنہ کو محراب میں نماز پڑھتے دیکھا۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة: 59/2، سندہ حسن)

✽ اسحاق بن منصور رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

قُلْتُ : تَكَرَّرَ الْمِحْرَابَ فِي الْمَسْجِدِ؟ قَالَ : مَا أَعْلَمُ فِيهِ

حَدِيثًا يَثْبُتُ، وَرُبَّ مَسْجِدٍ يَحْتَاجُ إِلَيْهِ يُرْتَفَقُ بِهِ، قَالَ

إِسْحَاقُ : كَمَا قَالَ .

”میں نے پوچھا: کیا آپ مسجد میں محراب مکرر سمجھتے ہیں؟ امام احمد بن

حنبل رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اس سلسلے میں کوئی صحیح حدیث میرے علم میں نہیں، کتنی

مساجد ہیں کہ جن میں سمتِ قبلہ معلوم کرنے کے لیے محراب کی ضرورت ہوتی

ہے۔ امام اسحاق بن راہویہ رضی اللہ عنہ نے بھی یہی فرمایا۔“

(مسائل الإمام أحمد وإسحاق بن راهويه: 151/1)

تنبیہ ①:

✽ سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اتَّقُوا هَذِهِ الْمَذَابِحَ، يَعْنِي الْمِحْرَابِ .

”محراب بنانے سے بچیں۔“

(المُعْجَمُ الْكَبِيرُ لِلطَّبْرَانِيِّ : 540/13، ح : 14433، السَّنَنِ الْكَبِيرِيُّ لِلْبَيْهَقِيِّ :  
616/2، وسندهٌ صحيحٌ)

محراب کے کئی معانی ہیں؛ ان میں ایک معنی ”صدر مجلس“ ہے، یعنی مجلس میں ایک اونچا مقام بنانا۔ تو نبی کریم ﷺ نے جن محرابوں سے منع کیا ہے، ان سے مراد خاص بلند جگہیں ہیں، جو تکبر و بڑائی کا باعث بنتی ہیں، لہذا اس سے منع کر دیا گیا۔ ”صدر مجالس“ بنانا اور ان پر بیٹھنا جائز نہیں، خواہ مسجد کے اندر بنائے جائیں، یا مسجد سے باہر۔

اس حدیث کا تعلق مسجد کے محراب سے نہیں، مسجد میں محراب بنانا بلا کراہت جائز ہے۔

② علقمہ رضی اللہ عنہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

إِنَّهُ كَرِهَ الصَّلَاةَ فِي الْمِحْرَابِ وَقَالَ : إِنَّمَا كَانَتْ الْكِنَائِسُ

فَلَا تَشْبَهُوا بِأَهْلِ الْكِتَابِ، يَعْنِي : أَنَّهُ كَرِهَ الصَّلَاةَ فِي الطَّاقِ .

”آپ رضی اللہ عنہ محراب میں نماز پڑھنا پسند نہیں کرتے تھے اور فرماتے کہ یہ گرجوں

کی طرح ہیں، اہل کتاب سے مشابہت اختیار مت کریں۔“

(مسند البزار : 1577)

تبصرہ:

سند ضعیف ہے۔ میمون ابو حمزہ امور ضعیف ہے۔ ابراہیم نخعی کا عنعنہ ہے۔

③ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

اتَّقُوا هَذِهِ الْمَحَارِبَ .

”محراب بنانے سے بچیں۔“

(مصنف ابن أبي شيبة : 58/2)

## تبصرہ:

سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔ ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نہیں سنا۔

④ سالم بن ابی جعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ يَقُولُونَ: إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ  
تَتَّخِذُ الْمَدَائِحُ فِي الْمَسَاجِدِ يَعْنِي الطَّاقَاتِ .

”صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے تھے: قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کہ مساجد میں  
محراب بنائے جائیں گے۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة: 58/2)

## تبصرہ:

سند ضعیف ہے۔ عبیدہ بن معتب ضعیف ”ضعیف اور مخلط“ ہے۔

(تقریب التّہذیب لابن حجر: 4416)

⑤ سالم بن ابی جعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

لَا تَتَّخِذُوا الْمَدَابِحَ فِي الْمَسَاجِدِ .

”مساجد میں محراب مت بنائیں۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة: 58/2، وسنده حسن)

یہاں بھی محراب سے مراد وہ بلند و بالا جگہ ہے، جو کسی کے بیٹھے کے لیے خاص کی جاتی  
ہے، کہ ایسی جگہیں مساجد میں مت بنائی جائیں۔

## فتاویٰ امن پوری (قسط ۱۸۷)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

**(سوال)** سجدے کو جاتے وقت پہلے ہاتھ رکھنے چاہئیں یا گھٹنے؟

**(جواب)** اس مسئلہ میں دونوں طرف کی مرفوع و موقوف روایات ضعیف و غیر ثابت

ہیں، البتہ سلف کے بعض آثار ملتے ہیں، جن کی بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ سجدے کو جاتے وقت چاہے پہلے ہاتھ رکھیں، یا پہلے گھٹنے رکھیں، دونوں طرح جائز ہے۔

**(سوال)** مندرجہ ذیل روایت کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي قَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا إِنْ اِعْتَصَمْتُمْ بِهِ فَلَنْ تَضَلُّوا أَبَدًا كِتَابَ اللَّهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

”لوگو! میں نے آپ میں دو ایسی چیزیں چھوڑی ہیں، جن کو آپ تھام لیں گے، تو کبھی گمراہ نہ ہوں گے؛ ایک اللہ کی کتاب اور دوسری اس کے نبی ﷺ کی سنت۔“

(المستدرک للحاکم: 94/1)

**(جواب)** سند ضعیف ہے۔ ابواولیس عبداللہ بن عبداللہ مدنی ضعیف ہے۔

حافظ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قَدْ ضَعَّفَهُ الْأَكْثَرُونَ .

”اکثر محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔“

(المجموع شرح المهذب: 20/9)

**سوال:** مندرجہ ذیل روایت کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

❁ قیس مدنی سے مروی ہے:

إِنَّ رَجُلًا جَاءَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ، فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ، فَقَالَ لَهُ زَيْدٌ:  
عَلَيْكَ أبا هُرَيْرَةَ، فَإِنِّي بَيْنَمَا أَنَا وَأَبُو هُرَيْرَةَ، وَفُلَانٌ فِي  
الْمَسْجِدِ ذَاتَ يَوْمٍ نَدَعُو اللَّهَ، وَنَذْكُرُ رَبَّنَا، خَرَجَ عَلَيْنَا  
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى جَلَسَ إِلَيْنَا فَسَكَّتْنَا  
فَقَالَ: عُدُّوا لِلَّذِي كُنْتُمْ فِيهِ قَالَ زَيْدٌ: فَدَعَوْتُ أَنَا وَصَاحِبِيَّ  
قَبْلَ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَجَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
يُؤَمِّنُ عَلَيَّ دُعَائِنَا، ثُمَّ دَعَا أَبُو هُرَيْرَةَ، فَقَالَ: اَللَّهُمَّ إِنِّي  
أَسْأَلُكَ مِثْلَ مَا سَأَلَكَ صَاحِبَايَ هَذَانِ، وَأَسْأَلُكَ عِلْمًا لَا  
يُنْسَى، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: آمِينَ، فَقُلْنَا  
: يَا رَسُولَ اللَّهِ وَنَحْنُ نَسْأَلُ اللَّهَ عِلْمًا لَا يُنْسَى، فَقَالَ:  
سَبَقْتُكُمْ بِهَا الْعُلَامُ الدَّوْسِيُّ.

”سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور کسی چیز کے متعلق سوال کیا، تو سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: آپ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس جائیے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک دن میں، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور فلاں شخص مسجد میں تھے، ہم اللہ سے دعا کر رہے تھے اور اس کا ذکر کر رہے تھے کہ رسول

اللہ ﷺ تشریف لائے اور ہمارے پاس بیٹھ گئے، ہم خاموش ہو گئے، تو فرمایا: اپنا عمل جاری رکھیں۔ تو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پہلے میں (زید رضی اللہ عنہ) اور میرے ساتھی نے دعا کی، رسول اللہ ﷺ ہماری دعا پر آمین کہتے رہے، پھر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے دعا کی: ”اللہ! میں تجھ سے وہی کچھ مانگتا ہوں، جو میرے ان دو ساتھیوں نے مانگا ہے اور میں تجھ سے ایسے علم کا طلب گار ہوں، جو کبھی نہ بھولے۔“ رسول اللہ ﷺ نے آمین کہا۔ تو ہم نے کہا: اللہ کے رسول! ہم بھی اللہ تعالیٰ سے کبھی نہ بھولنے والے علم کا سوال کرتے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: دوسو نوجوان آپ سے سبقت لے گیا ہے۔“

(السَّننُ الْكَبْرَىٰ لِلنَّسَائِي: 5870، المعجم الأوسط للطبراني: 1228، المستدرک

للحاكم: 508/3)

(جواب): سند ضعیف ہے۔ قیس مدنی مجہول ہے۔

(تقریب التہذیب لابن حجر: 5602)

لہذا حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ (الاصابہ: ۳/۲۰۸) کا اس کی سند کو ”جید“ قرار دینا درست نہ ہوا۔

(سوال): برسی منانا کیسا ہے؟

(جواب): برسی منانا بدعت اور فتیح فعل ہے۔ برسی پر بے شمار بدعات و خرافات کا

ارتکاب کیا جاتا ہے، نیز یہ عمل شرعاً بے اصل ہے۔

✽ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذُنْ بِهِ اللَّهُ  
وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَفُضِّي بَيْنَهُمْ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ

الَّيْمِ ﴿الشُّورَى: ۲۱﴾

”کیا ان کے ایسے شریک ہیں، جو انہیں شریعت گھڑ کر دیتے ہیں، جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی۔ فیصلہ کی بات نہ ہوتی، تو ان کا کام تمام کر دیا جاتا، نیز ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے۔“

یہ لوگوں کا گھڑا ہوا دین ہے۔ نبی کریم ﷺ کی مخالفت میں یہ سب کچھ کیا جاتا ہے۔

✽ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ.

”ایسا عمل جس پر مہر نبوی ثبت نہ ہو، وہ مردود و باطل ہے۔“

(صحیح مسلم: 1718)

صحابہ کرام اور اسلاف امت اس عمل سے ناواقف تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو ان کی پیروی کا حکم دیا ہے۔

✽ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدَاهُمُ اقْتَدِهْ﴾ (الأنعام: ۹۰)

”اللہ کے ہدایت یافتہ بندے یہی ہیں، لہذا ان کی ہدایت کی پیروی کریں۔“

**(سوال):** نماز عید کے بعد قبرستان کی زیارت کرنا کیسا ہے؟

**(جواب):** قبرستان کی زیارت مشروع اور جائز ہے، لیکن اسے کسی دن کے ساتھ خاص کرنا، جیسا کہ عید کے دن قبرستان جا کر دعا کرنا اور قبر پر پھول نچھاور کرنا وغیرہ بدعت ہے۔ خیر القرون کے مسلمان اس سے ناواقف تھے۔ وہ سب سے بڑھ کر نبی کریم ﷺ کی محبت کرنے والے اور محبت رسول کے تقاضوں کو پورا کرنے والے تھے۔ دین کا وسیع علم ہونے



کے باوجود انہوں نے ایسا نہیں کیا، تو یہ دین کیسے بن گیا؟

❁ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ (۱۷۹ھ) فرماتے ہیں:

مَنْ أَحَدَثَ فِي هَذِهِ الْأُمَّةِ الْيَوْمَ شَيْئًا لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ سَلْفُهَا  
فَقَدْ زَعَمَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَانَ الرَّسَالَهَ  
لِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقُولُ: ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتَمَمْتُ  
عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾، فَمَا لَمْ يَكُنْ  
يَوْمَئِذٍ دِينًا لَا يَكُونُ الْيَوْمَ دِينًا.

”جس نے آج کوئی ایسی چیز جاری کی، جس پر اسلاف امت کا عمل نہیں تھا، وہ زبانِ حال سے کہہ رہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابلاغِ رسالت میں خیانت کی۔ اللہ کا فرمان ہے: ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ ”آج ہم نے تمہارا دین مکمل کر دیا، اتمامِ نعمت کیا اور اسلام دین آپ کے لئے پسند فرمایا۔“ لہذا جو چیز اس دن دین نہ تھی، وہ آج دین نہیں ہو سکتی۔“

(الإحكام في أصول الأحكام لابن حزم: 58/6، وسنده حسن)

❁ علامہ ابن الحاج رحمۃ اللہ علیہ (۷۳۷ھ) فرماتے ہیں:

”یہ بھی شیطانی ہتھکنڈا ہے کہ وہ ترکِ سنت کا نہیں کہتا، بلکہ کسی اور کام پر لگا کر خیال ڈالتا ہے کہ یہ ثواب کا کام ہے۔ شیطان نے لوگوں کے ساتھ یہ چال چلی کہ وہ عمید کے دن گھر واپس لوٹنے سے پہلے قبروں کی زیارت کریں، اس

عمل کو مختلف تخیلات سے مزین کر دیا اور انہیں ذہنی دلائل مہیا کیے کہ اس دن اپنے اعزاء و اقارب کی قبروں کی زیارت، نیکی اور ان سے محبت کا اظہار ہے۔ اس عید پر ان کے نہ رہنے کا افسوس ہوتا ہے۔ لوگوں نے عام دنوں میں بھی قبروں کے سے حوالے سے بدعات و خرافات کا بازار گرم کر دیا۔ تو عید کے دن کیا حال ہوگا، جب کہ اس دن عورتیں خوش گوار ملبوسات اور زیورات زیب تن کیے ہوتی ہیں اور زینت کی حدیں پار کیے ہوتی ہیں، ابھی تو یہ عید کے لیے نہیں نکلتیں، جب یہ زیارتِ قبور کے لیے نکلیں گی، تو دیکھ لینا یہ قبروں پر اپنا پردہ حیا تار تار کر دیں گیں۔ یوں شیطان نے سنت کے بدلے حرام کام کا مرتکب بنا دیا۔“

(المَدخل: 1/286)

**سوال:** دورانِ جماع بیوی سے گفتگو کر سکتا ہے؟

**جواب:** دورانِ جماع عورت سے گفتگو ہو سکتی ہے۔ ممانعت کی کوئی دلیل نہیں۔

❁ نواب صدیق حسن خان رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۰۷ھ) لکھتے ہیں:

أَمَّا الْكَلَامُ حَالَ الْجِمَاعِ، فَقَدْ اسْتَدَلَّ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ عَلَى كَرَاهَةِ الْكَلَامِ حَالَ الْجِمَاعِ بِالْقِيَاسِ عَلَى كَرَاهَتِهِ حَالَ قَضَاءِ الْحَاجَةِ فَإِنْ كَانَ ذَلِكَ بِجَمَاعِ الْإِسْتِخْبَاتِ فَبَاطِلٌ فَإِنَّ حَالَةَ الْجِمَاعِ حَالَةٌ مُسْتَلِدَّةٌ لَا حَالَةَ مُسْتَحْبَّةٌ وَفِي الْمُكَالَمَةِ حَالَتَهُ نَوْعٌ مِّنْ إِحْسَانِ الْعُسْرَةِ بَلْ فِيهِ لَذَّةٌ ظَاهِرَةٌ كَمَا قَالَ بَعْضُ الشُّعْرَاءِ :

وَيُعْجِبُنِي مِنْكَ حَالُ الْجَمَاعِ ..... لَيْنُ الْكَلَامِ وَضَعْفُ النَّظْرِ  
وَإِنْ كَانَ الْجَمَاعُ شَيْئًا آخَرَ فَمَا هُوَ؟ فَإِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ شَرَعَ الْمَلَاعِبَةَ وَالْمُدَاعِبَةَ وَوَقَّتُ الْجَمَاعَ  
أَوْلَى بِذَلِكَ مِنْ غَيْرِهِ .

”بعض اہل علم نے قضائے حاجت کے دوران کلام کرنے کی ممانعت پر قیاس  
کرتے ہوئے جماع کے دوران بھی کلام کرنے کو ممنوع قرار دیا ہے۔ اگر کوئی  
کہے کہ وہ برا کام کر رہا ہے، تو یہ بات غلط ہے، کیوں کہ جماع لذت کے لمحات  
ہیں، نہ کہ برے۔ حالت جماع میں بیوی سے گفتگو کرنا حسن معاشرت ہے،  
بلکہ یہ واضح لذت ہے، جیسا کہ کسی شاعر نے کہا تھا:

وَيُعْجِبُنِي مِنْكَ حَالُ الْجَمَاعِ ..... لَيْنُ الْكَلَامِ وَضَعْفُ النَّظْرِ  
'مجھے بہ وقت جماع آپ سے نرم نرم کلام اور ہلکی ہلکی نظر خوش گوار لگتی ہے۔ اگر  
جماع کرنے والا کوئی اور کام کر رہا ہے، تو وہ کیا ہو سکتا ہے؟ بلاشبہ بیوی سے دل  
لگی اور اٹکھیلیاں کرنا تو نبی کریم ﷺ نے مشروع کیا ہے اور دوران جماع ایسا  
کرنا بالاولی جائز ہے۔“

(الرّوضة النّديّة : 83/2)

**سوال:** نماز جمعہ میں تشہد پانے والا جمعہ پڑھے یا ظہر؟

**جواب:** نماز جمعہ میں تشہد پانے والا ظہر پڑھے گا، نہ کہ جمعہ۔

① سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الصَّلَاةِ، فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ .

”جس نے نماز کی ایک رکعت پالی، اس نے نماز پالی۔“

(صحیح البخاری: 580، صحیح مسلم: 607)

❁ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الْعَمَلُ عَلَىٰ هَذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَيْرِهِمْ، قَالُوا: مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْجُمُعَةِ صَلَّى إِلَيْهَا أُخْرَى، وَمَنْ أَدْرَكَهُمْ جُلُوسًا صَلَّى أَرْبَعًا، وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَابْنُ الْمُبَارَكِ، وَالشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ.

”اہل علم صحابہ اور محدثین کا اسی پر عمل رہا ہے، وہ کہا کرتے تھے: جو نماز جمعہ کی ایک رکعت پالے، تو بعد میں دوسری رکعت پڑھ لے اور جو تشہد پائے، وہ چار رکعت ادا کرے۔ سفیان ثوری، عبد اللہ بن مبارک، شافعی، احمد اور اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی موقف و مذہب تھا۔“

(سنن الترمذی، تحت الحدیث: 524)

❁ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَقَدْ أَدْرَكَهَا وَلِيُصْفَ إِلَيْهَا أُخْرَى.

”جمعہ کی ایک رکعت پالی، تو جمعہ پالیا، اب دوسری رکعت ادا کر لے۔“

(سنن الدارقطنی: 12/2، ح: 1608، وسندہ حسن)

❁ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْجُمُعَةِ فَقَدْ أَدْرَكَهَا، إِلَّا أَنَّهُ يَقْضِي مَا فَاتَهُ.

”جمعہ کی ایک رکعت پالی، جمعہ پالیا، اب دوسری رکعت ادا کر لے۔“

(السَّنن الكبریٰ للبيهقي: 204/3، وسندهُ صحیح)

④ امام شعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مَنْ أَدْرَكَ الْخُطْبَةَ فِيهِ الْجُمُعَةُ، وَمَنْ أَدْرَكَ رَكْعَتَيْ فِيهِ الْجُمُعَةَ، وَمَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً فَقَدْ أَدْرَكَ الْجُمُعَةَ، فَلْيُصَلِّ رَكْعَةً أُخْرَى، وَمَنْ لَمْ يُدْرِكِ الرُّكُوعَ، فَلْيُصَلِّ أَرْبَعًا.

”جو خطبہ میں شامل ہو یا دونوں رکعتیں پالیں، اس کا جمعہ ادا ہو گیا، جس نے جمعہ کی ایک رکعت پالی، جمعہ اس نے بھی پالیا، بس دوسری رکعت کھڑے ہو کر ادا کر لے اور جو ایک رکعت بھی نہ پاسکے، وہ چار رکعت (ظہر) ادا کرے۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة: 128/2، وسندهُ صحیح)

⑤ تا ⑧ نافع تابعی رحمۃ اللہ علیہ (مصنّف ابن أبي شيبة: ۱۲۹/۲، وسندهُ

صحیح)، امام زہری رحمۃ اللہ علیہ (مصنّف ابن أبي شيبة: ۱۲۸/۲، وسندهُ صحیح)، عروہ

بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ (مصنّف ابن أبي شيبة: ۱۲۹/۲، وسندهُ صحیح) اور میمون بن

مہران رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”جب آپ جمعہ کی ایک رکعت پالیں، تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد دوسری

رکعت ادا کر لیں۔“

امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی رحمۃ اللہ علیہ (مصنّف عبد الرزاق: ۵۴۷) کا یہی موقف

ہے کہ تشہد میں ملنے والا ظہر ادا کرے گا۔

الحاصل:

نمازِ جمعہ ادا کرنے کے لیے ایک رکعت پانا ضروری ہے۔ تشہد میں ملنے والا امام کے سلام پھیرنے کے بعد چار رکعت ظہر ادا کرے گا اور جمعہ کی نیت کو ظہر میں بدل دے گا۔

**(سوال):** کیا واقعہ حرہ کے موقع پر قبر رسول ﷺ سے اذان سنائی دینا ثابت ہے؟

**(جواب):** بعض لوگ یہ بیان کرتے سنائی دیتے ہیں کہ سانحہ حرہ (63ھ) کے دوران

نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک سے اذان سنائی دیتی رہی۔ کسی بھی واقعے، حادثے یا سانحے کی صحت و سقم کا پتہ اس کی سند سے لگایا جاسکتا ہے۔ محدثین کرام رحمہم اللہ پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے، انہوں نے قرآن و سنت کی روشنی میں سند کی پرکھ کے لیے مبنی بر انصاف قوانین وضع کیے، پھر راویان اسانید کے کوائف بھی سپرد کتب کر دیئے۔ ذخیرہ روایات کی جانچ کا یہ انداز اسلامی ورثے کا امتیازی پہلو ہے۔ دیگر مذاہب میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

کتب حدیث ہوں یا سیرت و تاریخ، اہل علم ان میں اپنی سندیں ذکر کر کے اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو چکے ہیں، اب یہ بعد والوں پر ہے کہ وہ ان اصول و قوانین اور راویوں کے کوائف کو مد نظر رکھتے ہوئے صحت و سقم کا لحاظ کریں یا اپنے مفاد میں ملنے والی ہر روایت کو اندھا دھند پیش کرتے جائیں۔

ذیل میں سانحہ حرہ کے دوران قبر نبوی سے اذان کے بارے میں ملنے والی روایت اپنی تمام تر سندوں اور ان پر تبصرے کے ساتھ پیش خدمت ہے۔ فیصلہ خود فرمائیں!

① سعید بن عبد العزیز بن سوئی رحمہم اللہ (م: 90ھ) بیان کرتے ہیں:

لَمَّا كَانَ أَيَّامُ الْحَرَّةِ لَمْ يُؤذَّنْ فِي مَسْجِدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثًا، وَلَمْ يُقَمِّمْ، وَلَمْ يَبْرَحْ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيْبِ الْمَسْجِدَ، وَكَانَ لَا يَعْرِفُ وَقْتَ الصَّلَاةِ، إِلَّا بِهِمْ مَهْمَةً،

يَسْمَعُهَا مِنْ قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .  
 ”سانحہ حرہ کے دوران تین دن تک مسجد نبوی میں اذان و اقامت نہیں ہوئی  
 تھی۔ ان دنوں امام سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ مسجد نبوی ہی میں مقیم تھے۔ انہیں  
 نماز کا وقت قبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنائی دینے والی آواز ہی سے ہوتا تھا۔“

(مسند الدارمی: 44/1)

سند ”انقطاع“ کی وجہ سے ”ضعیف“ ہے۔ سانحہ حرہ اسے بیان کرنے والے راوی  
 سعید بن عبد العزیز تنوخی رضی اللہ عنہ کی پیدائش سے بہت پہلے رونما ہو چکا تھا۔ پھر سعید بن عبد  
 العزیز رضی اللہ عنہ کی امام سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے ملاقات بھی نہیں ہوئی۔ حرہ کا واقعہ 63 ہجری  
 میں رونما ہوا اور امام سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ 94 ہجری میں فوت ہوئے، جبکہ سعید بن عبد  
 العزیز رضی اللہ عنہ کی پیدائش 90 ہجری کو ہوئی۔

پھر امام سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں فوت ہوئے، جبکہ سعید بن عبد  
 العزیز رضی اللہ عنہ شام میں پیدا ہوئے۔ اب کیسے ممکن ہے کہ سعید بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے یہ  
 روایت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے خود سنی ہو؟ انہیں کس شخص نے یہ بات بیان کی، معلوم  
 نہیں۔ لہذا یہ روایت ”انقطاع“ کی وجہ سے ”ضعیف“ ہے۔

② امام ابن سعد رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کو یوں نقل کیا ہے:

أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: حَدَّثَنِي طَلْحَةُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ  
 سَعِيدٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كَانَ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيْبِ أَيَّامَ الْحَرَّةِ فِي  
 الْمَسْجِدِ،---، قَالَ: فَكُنْتُ إِذَا حَانَتِ الصَّلَاةُ أَسْمَعُ أَدَانًا  
 يَخْرُجُ مِنْ قِبَلِ الْقَبْرِ، حَتَّى أَمِنَ النَّاسُ .

”امام سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سانحہ حرہ کے دنوں میں مسجد نبوی ہی میں مقیم تھے۔۔۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ جب بھی اذان کا وقت ہوتا، میں قبر نبوی سے اذان کی آواز سنتا۔ جب تک امن نہ ہو گیا، یہ معاملہ جاری رہا۔“

(الطبقات الكبرى: 5/132)

یہ من گھڑت قصہ ہے،

① محمد بن عمرو اقدی ”ضعیف“ اور ”متروک“ ہے۔

② طلحہ بن محمد بن سعید ”مجہول“ ہے۔

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: 4/486)

③ محمد بن سعید بن مسیب کو حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ نے ”مقبول“ (مجہول

الحال) قرار دیا ہے۔

(تقريب التهذيب: 5913)

امام ابن حبان رضی اللہ عنہ نے اسے ”الثقات“ (421/7) میں ذکر کیا ہے، کسی معتبر امام نے اس کی توثیق نہیں کی۔

③ [الطبقات الكبرى لابن سعد (5/131)]، [تاريخ ابن أبي خيثمة (2011)]،

[دلائل النبوة لابی نعیم الاصبہانی (510)] اور [مشیر العزم الساکن لابن الجوزی (476)] میں جو سند مذکور ہے۔ اس میں عبدالحمید بن سلیمان مدنی جمہور کے نزدیک ”ضعیف“ ہے۔

④ حافظ، ابو عبد اللہ، محمد بن محمود، ابن نجار رضی اللہ عنہ (643ھ) نقل کرتے ہیں:

أَبَانَا ذَاكِرُ بْنُ كَامِلِ بْنِ أَبِي غَالِبِ الْخَفَّافِ، فِيمَا أُذِنَ لِي فِي رِوَايَتِهِ عَنْهُ، قَالَ: كَتَبَ إِلَيَّ أَبُو عَلِيٍّ الْحَدَّادِ، عَنْ أَبِي نَعِيمٍ



الْأَصْبَهَانِيَّ، قَالَ: أَنْبَأَنَا جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ نَصِيرٍ: أَخْبَرَنَا أَبُو يَزِيدٍ الْمُخْزُومِيُّ: أَخْبَرَنَا الزُّبَيْرُ بْنُ بَكَّارٍ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ (بْنِ زِبَالَةَ): حَدَّثَنِي غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْهُمْ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ عُمَرَ بْنِ مُحَمَّدٍ، أَنَّهُ لَمَّا كَانَ أَيَّامُ الْحَرَّةِ تُرِكَ الْأَذَانُ فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، وَخَرَجَ النَّاسُ إِلَى الْحَرَّةِ، وَجَلَسَ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: فَاسْتَوْحَشْتُ، فَدَنَوْتُ مِنْ قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ، سَمِعْتُ الْأَذَانَ فِي قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

”جن دنوں حادثہ حرہ رونما ہوا، مسجد نبوی میں تین دن تک اذان نہ ہوئی۔ لوگ حرہ کی طرف نکل چکے تھے، لیکن سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں تنہائی میں وحشت محسوس کرنے لگا تو نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک کے قریب ہو گیا۔ جب نماز کا وقت ہوا تو میں نے آپ ﷺ کی قبر مبارک سے اذان کی آواز سنی۔“

(الدرة الثمينة في أخبار المدينة، ص 159)

یہ سفید جھوٹ ہے۔ محمد بن حسن بن زبالہ مخزومی ”کذاب“ اور جھوٹی حدیثیں گھڑنے

والا تھا۔

✿ امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لَيْسَ بِثِقَةٍ، كَانَ يَسْرِقُ الْحَدِيثَ، كَانَ كَذَّابًا، وَلَمْ يَكُنْ بِشَيْءٍ .  
 ”یہ قابل اعتماد نہیں تھا، حدیثوں کا سرقہ کرتا تھا، جھوٹا اور فضول شخص تھا۔“

(تاریخ ابن معین بروایۃ الدوری: 2/511,510)

✿ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مُتَّفَقٌ عَلَى ضَعْفِهِ .

”اس کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے۔“

(فتح الباری: 11/298)

قبر نبوی سے اذان کی آواز آنے کے بارے میں یہی چار سندیں ہیں، جن کا حال آپ نے ملاحظہ فرمایا ہے۔ دین کی بنیاد سند پر ہے، جب کسی قصے کہانی کی سندیں جھوٹی اور ناقابل اعتبار ہوں، تو اس کو بیان کرنا جھوٹ کو رواج دینے کی کوشش ہے۔ بعض لوگ جھوٹی سندوں پر پنی روایات سے اپنے عقائد اخذ کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

✿ دیوبندی عالم، ظفر احمد عثمانی صاحب (1369ھ) لکھتے ہیں:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيٌّ، ---، وَإِنَّهُ يُصَلِّي فِي قَبْرِهِ بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ .

”بلاشبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں..... اور آپ اپنی قبر مبارک میں اذان اور

اقامت کے ساتھ نماز ادا فرماتے ہیں۔“

(فتح الملہم: 3/419)

قبر مبارک میں اذان اور اقامت کے ساتھ نماز پڑھنے کا نظریہ قطعی طور پر ثابت

نہیں۔ قبر نبوی سے اذان والی روایات کی حقیقت آپ نے ملاحظہ کر ہی لی ہے۔ خواہ مخواہ نبی اکرم ﷺ کے متعلق مبالغہ آمیزی پر مبنی عقیدہ گھڑ لیا گیا ہے۔

✽ علامہ انور شاہ کشمیری صاحب (1352ھ) کہتے ہیں:

إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَعْمَالِ قَدْ تَثَبَّتْ فِي الْقُبُورِ كَأَذَانٍ وَالْإِقَامَةِ عِنْدَ الدَّارِمِيِّ، وَقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ عِنْدَ التِّرْمِذِيِّ.

”قبروں میں بہت سے اعمال ثابت ہیں، جیسا کہ سنن دارمی میں اذان واقامت ثابت ہے اور سنن ترمذی میں قرآن کی قرأت۔“

(فیض الباری: 1/183)

دارمی والی روایت کی حیثیت واضح کی جا چکی ہے، اب ترمذی والی روایت ملاحظہ ہو:

✽ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف یہ قول منسوب ہے:

ضَرَبَ بَعْضُ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَبَاءَهُ عَلَى قَبْرِ، وَهُوَ لَا يَحْسِبُ أَنَّهُ قَبْرٌ، فَإِذَا فِيهِ إِنْسَانٌ يَقْرَأُ سُورَةَ ﴿تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ﴾ حَتَّى خَتَمَهَا، فَاتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنِّي ضَرَبْتُ خَبَائِي عَلَى قَبْرِ، وَأَنَا لَا أَحْسِبُ أَنَّهُ قَبْرٌ، فَإِذَا فِيهِ إِنْسَانٌ يَقْرَأُ سُورَةَ تَبَارَكَ الْمُلْكُ، حَتَّى خَتَمَهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هِيَ الْمَانِعَةُ، هِيَ الْمُنْجِيَةُ، تُنْجِيهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ.

”ایک صحابی نے انجانے میں کسی قبر پر اپنا خیمہ لگا لیا۔ اس میں ایک انسان

سورہ ملک کی قراءت کر رہا تھا۔ اس نے مکمل سورت پڑھی۔ صحابی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: اللہ کے رسول! میں نے انجانے میں ایک قبر پر اپنا خیمہ لگا لیا تو اس میں ایک انسان سورہ ملک کی قراءت کر رہا تھا، اس نے پوری سورت پڑھی۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سورہ ملک اپنے پڑھنے والے سے عذاب کو روکتی ہے اور اسے عذابِ قبر سے نجات دیتی ہے۔“

(سنن الترمذی: 2890)

سند سخت ”ضعیف“ ہے۔

① یحییٰ بن عمرو بن مالک نکریمی ”ضعیف“ ہے۔ اپنے والد سے روایت کرے، تو روایت ”منکر“ ہوتی ہے۔

✿ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كَانَ مُنْكَرَ الرَّوَايَةِ عَنِ أَبِيهِ .

”یہ اپنے والد سے منکر روایات بیان کرتا تھا۔“

(کتاب المجروحین: 114/3)

مذکورہ بالا روایت بھی یحییٰ بن عمرو اپنے والد سے بیان کر رہا ہے، لہذا جرح مفسر ہوئی۔

② یحییٰ بن عمرو کے والد عمرو بن مالک نکریمی (حسن الحدیث) یہ روایت ابوالجوزاء سے بیان کرتے ہیں اور ان کی ابوالجوزاء سے روایت ”غیر محفوظ“ ہوتی ہے۔

(تہذیب التہذیب لابن حجر: 336/1)

کسی غیر ثابت روایت کو اپنا عقیدہ بنا لینا کیسے جائز ہے؟ دین و عقیدہ کی بنیاد صرف

صحیح احادیث بنتی ہیں۔

الحاصل:

واقعہ حرہ کے وقت قبر نبوی سے اذان سنائی دینا ثابت نہیں۔ اس بارے میں کوئی روایت پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔ لہذا اس قصے کو بیان کرنا اور اس سے مسائل کا استنباط کرنا دین اسلام کی خدمت نہیں۔

**سوال:** زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت کس قیمت کا اعتبار ہوگا؟

**جواب:** زکوٰۃ نکالتے وقت چیز کا جو ریٹ ہے، اسی قیمت کا اعتبار ہوگا۔

**سوال:** مندرجہ ذیل روایت کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

❁ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الْمُعْتَدِي فِي الصَّدَقَةِ كَمَا نَعِيهَا.

”زکوٰۃ وصول کرنے میں زیادتی کرنے والے زکوٰۃ کو روکنے والے کی مانند ہے۔“

(سنن أبي داود: 1585)

**جواب:** سند ضعیف ہے۔ سعد بن سنان کندی جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔

❁ یہی روایت سیدنا جریر بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

(المعجم الكبير للطبراني: 2275)

یہ سند بھی ضعیف ہے،

① عمر بن علی مقدمی مدلس ہیں، سماع کی تصریح نہیں ملی۔

② اسماعیل بن ابی خالد کا عنعنہ ہے۔

③ حسن بن علی بن شیبیب ”متکلم فیہ“ راوی ہے۔

**سوال:** کیا امام کے ساتھ مقتدی بھی ”سمع اللہ من حمدہ“ کہے گا؟

**جواب:** مقتدی بھی سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کہے گا۔

✽ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ، يُكَبِّرُ حِينَ يَقُومُ، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرُكِعُ، ثُمَّ يَقُولُ: سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، حِينَ يَرْفَعُ صُلْبَهُ مِنَ الرَّكْعَةِ، ثُمَّ يَقُولُ وَهُوَ قَائِمٌ: رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ.

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے، تو اللہ اکبر کہتے، جب رکوع جاتے، تو اللہ اکبر کہتے، جب رکوع سے اپنی کمر مبارک اٹھاتے، تو سمع اللہ من حمدہ کہتے، پھر کھڑے کھڑے ربنا لک الحمد کہتے۔“

(صحیح البخاری: 789)

اس حدیث کی روشنی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اسی میں ہے کہ نمازی خواہ امام ہو، مقتدی ہو یا منفرد، ہر صورت میں رکوع سے سر اٹھانے کے بعد سمع اللہ من حمدہ کہے۔

✽ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

”صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي . ”میری طرح نماز پڑھیں۔“

(صحیح البخاری: 631)

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمع اللہ من حمدہ کے الفاظ فرماتے تھے، تو ہر نمازی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق آپ کی پیروی میں سمع اللہ من حمدہ کے الفاظ کہنے چاہیں۔

✽ حافظ نووی رحمۃ اللہ علیہ (۶۷۶ھ) فرماتے ہیں:

يَقْتَضِي هَذَا مَعَ مَا قَبْلَهُ أَنَّ كُلَّ مُصَلٍّ يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا وَلِأَنَّهُ  
ذِكْرٌ يُسْتَحَبُّ لِلْإِمَامِ فَيُسْتَحَبُّ لِغَيْرِهِ كَالْتَّسْبِيحِ فِي الرُّكُوعِ  
وَوَغَيْرِهِ وَلِأَنَّ الصَّلَاةَ مَبْنِيَّةً عَلَى أَنْ لَا يَفْتُرَ عَنِ الذِّكْرِ فِي  
شَيْءٍ مِنْهَا فَإِنْ لَمْ يَقُلْ بِالذِّكْرَيْنِ فِي الرَّفْعِ وَالْإِعْتِدَالِ بَقِيَ  
أَحَدُ الْحَالَيْنِ خَالِيًا عَنِ الذِّكْرِ.

”یہ حدیث پہلی ذکر کردہ احادیث سے مل کر یہ تقاضا کرتی ہے کہ ہر نمازی سمع اللہ لمن حمدہ اور ربنا لک الحمد دونوں کو جمع کرے۔ نیز سمع اللہ لمن حمدہ ایک ذکر ہے، جو امام کے لیے مستحب ہے، لہذا یہ مقتدی کے لیے بھی مستحب ہوگا، جیسا کہ رکوع وغیرہ میں تسبیح امام بھی پڑھتا ہے اور مقتدی بھی۔ اس لیے بھی مقتدی سمع اللہ لمن حمدہ کہے گا کہ نماز کی بنیاد اس بات پر ہے کہ اس کا کوئی حصہ بھی ذکر سے خالی نہ ہو۔ اگر نمازی سر اٹھاتے اور سیدھا کھڑا ہوتے وقت دونوں حالت میں دو ذکر نہ کرے گا، تو اس کی ایک حالت ذکر سے خالی رہ جائے گی۔“

(المجموع شرح المہذب: 3/420)

معلوم ہوا کہ جس طرح امام کی نماز ہے، اسی طرح مقتدی کی نماز ہے، سوائے ان چیزوں کے جن میں استثنیٰ ثابت ہو جائے۔ سمع اللہ لمن حمدہ کے متعلق کوئی استثنیٰ ثابت نہیں۔

❁ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ .

”بلاشبہ امام اس لیے بنایا گیا ہے، تاکہ اس کی اقتدا کی جائے۔“

(صحیح البخاری: 378، صحیح مسلم: 411)

✿ حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ (۸۰۶ھ) فرماتے ہیں:

نَقُولُ إِنَّ فِي الْحَدِيثِ دَلَالَةً عَلَى أَنَّ الْمَأْمُومَ يَقُولُ: سَمِعَ اللَّهُ  
لِمَنْ حَمِدَهُ.

”ہم کہتے ہیں کہ یہ حدیث دلیل ہے کہ مقتدی سمع اللہ من حمدہ کہے گا۔“

(طرح التثريب: 332/2)

مقتدی کے لیے امام کی اقتدا ضروری ہے، امام یہ الفاظ کہتا ہے، تو مقتدی بھی کہے گا۔  
جو لوگ مقتدی کیلئے یہ الفاظ کہنے کے قائل نہیں، ان کی دلیل ملاحظہ فرمائیں:

✿ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:  
إِذَا قَالَ الْإِمَامُ: سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، فَقُولُوا: اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ.

”جب امام سمع اللہ من حمدہ کہے، تو آپ اللہم ربنا لک الحمد کہیں۔“

(صحیح البخاری: 796، صحیح مسلم: 409)

✿ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

إِذَا قَالَ الْإِمَامُ: سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، فَلْيَقُلْ مَنْ خَلْفَهُ: رَبَّنَا  
لَكَ الْحَمْدُ.

”جب امام سمع اللہ من حمدہ کہے تو مقتدی ربنا لک الحمد کہیں۔“

(المعجم الكبير للطبراني: 9324، وسنده حسن)

لیکن اس حدیث اور اس اثر میں مقتدی کو سمع اللہ من حمدہ کہنے سے روکا قطعاً نہیں گیا،  
بلکہ اس میں تو مقتدی کو اللہم ربنا لک الحمد کہنے کا وقت اور مقام بتایا گیا ہے کہ وہ  
امام کے سمع اللہ من حمدہ کہنے کے بعد کہے، جیسے مقتدی کو آمین کہنے کا وقت اور مقام بتانے



کے لیے فرمایا گیا کہ جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے، تو آپ آمین کہیں۔

(صحیح البخاری: 782)

بعینہم یہی صورتِ حال اس مسئلے کی بھی ہے۔ لہذا مذکورہ حدیث و اثر سے یہ استدلال کرنا درست نہیں کہ امام اللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ نہ کہے یا مقتدی سمع اللہ من حمدہ نہ کہے۔

❁ اس استدلال کے رد میں حافظ نووی رحمۃ اللہ علیہ (۶۷۶ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا الْجَوَابُ عَنْ قَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا: رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ»، فَقَالَ أَصْحَابُنَا فَمَعْنَاهُ: قُولُوا رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مَعَ مَا قَدْ عَلِمْتُمُوهُ مِنْ قَوْلِ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، وَإِنَّمَا خَصَّ هَذَا بِالذِّكْرِ لِأَنَّهُمْ كَانُوا يَسْمَعُونَ جَهْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَإِنَّ السُّنَّةَ فِيهِ الْجَهْرُ وَلَا يَسْمَعُونَ قَوْلَهُ: رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ، لِأَنَّهُ يَأْتِي بِهِ سِرًّا كَمَا سَبَقَ بَيَانُهُ وَكَانُوا يَعْلَمُونَ قَوْلَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي، مَعَ قَاعِدَةِ التَّاسِّي بِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُطْلَقًا وَكَانُوا يُوَافِقُونَ فِي سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَلَمْ يَحْتَجْ إِلَى الْأَمْرِ بِهِ وَلَا يَعْرِفُونَ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ فَأَمَرُوا بِهِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

”رہی اس فرمانِ نبوی کی بات کہ جب امام سمع اللہ من حمدہ کہے، تو آپ ربنا لک الحمد کہیں، تو ہمارے اصحاب کے بقول اس کا معنی یہ ہے: سمع اللہ من حمدہ

کہنے کے بارے میں تو آپ جانتے ہیں، ساتھ ہی ربنا لک الحمد بھی کہیں۔ اس حدیث میں مقتدی کے لیے صرف ربنا لک الحمد کا ذکر اس لیے ہے کہ صحابہ کرام نبی اکرم ﷺ سے سمع اللہ لمن حمدہ تو سن لیتے تھے، کیونکہ (امام کے لیے) اس بارے میں سنت بلند آواز سے پڑھنا ہے، لیکن وہ ربنا لک الحمد نہیں سنتے تھے، کیونکہ آپ ﷺ اسے آہستہ آواز میں پڑھتے تھے۔ صحابہ کو نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کا بھی علم تھا: ”میری طرح نماز پڑھیں۔“ پھر وہ اس قانون پر قاعدہ سے بھی اچھی طرح واقف تھے کہ نبی اکرم ﷺ کی اقتدا مطلق طور پر ضروری ہے۔ ان امور کی بنا پر صحابہ کرام آپ ﷺ کے ساتھ سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تھے، لہذا اس کا حکم دینے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ چونکہ ربنا لک الحمد کا انہیں علم نہیں تھا، اس لیے اس کا حکم دے دیا گیا، واللہ اعلم!“

(المجموع شرح المہذب: 420/3)

🌸 حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

”اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ امام ربنا لک الحمد نہیں کہے گا اور مقتدی سمع اللہ لمن حمدہ نہیں کہے گا، کیونکہ اس روایت میں اس کا ذکر نہیں۔ یہ بات امام طحاوی رحمہ اللہ نے نقل کی ہے۔ امام مالک اور امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔ لیکن یہ بات محل نظر ہے، کیونکہ اس حدیث میں ایسی کوئی دلیل نہیں، جس سے (امام کے لیے) ربنا لک الحمد کی اور مقتدی کے لیے سمع اللہ لمن حمدہ کی (نفی ہو، بلکہ اس حدیث میں یہ وضاحت ہے کہ مقتدی ربنا لک الحمد اس وقت کہے، جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہہ دے۔ حقیقت میں ہوتا بھی ایسے

ہی ہے کہ امام سمع اللہ من حمدہ رکوع سے اٹھتے وقت کہتا ہے اور مقتدی ربنا لک الحمد سیدھا کھڑا ہو کر کہتا ہے۔ چنانچہ اس کا ربنا لک الحمد کہنا امام کے سمع اللہ من حمدہ کہنے کے بعد ہی واقع ہوتا ہے، یہی بات اس حدیث میں بیان ہوئی ہے۔ یہ مسئلہ آئین والے مسئلے کے قریب قریب ہے۔ یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے کہ جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے، تو آپ آئین کہیں۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ امام ولا الضالین کہنے کے بعد آئین نہیں کہہ سکتا۔ (فتح الباری: ۲۸۳/۲)

تفصیل کے لیے دیکھیں حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الحاوی للفتاویٰ (۱/۳۲)

✽ محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

إِذَا قَالَ الْإِمَامُ: سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ قَالَ مَنْ خَلْفَهُ: سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ.

”جب امام سمع اللہ من حمدہ کہے، تو مقتدی کہیں: سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ“

(مصنّف ابن أبي شيبة: 1/252، سنن الدارقطني: 1/344، وسنده صحيح)

تنبیہ:

✽ عامر شععی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لَا يَقُولُ الْقَوْمُ خَلْفَ الْإِمَامِ: سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، وَلَكِنْ لِيَقُولُوا: اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ.

”مقتدی سمع اللہ من حمدہ نہ کہیں، بلکہ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہیں۔“

(مصنّف ابن ابي شيبة: 225/1، وسندہ صحیح)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور امام اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی موقف ہے۔

(مسائل الكوسج: 265)

ہمارے مطابق امام شععی، امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ اجتہاد مرجوح ہے۔ یہ ائمہ کرام اپنے اجتہاد پر ماجور اور اللہ تعالیٰ کے ہاں معذور ہیں۔ ثقہ ائمہ دین کے مرجوح اجتہادات کے بارے میں مسلمانوں کا یہی نظریہ ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں راہِ حق اپنانے کی توفیق عطا فرمائے، آمین!

الحاصل:

احادیث کی روشنی میں صحیح اور راجح موقف یہی ہے کہ مقتدی بھی سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کہے گا۔

## فتاویٰ امن پوری (قسط ۱۸۸)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

**سوال:** کیا کسی صحابی نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو جھوٹا قرار دیا؟

**جواب:** کسی صحابی سے ثابت نہیں کہ انہوں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو جھوٹا کہا ہو۔

صحابہ جھوٹ نہیں بولتے تھے۔ اہل سنت والجماعت کا اجماعی اصول ہے کہ تمام صحابہ سچے اور عادل ہیں۔ ان کا تعدیل و تزکیہ اللہ تعالیٰ نے بیان کر دیا ہے۔

❁ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

مَا كُلُّ مَا نَحَدِّثُكُمْوَهُ سَمِعْنَاهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَكِنْ لَمْ يَكُنْ يَكْذِبُ بَعْضُنَا بَعْضًا.

”ہم (صحابہ) جو حدیثیں آپ کو بیان کرتے ہیں، وہ ساری کی ساری ہم نے (براہ راست) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی نہیں ہوتیں، (بلکہ بعض احادیث ان صحابہ سے سن کر بیان کرتے ہیں، جنہوں نے براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوتی ہیں) ہم (صحابہ) ایک دوسرے سے جھوٹ نہیں بولتے۔“

(السنة لابن أبي عاصم: 816، وسنده صحيح)

ثابت ہوا کہ صحابہ ایک دوسرے کو سچا اور عادل سمجھتے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسائل کی تصدیق کے لیے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس آتے تھے۔

مثال کے طور پر:

❁ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے سیدنا عبداللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ کو ایک حدیث بیان کی، تو انہوں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کے بارے پوچھا، تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تصدیق کی۔

(صحیح مسلم: 705)

ذیل میں چند روایات کا جائزہ پیش کیا جا رہا ہے، جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی تکذیب بیان کی جاتی ہے۔

❁ مسند ابی یعلیٰ (۱۵۹۲) والی روایت مرسل ہے۔ بکر بن عبداللہ مزنی کا سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے لقواسماع ثابت نہیں ہو سکا۔

❁ حافظ بیہقی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

بَكَرٌ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَالْحِكَايَةُ مُرْسَلَةٌ.

”بکر نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نہیں سنا، لہذا واقعہ مرسل ہے۔“

(المقصد العلیٰ: 190/1)

❁ تاویل مختلف الحدیث لابن قتیبہ (ص ۱۷۰) میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی تکذیب کرنا بھی ثابت نہیں۔ اس کی سند قنادہ کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

❁ جامع بیان العلم وفضله لابن عبد البر (۱۱۰۱/۲) میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منسوب قول کی سند بھی ضعیف ہے۔ حبیب بن ابی ثابت ”مدلس“ ہیں، سماع کی تصریح نہیں کی۔

نیز لغت عرب میں ”کذب“ کا معنی ”خطا“ بھی ہے۔

(النہایة فی غریب الحدیث لابن الأثیر: 159/4)

صحابہ ایک دوسرے کو ”جھوٹا“ ہرگز نہیں کہہ سکتے، لہذا اگر بالفرض ان روایات کو قبول بھی کر لیا جائے، تو معنی یہ ہوگا کہ ”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے خطا ہوگئی“، نہ کہ ”ابو ہریرہ نے جھوٹ بولا۔“ (نعوذ باللہ)

متنبیہ:

✽ عثمان بن مقسم بری نے کہا:

كَذَبَ أَبُو هُرَيْرَةَ .

”ابو ہریرہ نے جھوٹ بولا۔“

(الضعفاء للعقيلي: 217/3)

✽ عثمان بن مقسم بری خود ”متروک و کذاب“ ہے، یہ کسی کو ”کذاب“ کیسے کہہ سکتا ہے؟ حافظ ذہبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مَا ضَرَّ أَبَا هُرَيْرَةَ تَكْذِيبُ الْبُرِّيِّ، بَلْ يَضُرُّ الْبُرِّيَّ تَكْذِيبُ الْحُفَاظِ لَهُ .

”عثمان بری کے کذاب کہنے سے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو کوئی نقصان نہیں ہوا، البتہ حفاظ کا عثمان بری کو ”کذاب“ قرار دینے سے اسے نقصان ضرور ہوا ہے۔“

(میزان الاعتدال: 57/3)

نیز عثمان بری کے قول کی سند بھی ضعیف ہے۔ مؤمل بن اسماعیل کثیر الخطا ہے۔

✽ سلیمان بن مہران رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے:

صَدَقَ عَلَيَّ وَكَذَبَ أَبُو هُرَيْرَةَ .

”علی رضی اللہ عنہ نے سچ کہا اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جھوٹ کہا۔“

(الضعفاء الكبير للعقيلي: 179/4)

سند ضعیف ہے۔

① ابو ہریرہ بن عبد الرحمن بن مغراء کوفی کی اعمش سے روایت میں کلام ہے۔

② محمد بن احمد ورائینی کے حالات زندگی نہیں ملے۔

تنبیہ:

ابوزین، مسعود بن مالک اسدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

خَرَجَ إِلَيْنَا أَبُو هُرَيْرَةَ، فَضَرَبَ بِيَدِهِ عَلَى جَبْهَتِهِ، فَقَالَ: أَلَا  
إِنَّكُمْ تَحَدَّثُونَ أَنِّي أَكْذِبُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ، لَتَهْتَدُوا وَأَضِلَّ، أَلَا وَإِنِّي أَشْهَدُ لَسَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: .....

”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہمارے ہاں تشریف لائے، آپ رضی اللہ عنہ نے (حیرت  
و استعجاب سے) اپنی پیشانی پر ہاتھ رکھا اور فرمایا: (اہل عراق) تم تو یہی سمجھو  
گے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھ رہا ہوں، تاکہ تم فلاح پا جاؤ اور میں  
بھٹک جاؤں، خبردار میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے  
ہوئے سنا: .....

(صحیح مسلم: 2098)

**سوال:** مندرجہ ذیل روایت کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

✽ ابو الجوزاء اوس بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قُحِطَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ قَحْطًا شَدِيدًا، فَشَكُّوا إِلَى عَائِشَةَ،

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“



فَقَالَتْ : اُنْظُرُوا قَبْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَاجْعَلُوا مِنْهُ  
 كَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ ، حَتَّى لَا يَكُونَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ السَّمَاءِ سَقْفٌ ،  
 قَالَ : فَفَعَلُوا ، فَمَطِرْنَا مَطْرًا حَتَّى نَبَتَ الْعُشْبُ ، وَسَمِنَتِ  
 الْإِبِلُ ، حَتَّى تَفْتَقَتْ مِنَ الشَّحْمِ ، فَسَمِّيَ عَامَ الْفَتْحِ .

”ایک دفعہ اہل مدینہ سخت قحط کا شکار ہو گئے، انہوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے  
 (اس کیفیت کی) شکایت کی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: قبر رسول کے پاس  
 جائیں اور وہاں سے ایک کھڑکی آسمان کی طرف کھولیں، اس طرح کہ قبر اور  
 آسمان کے درمیان پردہ نہ رہے، اہل مدینہ نے اسی طرح کیا، تو بہت بارش  
 ہوئی، خوب سبزہ اُگا اور اونٹ فر بہ ہو گئے یوں لگتا تھا کہ ابھی پھٹ جائیں گے،  
 لہذا اس سال کا نام عام الفتح (پیٹ پھاڑنے والا سال) رکھ دیا گیا۔“

(سنن الدارمی : 58/1 ، ح : 93 ، مِشْكَاةُ الْمَصَابِيحِ : 5950)

(جواب) : سند ”ضعیف“ ہے۔

① ابونعمان محمد بن الفضل عارم آخری عمر میں حافظے کی خرابی کا شکار ہو گئے  
 تھے۔ امام دارمی رحمۃ اللہ علیہ ان لوگوں میں سے نہیں ہیں، جنہوں نے ان سے اختلاط سے پہلے  
 سماع کیا ہے۔

🌸 امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

”تَغْيِيرَ بِأَخْرَةِ .“ ”آخری عمر میں حافظہ بگڑ گیا تھا۔“

(التاريخ الكبير : 208/1)

🌸 امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

اِخْتَلَطَ عَارِمٌ فِي آخِرِ عُمُرِهِ وَزَالَ عَقْلُهُ، فَمَنْ سَمِعَ عَنْهُ قَبْلَ  
 الْاِخْتِلَاطِ فَسَمَاعُهُ صَحِيحٌ، وَكَتَبْتُ عَنْهُ قَبْلَ الْاِخْتِلَاطِ سَنَةَ  
 اَرْبَعِ عَشْرَةَ، وَلَمْ اَسْمَعْ مِنْهُ بَعْدَ مَا اِخْتَلَطَ فَمَنْ كَتَبَ عَنْهُ  
 قَبْلَ سَنَةِ عِشْرِينَ وَمِائَتَيْنِ فَسَمَاعُهُ جَيِّدٌ.

”عارمِ آخری عمر میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے، ان کی عقل زائل ہو گئی تھی۔  
 جس نے ان سے اختلاط سے پہلے سماع کیا، اس کی سماع صحیح ہے۔ میں نے ان  
 سے قبل از اختلاط سن ۲۱۴ھ میں سماع کیا، اختلاط کے بعد سماع نہیں کیا۔ پس  
 جس نے ان سے سن ۲۲۰ھ سے پہلے پہلے حدیث لکھی، اس کا سماع درست  
 ہے، (یعنی عارم ۲۲۰ھ میں مختلط ہو گئے تھے)۔“

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: 59/8)

❁ امام ابن حبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اِخْتَلَطَ فِي آخِرِ عُمُرِهِ وَتَغَيَّرَ حَتَّى كَانَ لَا يَدْرِي مَا يُحَدِّثُ بِهِ  
 فَوَقَعَ الْمَنَاقِبُ الْكَثْرَةَ فِي رِوَايَتِهِ فَمَا رَوَى عَنْهُ الْقُدَمَاءُ قَبْلَ  
 اِخْتِلَاطِهِ إِذَا عَلِمَ أَنَّ سَمَاعَهُمْ عَنْهُ كَانَ قَبْلَ تَغْيِيرِهِ.

”یہ آخری عمر میں سٹھیا گئے تھے، حافظہ اتنا بگڑ گیا تھا کہ انہیں کوئی پتہ نہیں ہوتا  
 تھا کہ کیا بیان کر رہے ہیں، اس لیے ان کی روایات میں بہت سے منکر روایات  
 شامل ہو گئیں۔ لہذا اگر جس کے متعلق معلوم ہو جائے کہ اس نے ان سے قبل از  
 اختلاط سماع کیا ہے، (تو اس کا سماع درست ہے)۔“

(کتاب المجروحین: 294/2)

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ابو عبد الرحمن سلمیٰ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

② ابوالجوزاء کا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع نہیں۔

✿ حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لَمْ يَسْمَعْ مِنْ عَائِشَةَ وَحَدِيثَهُ عَنْهَا مُرْسَلٌ .

”ابوالجوزاء نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع نہیں کیا، اس کی عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت مرسل (منقطع) ہوتی ہے۔“

(التمہید: 206/20)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی رجحان ہے۔ جیسا کہ امام ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرف

اشارہ کیا ہے۔

(الکامل فی ضعفاء الرجال: 3/331)

✿ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ابوالجوزاء عن عائشہ کی ایک روایت کو منقطع کہا ہے۔

(التلخیص الحبییر: 1/559)

③ عمرو بن مالک نمری (حسن الحدیث) کی حدیث ابوالجوزاء سے غیر محفوظ

ہوتی ہے، یہ روایت بھی اسی سے ہے۔

✿ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

قَالَ ابْنُ عَدِيٍّ : حَدَّثَ عَنْهُ عَمْرُو بْنُ مَالِكٍ قَدَرُ عَشْرَةِ  
أَحَادِيثَ غَيْرِ مَحْفُوظَةٍ .

”ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ابوالجوزاء سے عمرو بن مالک نے تقریباً دس غیر

محفوظ احادیث بیان کی ہیں۔“

(تہذیب التہذیب: 1/336)

یہ جرح مفسر ہے، مذکورہ اثر بھی عمرو بن مالک نکری نے اپنے استاذ ابوالجوزاء سے بیان کیا ہے، لہذا غیر محفوظ ہے۔

✽ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

”سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے بارش کے لئے قبر نبوی پر سے روشن دان کھولنے کا کہا تھا، یہ روایت ثابت نہیں۔ اس کی سند ”ضعیف“ ہے۔ اس کے خلاف واقعہ ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حیات مبارکہ میں حجرہ مبارکہ میں کوئی روشن دان نہیں تھا۔ وہ حجرہ تو اسی طرح تھا جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں تھا کہ اس کا بعض حصہ چھت والا اور بعض کھلا تھا۔ دھوپ اس میں داخل ہوتی تھی جیسا کہ صحیح بخاری (۵۲۲) و مسلم (۶۱۱) میں ثابت ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز ادا فرماتے تو ابھی حجرہ مبارکہ میں سایہ نہیں ڈھلا ہوتا تھا بلکہ دھوپ ہوتی، مسجد نبوی کے ساتھ یہ حجرہ اسی طرح قائم رہا۔۔۔ (پھر جب مسجد میں توسیع ہوئی) تو اس وقت سے حجرہ مسجد میں داخل ہو گیا۔ پھر حجرہ عائشہ کے گرد ایک بلند دیوار بنا دی گئی۔ یہی وہ حجرہ ہے، جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک ہے، اساس کے بعد اس دیوار میں ایک کھڑکی رکھی گئی تاکہ صفائی وغیرہ کے لیے اس میں داخل ہو جا سکے۔ لہذا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حیات مبارکہ میں کھڑکی کی بات واضح طور پر باطل ہے۔“

(الردّ علی البکری، ص 68، 74)

بالفرض اس روایت کو صحیح مان بھی لیا جائے، تو بھی اس سے اہل بدعت والا وسیلہ ثابت نہیں ہوتا، اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام، نبی اکرم ﷺ کی ذات سے وسیلہ نہیں لیتے تھے۔

✽ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لَوْ صَحَّ ذَلِكَ لَكَانَ حُجَّةً وَدَلِيلًا عَلَى أَنَّ الْقَوْمَ لَمْ يَكُونُوا يُقْسِمُونَ عَلَى اللَّهِ بِمَخْلُوقٍ، وَلَا يَتَوَسَّلُونَ فِي دُعَائِهِمْ بِمَيْتٍ، وَلَا يَسْأَلُونَ اللَّهَ بِهِ، وَإِنَّمَا فَتَحُوا عَلَى الْقَبْرِ لِتَنْزِيلِ الرَّحْمَةِ عَلَيْهِ، وَلَمْ يَكُنْ هُنَاكَ دُعَاءٌ يُقْسِمُونَ بِهِ عَلَيْهِ، فَأَيَّنَ هَذَا مِنْ هَذَا.

”اگر یہ روایت صحیح ہو، تب بھی اس بات پر دلیل ہوگی کہ صحابہ نہ تو اللہ کو مخلوق کی قسم دیتے تھے، نہ اپنی دعا میں فوت شدگان کا وسیلہ دیتے تھے، نہ اللہ سے اس کے وسیلے سے مانگتے تھے۔ انہوں نے تو صرف اس قبر مبارک سے روشن دان کھولا کہ اللہ کی رحمت نازل ہو۔ وہاں کوئی دعا تو نہیں مانگی تھی انہوں نے۔ اس کا وسیلہ سے کیا تعلق؟“

(الردّ علی البکری، ص 74)

حاصل کلام یہ کہ یہ روایت قائلین وسیلہ کے حق میں مفید نہیں۔

**الزامی جواب :**

✽ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

مَنْ حَدَّثَكَ أَنَّهُ يَعْلَمُ الْغَيْبَ، فَقَدْ كَذَبَ، وَهُوَ يَقُولُ: لَا يَعْلَمُ  
الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ.

”جو کہے کہ نبی کریم ﷺ غیب جانتے ہیں، وہ جھوٹا ہے، اللہ تعالیٰ تو فرماتے  
ہیں کہ ”غیب کی باتیں اس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔“

(صحیح البخاری: 7380، صحیح مسلم: 177)

✿ ایک صاحب لکھتے ہیں:

”آپ ﷺ کا یہ قول اپنی رائے سے ہے، اس پر کوئی حدیث مرفوعہ پیش نہیں  
فرماتیں، بلکہ آیات سے استدلال فرماتی ہیں۔“ (جاء الحق: 1/124)  
عرض ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم غیب کے متعلق قول قبول نہیں، تو ان کا نبی  
کریم ﷺ کی قبر کے متعلق یہ قول حجت کیوں؟ وہ اس پر کوئی آیت و حدیث پیش نہیں فرما  
رہیں، پھر اس پر یہ سہاگہ کہ یہ قول ثابت بھی نہیں ہے؟

**(سوال)** امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے مروی مندرجہ ذیل قول بلحاظ سند کیسا ہے؟

✿ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے منسوب ہے:

مَنْ سَلَّمَ عَلَى الْجَنَازَةِ تَسْلِيمَتَيْنِ فَهُوَ جَاهِلٌ.

”جو نماز جنازہ میں دونوں طرف سلام پھیرے، وہ جاہل ہے۔“

(مسائل أبي داود: 1030)

**(جواب)**: سند ضعیف ہے۔ داود بن مخراق ضعیف ہے۔

✿ امام ابو زرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هُوَ دُونَهُ قَلِيلًا.

”یہ محمد بن حسن بن زبالہ (متروک) سے تھوڑا نیچے ہے۔“

(الضعفاء: 2/449)

اسے امام ابن حبان رحمہ اللہ نے الثقات (۲۳۶/۸) میں بھی ذکر کیا ہے۔ امام ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ کی جرح کے مقابلہ میں ابن حبان رحمہ اللہ کا الثقات میں ذکر کرنا مفید نہیں، لہذا راوی کا ضعف ہی راجح ہے۔

(سوال): کیا جزء رفع الیدین اور جزء القراءة خلف الامام، امام بخاری رحمہ اللہ کی تصانیف ہیں؟

(جواب): امام بخاری رحمہ اللہ سے جزء رفع الیدین اور جزء القراءة خلف الامام تو اتر سے ثابت ہے۔

✽ حافظ خلیل رحمہ اللہ (۴۳۶ھ) فرماتے ہیں:

مَحْمُودٌ هَذَا آخِرُ مَنْ رَوَى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْمَاعِيلَ أَجْزَاءَ بِيخَارِي.  
”محمود بن اسحاق رحمہ اللہ وہ آخری شخص ہے، جس نے امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ سے بخاری میں ”اجزاء“ روایت کیے۔“

(الإرشاد: 3/967)

✽ یہی بات حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۸۵۲ھ) نے بھی کہی ہے۔

(هدى الساري، ص 492، تعليق التعليق: 5/436)

✽ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اپنی سند سے جزء رفع الیدین کی روایات ذکر کرتے ہیں۔

(تعليق التعليق: 2/479)

✽ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے دونوں کتابوں کی امام بخاری رحمہ اللہ تک سند بھی ذکر

کی ہے۔

(المعجم المفهرس، ص 61)

✽ حافظ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (۴۶۳ھ) فرماتے ہیں کہ محمود بن اسحاق نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے جزء رفع الیدین اور جزء القراءة روایت کی ہیں۔

(تاریخ بغداد: 209/2، الفصل للوصل المدرج في النقل: 427/1)

✽ حافظ سمعانی رحمۃ اللہ علیہ (۵۶۲ھ) نے بھی یہی بات کی ہے۔

(الأنساب: 509/12)

✽ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (۴۸ھ) نے بھی یہ دونوں کتابیں کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف قرار دیا ہے۔

(سیر أعلام النبلاء: 86/17، تاریخ الإسلام: 754/8)

احناف کے کبار علما نے جزء رفع الیدین اور جزء القراءة کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف قرار دیا ہے، مثلاً؛

✽ علامہ زیلیعی حنفی رحمۃ اللہ علیہ (۶۲ھ)

(نصب الرأية: 1/390، 292، 393، 395، 402، 403، 406)

✽ علامہ عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ (۸۵۵ھ)

(عمدة القاري: 5/227، البناية: 1/212)

✽ علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ (۸۶۱ھ)

(فتح القدير: 1/309)

✽ علامہ قاسم بن قطلوبغا رحمۃ اللہ علیہ (۸۷۹ھ)

(الثقات: 8/154)

✽ علامہ ابن نجیم حنفی رحمۃ اللہ علیہ (۹۷۰ھ)



(البحر الرائق: 341/1، وفي نسخة: 563/1)

✽ علامہ انور شاہ کاشمیری صاحب (۱۳۵۳ھ)

(فیض الباری: 252/2، 298)

ان دونوں کتابوں کے راوی محمود بن اسحاق بن محمود بن منصور الخزازی البخاری القواس ابو اسحاق رحمہ اللہ (۳۳۲ھ) امام بخاری رحمہ اللہ کے مشہور شاگرد تھے، آپ رحمہ اللہ وقت کے مشہور محدث تھے، بہت سے لوگوں نے آپ سے روایت لی۔ آپ کے بارے میں ترحیح و تجہیل ثابت نہیں۔

✽ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حَدَّث، وَعُمَرَ دَهْرًا.

”محدث تھے، لمبی عمر پائی۔“

(تاریخ الإسلام: 665/7)

اس طرز کے راوی سند کتاب میں معتبر ہوتے ہیں۔ اس پر سہاگہ یہ کہ یہ دونوں روایتیں امام بخاری رحمہ اللہ سے متواتر منقول ہیں۔ ہر دور کے اہل علم نے ان دونوں کتابوں کو امام بخاری رحمہ اللہ کی تصنیفات قرار دیا ہے، کسی نے اس نسبت کا انکار نہیں کیا۔ حافظ بیہقی رحمہ اللہ (۴۵۸ھ) وغیرہ نے ان کتابوں کی بہت سی روایات کو اپنی سندوں سے نقل کیا ہے۔

**(سوال):** قرآن کریم کی کم سے کم مدت تکمیل کتنی ہے؟

**(جواب):** تین دن اور اس سے زائد مدت میں قرآن کریم کی تلاوت مکمل کرنا مستحب

اور افضل ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس کی حوصلہ افزائی کی ہے، دلائل ملاحظہ ہوں:

✽ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ ان کا نبی کریم ﷺ سے یوں

مکالمہ ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا:

صُمْ مِّنَ الشَّهْرِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، قَالَ: إِنِّي أُطِيقُ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ، قَالَ:  
فَمَا زَالَ حَتَّى قَالَ: صُمْ يَوْمًا وَأَفْطِرْ يَوْمًا، وَقَالَ: اقْرَأِ  
الْقُرْآنَ فِي شَهْرٍ، فَقُلْتُ: إِنِّي أُطِيقُ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ، حَتَّى قَالَ:  
اقْرَأِ الْقُرْآنَ فِي ثَلَاثٍ .

”مہینے میں صرف تین دن کے روزے رکھا کریں۔ عرض کیا: مجھ میں اس سے زیادہ کی طاقت ہے اور مسلسل یہی کہتے رہے، (کہ مجھ میں اس سے زیادہ کی طاقت ہے)، آپ ﷺ نے فرمایا: ایک دن روزہ رکھا کریں اور ایک دن کا روزہ چھوڑ دیا کریں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: قرآن کریم کی تلاوت ایک مہینے میں مکمل کیا کریں۔ انہوں نے عرض کیا: میں اس سے بھی زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں، (اور مسلسل یہی کہتے رہے)، یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تین دن میں مکمل کر لیا کریں۔“

(صحیح البخاری: 1978)

❁ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما ہی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:  
لَمْ يَفْقَهُ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فِي أَقَلِّ مِنْ ثَلَاثٍ .

”جس نے تین دن سے پہلے قرآن کی تلاوت مکمل کی، اس نے قرآن کو سمجھا نہیں۔“

(سنن أبي داود: 1394، سنن الترمذی: 2949، سنن ابن ماجہ: 1347، فضائل

القرآن للنسائي: 92، وسنده صحيح)

❁ امام ترمذی رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو ”حسن صحیح“ کہا ہے۔

✽ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما ہی بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا تھا کہ وہ چالیس (۴۰) دنوں میں قرآن کریم کی تکمیل کیا کریں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک مہینے میں، پھر فرمایا: بیس (۲۰) دنوں میں، پھر فرمایا: پندرہ (۱۵) دنوں میں، پھر فرمایا: دس (۱۰) دنوں میں، پھر فرمایا: سات (۷) دنوں میں، اور سات (۷) دنوں پر آ کر رک گئے۔

(فضائل القرآن للنسائی: 94، مختصر قیام اللیل للمروزی، ص 66، وسندہ صحیح)

✽ سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما ہی بیان کرتے ہیں کہ ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں بات چیت ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِقْرَأِ الْقُرْآنَ فِي شَهْرٍ، قُلْتُ: إِنِّي أَجِدُ قُوَّةً، حَتَّى قَالَ: فَاقْرَأْهُ فِي سَبْعٍ، وَلَا تَزِدْ عَلَيَّ ذَلِكَ.

”ایک مہینے میں قرآن مجید مکمل کیا کریں، میں نے عرض کیا: میں اس سے کم مدت میں تکمیل کی طاقت رکھتا ہوں، فرمایا..... پھر سات دنوں میں تکمیل کر لیا کریں، اس سے کم مدت میں مکمل نہ کرنا۔“

(صحیح البخاری: 5054، صحیح مسلم: 1159)

✽ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں:

لَا أَعْلَمُ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ الْقُرْآنَ كُلَّهُ فِي لَيْلَةٍ.

”میں نہیں جانتی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ایک رات میں مکمل قرآن کریم پڑھا ہو۔“

(صحیح مسلم: 139/746)

✽ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اقْرؤوا القرآن في كل سبع.

”ہر ہفتے قرآن کریم کی تلاوت مکمل کیا کریں۔“

(فضائل القرآن للفریابی: 131، وسندہ صحیح)

✽ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبدالرحمن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ أَبَاهُ كَانَ يَخْتِمُ فِي رَمَضَانَ فِي ثَلَاثٍ، وَفِي غَيْرِ رَمَضَانَ  
مِنَ الْجُمُعَةِ لِلْجُمُعَةِ .

”میرے والد محترم رمضان المبارک میں تین دنوں میں قرآن کریم کی تکمیل  
کیا کرتے تھے اور دوسرے دنوں میں ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک قرآن  
مکمل کیا کرتے تھے۔“ (فضائل القرآن للفریابی: 132، وسندہ صحیح)

مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ایک رات میں مکمل قرآن  
کریم نہیں پڑھا، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم سات دن یا کم از کم تین دن میں تکمیل کی ہدایت فرماتے  
تھے، لہذا بہتر یہی ہے تین دن یا اس سے زائد مدت میں ہی قرآن کریم کی تکمیل کی جائے۔

## تین دن سے کم مدت میں تکمیل اور اسلاف امت:

البتہ ان تعلیمات نبوی سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ تین دن سے پہلے تکمیل کرنا جائز نہیں  
ہے، کیونکہ اسلاف امت کا فہم و عمل یہی بتاتا ہے۔ اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

✽ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے وتر کی ایک رکعت میں پورا قرآن کریم

پڑھنا ثابت ہے۔

(شرح معانی الآثار للطحاوی: 294/1، سنن الدارقطنی: 1658، وسندہ حسن)

✽ ابو جمرہ، نصر بن عمران بصری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

”میں تیز قرأت کرنے والا شخص ہوں اور کبھی تو ایک رات میں ایک یا دو مرتبہ

قرآن مجید مکمل کر لیتا ہوں۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں ایک سورت کی تلاوت کر لوں، تو یہ مجھے آپ کے طرزِ عمل سے اچھا لگتا ہے۔ البتہ اگر آپ ضرور ہی ایسا کرنا چاہتے ہیں، تو تلاوت ایسے انداز میں کریں کہ آپ کے کان اسے سن رہے ہوں اور آپ کا دل اسے سمجھ رہا ہو۔“

(السَّنن الکبریٰ للبیہقی: 396/2، وسندہ حسن)

✽ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے:

إِنَّهٗ كَانَ يَخْتِمُ الْقُرْآنَ فِي كُلِّ لَيْلَتَيْنِ .

”آپ رضی اللہ عنہ دو راتوں میں قرآن پاک مکمل پڑھ لیا کرتے تھے۔“

(طبقات ابن سعد : 270/2، سنن الدارمی : 3528، حلیۃ الأولیاء لأبی نعیم

الأصبہانی : 273/4، وسندہ صحیح)

✽ قتادہ بن دعامہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے:

إِنَّهٗ كَانَ يَخْتِمُ الْقُرْآنَ فِي كُلِّ سَبْعِ لَيَالٍ مَّرَّةً، فَإِذَا جَاءَ

رَمَضَانَ؛ خَتَمَ فِي كُلِّ ثَلَاثِ لَيَالٍ مَّرَّةً، فَإِذَا جَاءَ الْعَشْرُ؛ خَتَمَ

فِي كُلِّ لَيْلَةٍ مَّرَّةً .

”آپ رضی اللہ عنہ سات راتوں میں ایک مرتبہ قرآن مجید مکمل کیا کرتے تھے۔ البتہ

جب ماہِ رمضان آتا، تو تین راتوں میں ایک مرتبہ قرآن کریم کی تکمیل کرتے

اور جب رمضان کا آخری عشرہ شروع ہو جاتا، تو ہر رات میں ایک مرتبہ تکمیل

کرتے تھے۔“

(حلیۃ الأولیاء لأبی نعیم الأصبہانی : 339/2، وسندہ صحیح)

✽ علقمہ بن قیس رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے:

إِنَّ عَلْقَمَةَ كَانَ يَقْرَأُ فِي خَمْسٍ، قَالَ: وَقَرَأَهُ فِي مَكَّةَ فِي لَيْلَةٍ .

”علقمہ ﷺ پانچ دنوں میں قرآن کریم پڑھا کرتے تھے، البتہ مکہ مکرمہ میں انہوں نے ایک رات میں قرآن کریم کی قرأت کی۔“

(فضائل القرآن للفریابی : 139، وسندہ صحیح، فضائل القرآن لأبي عبيد، ص 182، الثقات لابن حبان : 208/5، وسندہ صحیح)

✽ اسود بن یزید ﷺ کے بارے میں ہے:

كَانَ الْأَسْوَدُ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ فِي لَيْلَتَيْنِ، وَيَخْتِمُهُ فِي سَوِي رَمَضَانَ فِي سِتِّ .

”اسود بن یزید ﷺ رمضان میں دو راتوں میں مکمل قرآن کی تلاوت کیا کرتے تھے، جبکہ عام حالات میں چھ دنوں میں قرآن کی تکمیل کیا کرتے تھے۔“  
(مصنّف ابن أبي شيبة : 500/2، الثقات لابن حبان : 31/4، الطبقات الكبرى لابن سعد : 136/6، وسندہ صحیح)

✽ علی ازدی ﷺ کے بارے میں ہے:

كَانَ يَخْتِمُ الْقُرْآنَ فِي رَمَضَانَ كُلَّ لَيْلَةٍ .  
”آپ ﷺ رمضان میں ہر رات مکمل قرآن کریم کی تلاوت کیا کرتے تھے۔“  
(مصنّف ابن أبي شيبة : 500/2، الثقات لابن حبان : 164/5، 165، وسندہ حسن)

✽ امام شعبہ بن حجاج قشیری ﷺ فرماتے ہیں:

كَانَ سَعْدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ يَخْتِمُ الْقُرْآنَ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ .

”سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمن ﷺ ہر دن رات میں ایک دفعہ مکمل قرآن کریم کی تلاوت کیا کرتے تھے۔“

(طبقات ابن سعد: 364/5، تاریخ ابن عساکر: 213/20، وسندہ صحیح)

✽ محمد بن خالد، خزاز رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے:

كَانَ يَخْتِمُ الْقُرْآنَ فِي يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ .

”آپ رضی اللہ عنہ ایک دن رات میں قرآن مجید مکمل کیا کرتے تھے۔“

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: 245/7)

✽ امام علی بن مدینی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ يَخْتِمُ فِي كُلِّ لَيْلَتَيْنِ، كَانَ  
وَرَدَهُ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ نِصْفُ الْقُرْآنِ .

”عبدالرحمن بن مہدی رضی اللہ عنہ دو راتوں میں قرآن کریم مکمل کیا کرتے تھے۔

ایک رات میں نصف قرآن پڑھا کرتے تھے۔“

(تاریخ بغداد للخطيب: 247/10، وسندہ صحیح)

✽ محمد بن احمد بن ابوعون رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے:

كَانَ يَخْتِمُ الْقُرْآنَ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ مَرَّتَيْنِ .

”آپ رضی اللہ عنہ ہر دن رات میں دو مرتبہ قرآن کریم مکمل کیا کرتے تھے۔“

(صحیح ابن حبان: 4622)

✽ حافظ نووی رضی اللہ عنہ (۶۷۶ھ) فرماتے ہیں:

”اس سلسلہ میں رائج بات یہ ہے کہ تکمیل قرآن کی مدت کا مسئلہ مختلف لوگوں کے لیے مختلف ہے۔ جو شخص سمجھ بوجھ اور گہری سوچ رکھنے والا ہے، وہ اتنی مقدار میں تلاوت کرے کہ تدبر اور استخراج معانی کے مقصد میں خلل واقع نہ ہو۔ اسی طرح جو شخص علمی مصروفیات یا دیگر دینی سرگرمیوں اور عام مسلمانوں کی اصلاح میں مشغول ہے، اس کیلئے مستحب ہے کہ وہ اتنی مقدار میں تلاوت

کرے کہ اس کے دیگر امور میں خلل نہ آئے۔ ہاں، جو شخص ایسی مصروفیات میں نہیں ہے، اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ اکتاہٹ کے بغیر جس قدر ممکن ہو سکے، کثرت کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرے، نیز تیز رفتاری سے قرأت نہ کرے، واللہ اعلم!“

(التَّبَيَانُ فِي آدَابِ حَمَلَةِ الْقُرْآنِ، ص 61، فتح الباري لابن حجر: 97/9، تفسیر

ابن کثیر: 82، 81/1)

✽ علامہ محمد عبدالرحمن مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۵۳ھ) فرماتے ہیں:

لَوْ تَتَبَعْتَ تَرَاجِمَ أئِمَّةِ الْحَدِيثِ؛ لَوَجَدْتَ كَثِيرًا مِنْهُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا يَقْرَأُونَ الْقُرْآنَ فِي أَقَلِّ مِنْ ثَلَاثٍ، فَالظَّاهِرُ أَنَّ هَؤُلَاءِ الْأَعْلَامَ لَمْ يَحْمِلُوا النَّهْيَ عَنِ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ فِي أَقَلِّ مِنْ ثَلَاثٍ عَلَى التَّحْرِيمِ.

”اگر آپ ائمہ حدیث کی سیرت کی ورق گردانی کریں گے، تو آپ کو ان میں بہت سے ایسے ائمہ ملیں گے، جو تین دنوں سے پہلے قرآن کریم کی قرأت مکمل کر لیا کرتے تھے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ کبار محدثین تین دن سے پہلے قرآن کریم کی تکمیل کے بارے میں وارد ہونے والی ممانعت کو تحریمی نہیں سمجھتے تھے۔“

(تُحْفَةُ الْأَحْوَذِيِّ: 63/4)

لیکن تکمیل کی جو بھی صورت ہو، آداب تلاوت کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے۔

✽ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الَّتَرْتِيلُ فِي الْقِرَاءَةِ أَحَبُّ إِلَى أَهْلِ الْعِلْمِ.

”قرأت میں ترتیل اہل علم کے ہاں زیادہ پسندیدہ ہے۔“

(سنن الترمذی، تحت الحدیث: 2946)



## فتاویٰ امین پوری (قسط ۱۸۹)

غلام مصطفیٰ اظہیر امین پوری

**سوال:** قرآن کریم کی اجرت کے بارے مروی روایات کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

**جواب:** قرآن کریم کی اجرت لینا جائز ہے، اس کی ممانعت میں کوئی حدیث ثابت

نہیں، تفصیل ملاحظہ ہو؛

✽ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں:

عَلَّمْتُ نَاسًا مِّنْ أَهْلِ الصُّفَّةِ الْكِتَابَ، وَالْقُرْآنَ، فَأَهْدَى إِلَيَّ  
رَجُلٌ مِّنْهُمْ قَوْسًا، فَقُلْتُ: لَيْسَتْ بِمَالٍ وَأَرَمِي عَنْهَا فِي  
سَبِيلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ، لَأَتِيَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
فَلَأَسْأَلَنَّهُ، فَأَتَيْتُهُ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، رَجُلٌ أَهْدَى إِلَيَّ  
قَوْسًا مِّمَّنْ كُنْتُ أَعْلَمُهُ الْكِتَابَ، وَالْقُرْآنَ، وَلَيْسَتْ بِمَالٍ،  
وَأَرَمِي عَنْهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ، قَالَ: إِنْ كُنْتَ تُحِبُّ أَنْ تُطَوَّقَ  
طَوْقًا مِّنْ نَّارٍ؛ فَاقْبَلْهَا.

”میں نے اہل صفہ کے کئی لوگوں کو کتابت (لکھائی) اور قرآن کریم کی تعلیم دی۔ ان میں سے ایک شخص نے مجھے ایک کمان تحفے میں دی۔ میں نے کہا: یہ کوئی مال تو ہے نہیں، پھر میں اس کے ذریعے اللہ عزوجل کے راستے میں

تیر اندازی کروں گا۔ میں ضرور رسول اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اس بارے میں استفسار کروں گا۔ چنانچہ میں آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا: اللہ کے رسول! ان لوگوں میں سے ایک آدمی نے مجھے ایک کمان تحفے میں دی ہے، جنہیں میں کتاب اور قرآن کی تعلیم دیتا تھا۔ یہ کوئی مال تو ہے نہیں، پھر میں اس کے ذریعے اللہ کے راستے میں تیر اندازی کروں گا۔ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر آپ چاہتے ہیں کہ آگ کا ایک طوق آپ کو پہنایا جائے تو اسے قبول کر لیں۔“

(مسند الإمام أحمد: 315/5، سنن أبي داود: 3416؛ سنن ابن ماجه: 2157،

المختارة للضياء: 304)

امام حاکم رحمہ اللہ (۳/۸۵) نے اس حدیث کی سند کو ”صحیح“ قرار دیا ہے۔ یہ حدیث منکر (ضعیف) ہے۔ مغیرہ بن زیاد بجلی اگرچہ جمہور کے نزدیک ”حسن الحدیث“ ہیں، مگر انہوں نے کچھ منکر روایات بیان کر رکھی ہیں، یہ روایت بھی انہی منکر روایات میں سے ہے۔

🌸 امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مُضْطَرِبُ الْأَحَادِيثِ مُنْكَرَةٌ.

”اس کی احادیث مضطرب اور منکر ہیں۔“

(علل أحمد برواية ابنه عبد الله: 815، 4010)

🌸 امام فلاس رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فِي حَدِيثِهِ اضْطِرَابٌ.

”اس کی حدیث میں اضطراب پایا جاتا ہے۔“

(التاریخ الكبير للبخاري: 326/7)

❁ امام ابو زرعدرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فِي حَدِيثِهِ اضْطِرَابٌ .

”اس کی حدیث میں اضطراب ہے۔“

(الصَّعْفَاءُ: 2/658)

❁ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مُعْيِرَةٌ بَنُ زِيَادٍ قَدْ تَكَلَّمَ فِيهِ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ قَبْلِ حِفْظِهِ .

”بعض اہل علم نے مغیرہ بن زیاد کے حافظہ پر کلام کیا ہے۔“

(سنن الترمذی، تحت الحدیث: 414)

❁ امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

كَانَ مِمَّنْ يَنْفَرِدُ عَنِ الثَّقَاتِ بِمَا لَا يُشْبِهُ حَدِيثَ الْأَثْبَاتِ

فَوَجَبَ مُجَانَبَةُ مَا انفردَ مِنَ الرَّوَايَاتِ وَتَرْكُ الْاِحْتِجَاجِ بِمَا

خَالَفَ الْأَثْبَاتِ وَالْاِعْتِبَارُ بِمَا وَاْفَقَ الثَّقَاتِ فِي الرَّوَايَاتِ .

”یہ ان راویوں میں سے تھا، جو ثقافت سے ایسی منفرد روایات بیان کرتے تھے،

جو ثقہ راویوں کی حدیث کے مشابہ نہیں، لہذا اس کی منفرد روایات سے بچنا

واجب ہے اور ثقہ راویوں کے مخالف بیان کردہ روایات سے حجت پکڑنا جائز

نہیں، نیز ثقافت کے موافق روایات کو متابعت و شواہد میں لینا جائز ہے۔“

(کتاب المجروحین: 7/3)

✿ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

صَاحِبُ مَنَاكِبٍ .

”اس کی منکر روایات ہیں۔“

(سؤالات السّجزي: 146، السنن الكبرى للبيهقي: 39/6)

✿ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

صَاحِبُ مَنَاكِبٍ .

”اس کی منکر روایات ہیں۔“

(التلخیص الحبير: 82/3)

مذکورہ بالا حدیث کو اہل علم نے ”منکر“ اور غیر ثابت قرار دیا ہے۔

✿ امام علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو ”ضعیف“ قرار دیا ہے۔

(السنن الكبرى للبيهقي: 125/6، وسنده صحيح، الخلافات للبيهقي: 168/6)

✿ حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لَهُ مَنَاكِبٌ، هَذَا مِنْهَا .

”مغیرہ بن زیاد کی منکر روایات ہیں، یہ (مذکورہ بالا) روایت بھی انہی منکر

روایات میں سے ایک ہے۔“

(التمهيد: 114/21)

✿ علامہ جورقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

هَذَا حَدِيثٌ بَاطِلٌ .

”یہ حدیث باطل ہے۔“

(الأباطيل والمناكير: 163/2)

حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هَذَا حَدِيثٌ لَا يَصِحُّ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

”یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں۔“

(العِلل المتناهية: 75/1)

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُشْغَلُ، فَإِذَا قَدِمَ رَجُلٌ

مُهَاجِرٌ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَفَعَهُ إِلَى

رَجُلٍ مِّنَّا يُعَلِّمُهُ الْقُرْآنَ، فَدَفَعَ إِلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا، فَكَانَ مَعِيَ فِي الْبَيْتِ أُعَشِّيهِ عَشَاءَ أَهْلِ

الْبَيْتِ، فَكُنْتُ أَقْرِيهِ الْقُرْآنَ، فَانْصَرَفَ انْصِرَافَةً إِلَى أَهْلِهِ،

فَرَأَى أَنَّ عَلَيْهِ حَقًّا، فَأَهْدَى إِلَيَّ قَوْسًا لَمْ أَرِ أَحْوَدَ مِنْهَا

عُودًا، وَلَا أَحْسَنَ مِنْهَا عِطْفًا، فَاتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ: مَا تَرَى يَا رَسُولَ اللَّهِ فِيهَا؟ قَالَ: «جَمْرَةٌ

بَيْنَ كَتِفَيْكَ تَقْلُدْنَهَا أَوْ تَعَلَّقْتَهَا .

”رسول اکرم ﷺ مشغول ہوتے تھے۔ جب کوئی مہاجر شخص آپ ﷺ کی

خدمت میں حاضر ہوتا تو آپ اسے ہم میں سے کسی کی طرف بھیجتے تاکہ وہ

اسے قرآن کریم کی تعلیم دے۔ آپ ﷺ نے میری طرف بھی ایک آدمی کو

بھیجا۔ وہ میرے ساتھ میرے گھر میں رہتا تھا۔ میں اسے گھر والوں کی طرح کھانا بھی کھلاتا تھا اور قرآن بھی پڑھاتا تھا۔ وہ ایک دفعہ اپنے گھر والوں کے پاس لوٹا۔ اس نے سوچا کہ میرا اُس پر احسان ہے۔ چنانچہ اس نے مجھے تحفے میں ایک کمان دی۔ میں نے اس جیسی عمدہ لکڑی اور بہترین گولائی والی کمان نہ دیکھی تھی۔ میں رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اللہ کے رسول! اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ آگ کا ایک انگارہ ہے، جو آپ نے اپنے کندھوں کے مابین لٹکا رکھا ہے۔“

(مسند أحمد: 324/5، سنن أبي داود: 3417، المستدرک للحاکم: 3/356)

اس حدیث کو امامِ حاکم رحمہ اللہ نے ”صحیح الاسناد“، جبکہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ”صحیح“ قرار دیا ہے۔

سند ضعیف ہے۔

✿ حافظ بیہقی رحمہ اللہ نے اس روایت کی سند کو ”غیر قوی“ قرار دیا ہے۔

(المخلافیات: 6/168)

✿ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

عَلَّمْتُ رَجُلًا الْقُرْآنَ، فَأَهْدَى إِلَيَّ قَوْسًا، فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: إِنْ أَخَذْتَهَا أَخَذْتَ قَوْسًا مِّنْ نَّارٍ، فَرَدَدْتُهَا.

”میں نے ایک شخص کو قرآن کریم کی تعلیم دی، تو اس نے مجھے ایک کمان تحفہ دی۔ میں نے اس بات کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

اگر آپ وہ کمان لے لیتے ہیں، تو گویا جہنم کی کمان لے لیتے۔ تو میں نے وہ کمان واپس کر دی۔“

(سنن ابن ماجہ: 2158)

سند ضعیف و منقطع ہے۔

① عطیہ بن قیس کلاعی کا سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں۔

② عبدالرحمن بن سلم شامی ”مجہول“ ہے۔

(تقریب التہذیب: 3881)

✿ حافظ بیہقی رضی اللہ عنہ نے ”منقطع“ کہا ہے۔

(السَّنن الکبریٰ: 125/6)

✿ حافظ ابن عبدالبر نے ”منکر“ قرار دیا ہے۔

(التمہید: 114/21)

✿ حافظ جورقانی رضی اللہ عنہ نے ”باطل“ کہا ہے۔

(الأباطیل والمناکیر: 163/2)

✿ حافظ ابن الجوزی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

هَذَا حَدِيثٌ لَا يَصِحُّ.

”یہ حدیث ثابت نہیں۔“

(العِلل المتناہیة: 75/1)

یاد رہے کہ حافظ مزنی رضی اللہ عنہ (تختہ الاشراف: 1/35) نے ثور بن یزید اور عبدالرحمن بن

سلم کے درمیان خالد بن معدان کا واسطہ ذکر کیا ہے۔ جبکہ یہ وہم ہے۔

✿ حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لَمْ أَقِفْ فِي النَّسَخِ الَّتِي عَنِ ابْنِ مَاجَهَ عَلِيٍّ ذِكْرِ خَالِدِ بْنِ  
مَعْدَانَ بَيْنَ ثَوْرٍ وَعَبْدِ الرَّحْمَنِ فِيهِ .

”مجھے ابن ماجہ کے نسخوں میں ثور اور عبد الرحمن کے درمیان خالد بن معدان کا  
ذکر نہیں ملا۔“

(النكت الطراف: 1/36)

نیز اس پر قرینہ یہ ہے کہ یہی حدیث دیگر کتب میں خالد بن معدان کے واسطے کے بغیر  
ذکر ہوئی ہے۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إِسْنَادُهُ مُضْطَرَبٌ .

”اس حدیث کی سند ”مضطرب“ ہے۔“

(میزان الاعتدال: 2/567)

حافظ مزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فِي إِسْنَادِ حَدِيثِهِ اخْتِلَافٌ كَثِيرٌ .

”اس کی حدیث کی سند میں بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے۔“

(تہذیب الکمال: 17/148)

مصنف ابن ابی شیبہ (۲۰۸۳۵) والی سند بھی ضعیف ہے۔ اس میں محمد بن

میسر ابوسعید ضعیف و متروک ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فِيهِ اضْطِرَابٌ .



”اس میں اضطراب ہے۔“

(التاریخ الكبير: 778/1)

✿ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ”متروک الحدیث“ کہا ہے۔

(الضعفاء والمتروکون: 567)

✿ امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے ”ضعیف“ کہا ہے۔

(سنن الدارقطني: 330/1)

✿ امام ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الضَّعْفُ بَيْنَ عَلَيَّ رِوَايَاتِهِ .

”اس کی روایات میں ضعف واضح ہے۔“

(الكامل في الضعفاء: 462/7)

✿ مسند عبد بن حمید (۱۷۵) والی سند بھی سخت ضعیف ہے۔

ابان اگر ابن ابی عیاش ہے، تو یہ متروک ہے، نیز اس کا سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے سماع بھی نہیں ہے۔ اگر کوئی اور ہے، تو وہ مجہول و نامعلوم ہے۔

✿ سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ أَخَذَ قَوْسًا عَلَى تَعْلِيمِ الْقُرْآنِ قَلَدَهُ اللَّهُ قَوْسًا مِّنْ نَّارٍ .

”جس نے قرآن کی تعلیم پر ایک کمان وصول کی، اللہ تعالیٰ اسے آگ کی کمان

کا طوق پہنائے گا۔“

(مسند الشاميين للطبراني: 279، السنن الكبرى للبيهقي: 126/6)

سند ضعیف ہے۔ ولید بن مسلم تالیس تسویہ کرتا تھا، اپنے شیخ کے شیخ سے سماع کی

تصریح نہیں کی۔

جس سند میں ولید بن مسلم کی متابعت ہوئی ہے۔ (حلیۃ الاولیاء لابن نعیم: ۶/۸۶) وہ جھوٹی سند ہے۔ اس میں عمرو بن واقد قرشی ”متروک وکذاب“ ہے۔

✽ امام دحیم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لَيْسَ لَهُ أَصْلٌ.

”یہ بے اصل روایت ہے۔“

(السَّنن الكبریٰ للبیہقی: 6/126، وسندہ صحیح)

✽ اس حدیث کو امام بیہقی رضی اللہ عنہ نے ”ضعیف“ قرار دیا ہے۔

(السَّنن الكبریٰ للبیہقی: 6/126)

✽ سیدنا طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

أَقْرَأَنِي أَبِي الْقُرْآنَ، فَأَهْدَيْتُ إِلَيْهِ قَوْسًا، فَغَدَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهُوَ مُتَقَلِّدٌ بِهَا، فَقَالَ: مَنْ سَلَّحَكَ هَذِهِ؟ قَالَ: الطُّفَيْلُ بْنُ عَمْرٍو أَقْرَأْتُهُ الْقُرْآنَ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تَقَلَّدَهَا شِلْوَةً مِّنْ نَّارِ جَهَنَّمَ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّا نَأْكُلُ مِنْ طَعَامِهِمْ، فَقَالَ: أَمَا طَعَامٌ صُنِعَ لِغَيْرِكَ فَحَضَرْتَهُ، فَلَا بَأْسَ أَنْ تَأْكُلَهُ، وَأَمَا مَا صُنِعَ لَكَ، فَإِنَّمَا تَأْكُلُ بِخِلَافِكَ.

”سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے مجھے قرآن کریم سکھایا، تو میں نے انہیں ایک کمان تحفہ کی۔ اگلے دن وہ کمان لڑکائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر

ہوئے، تو آپ ﷺ نے پوچھا: آپ کو یہ کمان کس نے دی ہے؟ انہوں نے کہا: طفیل بن عمرو (رضی اللہ عنہ) نے، انہیں میں نے قرآن سکھایا ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا: آپ اسے جہنم کی آگ کا طوق بنا کر لٹکا لیں۔ صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہم اپنے تلامذہ کے گھر سے کھانا کھاتے ہیں۔ فرمایا: اگر کھانا دوسروں کے لیے تیار کیا گیا ہے اور آپ بھی وہاں حاضر ہو گئے ہیں، تو آپ کھا سکتے ہیں اور اگر وہ کھانا آپ کے لیے تیار کیا گیا ہے، تو آپ اپنا (آخرت کا) حصہ کھا رہے ہیں۔“

(تفسیر سعید بن منصور: 109، المعجم الأوسط للطبرانی: 439)

سند ضعیف ہے۔

- ① اسماعیل بن عیاش مدلس ہیں، سماع کی تصریح نہیں کی۔
- ② عبد ربہ بن سلیمان کا سیدنا طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ سے سماع کا مسئلہ ہے۔

## حدیث قوس کے متعلق اہل علم کا فیصلہ:

حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هَذِهِ الْأَحَادِيثُ مُنْكَرَةٌ لَا يَصِحُّ شَيْءٌ مِنْهَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ بِالنَّقْلِ .  
 ”یہ تمام احادیث منکر ہیں، محدثین کے نزدیک ان میں سے کوئی حدیث ثابت نہیں۔“

(التمہید: 114/21)

نیز فرماتے ہیں:

لَيْسَ فِي هَذَا الْبَابِ حَدِيثٌ يَجِبُ بِهِ حُجَّةٌ مِنْ جِهَةِ النَّقْلِ .  
 ”اس مسئلہ میں ایسی کوئی حدیث نہیں، جس کی سند سے حجت پکڑنا واجب ہو۔“

(التمهيد: 114/21)

✿ علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

هَذِهِ آثَارٌ وَاهِيَةٌ لَا تَصِحُّ .

”یہ روایات ضعیف ہیں، ثابت نہیں۔“

(المحلی بالآثار: 96/9)

✿ حافظ عبدالحق اشعری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

هِيَ أَسَانِيدٌ مُنْقَطِعَةٌ وَضِعَافٌ .

”یہ روایات منقطع اور ضعیف ہیں۔“

(الأحكام الوسطى: 283/3)

✿ حافظ ابن القطان فاسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لَيْسَ فِيهَا شَيْءٌ يُتَلَفَتُ إِلَيْهِ .

”ان بارے میں کوئی بھی قابل التفات روایت نہیں۔“

(بيان الوهم والايهام: 532/3، التلخيص الحبير لابن حجر: 17/4)

✿ حافظ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

ثُمَّ هَذَا مَتْرُوكٌ الظَّاهِرِ، فَلَيْسَ فِيهِ أَنَّهُ عَلَّمَهُ بِشَرَطِ الأُجْرَةِ،

وَمَنْ عَلَّمَ غَيْرَهُ القِرَاءَةَ فَأَهْدَى المَتَعَلِّمُ لَهُ شَيْئًا جازَ لَهُ

قبُولُهُ بِالأِجْمَاعِ .

(اس حدیث کے ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ) اس کے ظاہر پر عمل نہیں کیا

گیا، کیونکہ اس حدیث میں ایسا کہیں نہیں کہ صحابی نے اجرت کی شرط پر قرآن

کی تعلیم دی تھی اور جو شخص کسی کو قرآن کی تعلیم دے اور طالب علم (اپنی مرضی سے) معلم کو کچھ تحفہ دے دے، تو معلم کے لیے وہ تحفہ قبول کرنا بالاجماع جائز ہے۔“

(الخلافیات: 165/6)

تنبیہ:

❁ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ أَخَذَ عَلَى الْقُرْآنِ أَجْرًا فَقَدْ تَعَجَّلَ حَسَنَاتِهِ فِي الدُّنْيَا،  
وَالْقُرْآنُ يُخَاصِمُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ .

”جس نے قرآن کریم پر اجرت لی، اس نے دنیا میں بدلا حاصل کر لیا۔ روز قیامت قرآن کریم اس سے جھگڑا کرے گا۔“

(حلیۃ الأولیاء لأبی نعیم: 20/4)

سند سخت ضعیف ہے۔

① ابو عبداللہ شامی مجہول ہے۔

امام ابو نعیم اصہبانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

هُوَ مَجْهُولٌ، وَفِي حَدِيثِهِ نَكَارَةٌ.

”یہ مجہول ہے، اس کی حدیث میں نکارت ہے۔“

② موسیٰ بن رشید کے حالات زندگی نہیں ملے۔

❁ سیدنا بریدہ سلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ يَتَاكَلُ النَّاسَ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَوَجْهُهُ لَيْسَ عَلَيْهِ لَحْمٌ .

”جس نے (دنیا میں) قرآن پڑھ کر لوگوں سے مال حاصل کیا، جب وہ روز قیامت آئے گا، تو اس کے چہرے پر گوشت نہیں ہوگا۔“

(معجم ابن الأعرابي: 821، شعب الإيمان للبيهقي: 2384)

سند ضعیف ہے۔

① سفیان ثوری مدلس ہیں، سماع کی تصریح نہیں کی۔

② علی بن قادم کی سفیان ثوری سے روایت غیر محفوظ ہوتی ہے۔

(الکامل لابن عدی: 345/6)

③ احمد بن یثیم مجروح راوی ہے۔

❁ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

يُرْوَى عَنْ عَلِيِّ بْنِ قَادِمٍ الْمَنَاكِبِ الْكَثِيرَةَ وَعَنْ غَيْرِهِ مِنَ الثَّقَاتِ  
الْأَشْيَاءِ الْمَقْلُوبَةِ .

”احمد بن یثیم نے علی بن قادم سے منسوب بہت زیادہ منکر روایات بیان کی ہیں، نیز دیگر ثقافت سے منقلب روایات بیان کی ہیں۔“

(کتاب المجروحین: 148/1)

❁ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے ”الضعفاء والمتروکون“ میں ذکر کیا۔

(الضعفاء والمتروکون: 56)

❁ اس روایت کو امام ابن حبان رحمہ اللہ نے ”بے اصل“ قرار دیا ہے۔

(کتاب المجروحین: 149/1)

❁ سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فَلَيْسَ سَأَلَ اللَّهَ بِهِ، فَإِنَّهُ سَيَجِيءُ أَقْوَامٌ يَقْرَأُونَ  
الْقُرْآنَ يَسْأَلُونَ بِهِ النَّاسَ .

”جو قرآن پڑھے، اسے چاہیے کہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے سوال کرے،  
کیونکہ عنقریب ایسے لوگ آئیں گے، جو قرآن پڑھیں گے اور اس کے ذریعے  
لوگوں سے سوال کریں گے۔“

(سنن الترمذی: 2917)

سند ضعیف و منکر ہے۔ خیشمہ بن ابی خیشمہ بصری ضعیف ہے۔

❁ امام علی بن مدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ وَهُوَ حَدِيثٌ مُنْكَرٌ .

”اس کی سند ضعیف ہے، یہ حدیث منکر ہے۔“

(العِلَل: 73)

❁ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِذَلِكَ .

”اس کی سند قوی نہیں۔“

(سنن الترمذی، تحت الحدیث: 2917)

❁ حافظ عقیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَا يَتَّبَعُ عَلَيْهِ .

”اس حدیث میں خیشمہ بصری کی متابعت نہیں ہوئی۔“

(الضعفاء الكبير: 29/2)

تنبیہ:

سیدنا عبد الرحمن بن شبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

اقْرَؤُوا الْقُرْآنَ، وَلَا تَعْلُوا فِيهِ، وَلَا تَجْفُوا عَنْهُ، وَلَا تَأْكُلُوا بِهِ،  
وَلَا تَسْتَكْثِرُوا بِهِ.

”قرآن کریم کی تلاوت کریں، اس کی تلاوت میں غلومت کریں، اس سے پہلو تہی مت کریں، اس کی تلاوت کے ذریعہ مت کھائیں اور اس کی تلاوت کے ذریعے زیادہ مال کی خواہش مت رکھیں۔“

(مسند الإمام أحمد: 428/3، مسند أبي يعلى: 1518، وسنده صحيح)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی سند کو ”قوی“ قرار دیا ہے۔

(فتح الباري: 101/9)

اس حدیث میں صاف طور پر قرآن کی قراءت کا ذکر ہے، لہذا اسے کتاب اللہ کی تعلیم اور دینی امور پر اجرت کے خلاف پیش نہیں کیا جاسکتا، اس میں تو تعلیم کے معاوضے کا ذکر تک موجود نہیں۔

قرآن کریم کے دم اور اس کی تعلیم پر اجرت جائز و حلال ہے۔ ائمہ دین میں سے جنہوں نے کوئی بات کی ہے، وہ صرف قراءت کے بارے میں کی ہے اور اس میں بھی اہل علم کی آرا مختلف ہیں۔ بعض اس حدیث کو ناحق کھانے پر بھی محمول کرتے ہیں، یعنی جو قرآن پڑھ کر ناحق کھائے، جس طرح یہود و نصاریٰ اللہ تعالیٰ کی آیات میں تحریف کر کے کھاتے تھے، وہ حرام ہے، جبکہ دم کر کے کھانے کو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حق، یعنی جائز کھانا قرار



دیا ہے۔

✽ امام شعبہ بن حجاج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

سَأَلْتُ مُعَاوِيَةَ عَنْ أَجْرِ الْمُعَلِّمِ، فَقَالَ: أَرَى لَهُ أَجْرًا، قَالَ شُعْبَةُ: وَسَأَلْتُ الْحَكَمَ، فَقَالَ: لَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا يَكْرَهُهُ.

”میں نے معاویہ بن قرہ رضی اللہ عنہ سے معلم کی اجرت کے بارے میں سوال کیا، تو فرمایا: میرے مطابق معلم کے لیے اجرت لینا جائز ہے۔ نیز میں نے حکم بن عتیبہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا، تو انہوں نے فرمایا: میں نے جانتا کہ کسی نے اسے مکروہ خیال کیا ہو۔“

(مسند علی بن الجعد: 1103، وسندہ صحیح)

**سوال:** کیا سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ملت عثمان اور ملت علی پر ہونے کا انکار

کرتے تھے؟

**جواب:** طاؤس بن کيسان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قَالَ مُعَاوِيَةُ لِابْنِ عَبَّاسٍ: أَنْتَ عَلِيٌّ مِلَّةَ عَلِيٍّ قَالَ: لَا وَلَا عَلِيٌّ مِلَّةَ عُثْمَانَ، أَنَا عَلِيٌّ مِلَّةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

”سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: کیا آپ ملت علی پر ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا: نہیں، میں (نہ ملت علی پر ہوں اور) نہ ملت عثمان پر ہوں، بلکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملت پر ہوں۔“

(الإحكام لابن حزم: 228/4، 174/6، حلية الأولياء لأبي نعيم: 328/1)

سند ضعیف ہے۔ سفیان بن عیینہ اور سفیان ثوری دونوں مدلس ہیں، سماع کی تصریح

نہیں کی۔

✽ ایک روایت کے الفاظ ہیں:

قَالَ لِي مُعَاوِيَةُ: أَنْتَ قُلْتَ: مَا أَنَا بِعَلَوِيٍّ وَلَا عُثْمَانِيٍّ وَلَكِنِّي عَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

”مجھے (ابن عباس رضی اللہ عنہ کو) سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا آپ کہتے ہیں کہ میں علوی اور عثمانی نہیں، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملت پر ہوں۔“

(الإحكام في أصول الأحكام لابن حزم: 6/174)

سند ضعیف ہے۔

① سفیان ثوری کا عنعنہ ہے۔

② مؤمل بن اسماعیل کثیر الخطا ہے۔

✽ علامہ ابن حزم رحمہ اللہ (۴۵۶ھ) فرماتے ہیں:

إِذَا كَانَ الصَّحَابَةُ وَالتَّابِعُونَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ لَا يَسْتَجِيزُونَ نِسْبَةَ مَا يَعْبُدُونَ بِهِ رَبَّهُمْ وَلَا مَذَاهِبَهُمْ إِلَى أَبِي بَكْرٍ وَلَا إِلَى عُمَرَ وَلَا إِلَى عُثْمَانَ وَلَا إِلَى عَلِيٍّ وَلَا يَتَسَبَّبُونَ إِلَى أَحَدٍ دُونَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَيْفَ بِهِمْ لَوْ شَاهَدُوا مَا نَشَاهِدُهُ مِنَ الْمَصَائِبِ الْهَادِمَةِ لِلْإِسْلَامِ عَلَى مَنْ امْتَحَنَهُ اللَّهُ بِهِ مِنَ الْإِنْتِمَاءِ إِلَى مَذَهَبِ فُلَانٍ وَفُلَانٍ وَالْإِقْبَالِ عَلَى أَقْوَالِ مَالِكٍ وَأَبِي حَنِيفَةَ وَالشَّافِعِيَّ وَتَرَكَ أَحْكَامَ

الْقُرْآنِ وَكَلَامِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ظَهْرِيًّا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى تَثْبِيْتِهِ إِيَّانَا عَلَى دِينِهِ وَسُنَّتِهِ الَّتِي مَضَى عَلَيْهَا أَهْلُ الْأَعْصَارِ الْمَحْمُودَةِ قَبْلَ أَنْ تَحْدُثَ بَدْعَةُ التَّقْلِيدِ وَتَفْشُو.

”جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رضی اللہ عنہم اپنے رب کی عبادت اور مذہب کی نسبت سیدنا ابوبکر صدیق، سیدنا عمر، سیدنا عثمان، سیدنا علی رضی اللہ عنہم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی بھی شخص کی طرف کرنا جائز نہیں سمجھتے تھے، تو صحابہ و تابعین کا کیا حال ہوتا، اگر وہ ہمارے دور میں ہوتے اور ان اسلام کے مخالف حالات کا سامنا کرتے، جن کا ہمیں سامنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی آزمائش کا شکار بعض لوگ فلاں فلاں مذہب کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں، امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رضی اللہ عنہم کے اقوال پر عمل کرتے ہیں اور قرآنی احکام اور فرامین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں اپنے دین اور اس راستے پر ثابت قدم رکھا ہوا ہے کہ جس راستے پر خیر القرون کے لوگ چلے ہیں کہ جب تقلید کی بدعت کا آغاز نہیں ہوا تھا۔“

(الإحكام في أصول الأحكام: 174/6)

🌸 علامہ ابن تیمیہ رضی اللہ عنہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

كَذَلِكَ التَّفْرِيقُ بَيْنَ الْأُمَّةِ وَامْتِحَانِهَا بِمَا لَمْ يَأْمُرِ اللَّهُ بِهِ وَلَا رَسُولُهُ؛ مِثْلَ أَنْ يُقَالَ لِلرَّجُلِ: أَنْتَ شَكِيلِي، أَوْ قَرَفندي، فَإِنَّ هَذِهِ أَسْمَاءٌ بَاطِلَةٌ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ وَلَيْسَ فِي

كِتَابِ اللَّهِ وَلَا سُنَّةَ رَسُولِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا فِي  
الْآثَارِ الْمَعْرُوفَةِ عَنْ سَلَفِ الْأَيْمَّةِ لَا شَكِيلِي وَلَا قَرْفَنَدِي.  
وَالْوَاجِبُ عَلَى الْمُسْلِمِ إِذَا سُئِلَ عَنْ ذَلِكَ أَنْ يَقُولَ: لَا أَنَا  
شَكِيلِي وَلَا قَرْفَنَدِي؛ بَلْ أَنَا مُسْلِمٌ مُتَّبِعٌ لِكِتَابِ اللَّهِ وَسُنَّةِ  
رَسُولِهِ

”اسی طرح امت میں تفریق پیدا ہو چکی ہے اور وہ ایسے امور کا شکار ہو گئی ہے،  
جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا، نہ اس کے رسول ﷺ نے۔ مثلاً؛ ایک شخص سے  
پوچھا جاتا ہے کہ تم ”شکیلی“ ہو یا ”قرفندی“؟ جبکہ یہ باطل نام ہیں، ان کے  
بارے میں اللہ تعالیٰ نے کوئی سند نازل نہیں کیا اور نہ ہی کتاب اللہ، سنت رسول  
اللہ ﷺ یا سلف امت سے معروف آثار میں ان کا کوئی ذکر ملتا ہے۔ نہ  
شکیلی کا اور نہ قرفندی کا۔ مسلمان پر واجب ہے کہ جب اس سے پوچھا جائے،  
تو وہ کہے: میں نہ شکیلی ہوں اور نہ قرفندی، بلکہ میں مسلمان ہوں اور کتاب اللہ  
اور سنت رسول ﷺ کا اتباع کرتا ہوں۔“

(مجموع الفتاوی: 3/415)

افسوس سے لکھنا پڑھ رہا ہے کہ مسلمانوں نے بدعی نسبتوں کو اختیار کر رکھا ہے۔ کوئی  
اپنے آپ کو حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی کہتا ہے، کوئی جعفری، دیوبندی اور بریلوی کی نسبت کو  
اختیار کیے ہوئے ہے، کوئی اپنے تئیں اشعری، ماتریدی کہنے میں فخر محسوس کرتا ہے، کوئی قادری،  
نقشبندی، سہروردی اور چشتی کی نسبت کو پسند کرتا ہے۔ چاہے یہ کہ اہل سنت والجماعت اپنی  
نسبت اسلاف امت محمدین عظام کے ساتھ جوڑ لیں، اسی میں عافیت ہے۔

## فتاویٰ امن پوری (قسط ۱۹۰)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

**سوال:** کیا تین بار سورت اخلاص پڑھنا پورا قرآن پڑھنے کے برابر ہے؟

**جواب:** سورت اخلاص تہائی قرآن کے برابر ہے۔ (صحیح مسلم: ۸۱۱) اس سورت کا ثواب ایک تہائی قرآن کے برابر ضرور ہے، مگر یہ ایک تہائی قرآن سے کفایت نہیں کر سکتی، اسے یوں سمجھئے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جس نے دس مرتبہ یہ کلمات پڑھے، گویا کہ اس نے اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے چار غلام آزاد کیے:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ

عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. (صحیح مسلم: ۲۶۹۳)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس پر چار غلام آزاد کرنا واجب ہوں، کیا اسے دس مرتبہ ان کلمات کا ورد کرنا کفایت کرے گا؟ بالکل نہیں، البتہ ثواب ان دونوں کا برابر ہے۔ اسی طرح جو شخص نماز میں سورت اخلاص تین مرتبہ پڑھے، یہ سورت فاتحہ سے کفایت نہیں کرے گی۔

بعض اہل علم نے ایک تہائی قرآن کے برابر ہونے کی توجیہ یوں بیان کی ہے کہ قرآن کریم میں تین بڑی مباحث ہیں:

① اللہ تعالیٰ کے بارے میں خبریں۔

② مخلوقات کے بارے میں خبریں، جیسا کہ پہلی امتوں کے احوال و ظروف،

اسی طرح موجودہ یا آئندہ حالات کی بابت خبریں۔

③ توحید و رسالت اور نماز وغیرہ کے احکام و مسائل۔

سورت اخلاص پہلے موضوع کو سموئے ہوئے ہے، لہذا یہ تہائی قرآن ہے۔

(سوال): کیا کسی کی طرف سے فرض نماز پڑھی جاسکتی ہے؟

(جواب): کسی کی طرف فرض یا نفل نماز نہیں پڑھی جاسکتی۔

❁ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

لَا يُصَلِّي أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ .

”کوئی کسی کی طرف سے نماز نہیں پڑھ سکتا۔“

(السَّنن الكبریٰ للنسائی: 2918، وسندہ صحیح)

❁ علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:

”مسلمانوں کا اجماع ہے کہ کوئی کسی زندہ یا مردہ کی طرف سے نماز نہیں پڑھ

سکتا، وہ نماز فرض ہو، سنت ہو یا نفل۔“ (الاستذکار: 10/167، 12/66)

❁ علامہ عینی حنفی (۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:

قَدْ أَجْمَعُوا أَنَّهُ لَا يُصَلِّي أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ .

”مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ کوئی کسی کی طرف سے نماز نہیں پڑھ سکتا۔“

(عمدة القاري: 9/125)

(سوال): کیا ڈاڑھی منڈے کو سلام کہنا جائز ہے؟

(جواب): ہر مسلمان کو سلام کہا جاسکتا ہے، خواہ وہ صالح ہو یا فاسق۔

❁ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّ الْإِسْلَامِ خَيْرٌ؟ قَالَ: تَطْعُمُ الطَّعَامِ، وَتَقْرَأُ السَّلَامَ عَلَى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ.

”ایک شخص نے دریافت کیا، کون سا اسلام بہتر ہے؟ فرمایا: کھانا کھلائیں اور آشنا اور نا آشنا کو سلام کہیں۔“

(صحیح البخاری: 12؛ صحیح مسلم: 39)

**سوال:** امہات المؤمنین پر پردہ کیوں واجب تھا؟

**جواب:** نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات جو مومنوں کی مائیں ہیں، پر بھی پردہ واجب تھا۔ اس لیے کہ وہ بھی احکام الہیہ کی مکلف تھیں، تو جس طرح ان پر دیگر احکام واجب تھے، اسی طرح پردہ بھی واجب تھا، نیز پردے میں عورت کی عزت و تکریم بھی اور آبرو کی حفاظت بھی اور ان سب چیزوں کی امہات المؤمنین زیادہ لائق ہیں۔

✽ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ

عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ﴾ (الأحزاب: ۵۹)

”اے نبی! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ بڑی چادریں اوڑھا کریں۔“

**سوال:** وفات کے بعد والدین کے گناہ معاف کروانے کا طریقہ کیا ہے؟

**جواب:** والدین اگر عقیدہ توحید پر فوت ہوئے، تو ان کے گناہوں کی معافی کے

لیے رب تعالیٰ سے دعائیں کی جائیں۔ دعاؤں کا اثر والدین تک پہنچتا ہے۔

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ؛ إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ.

”جب انسان فوت ہو جاتا ہے، تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں، مگر تین اعمال (کہ ان کا اجر ملتا رہتا ہے۔) ① صدقہ جاریہ ② علم، جس سے نفع حاصل کیا جاتا رہا ③ نیک اولاد، جو اس کے لیے دعا کرے۔“

(صحیح مسلم: 1631)

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

إِنَّ الرَّجُلَ لَتَرْفُعَ دَرَجَتَهُ فِي الْجَنَّةِ فَيَقُولُ: أَنَّى هَذَا؟ فَيُقَالُ: بِاسْتِغْفَارٍ وَكَذَلِكَ لَكَ.

”آدمی کا جنت میں درجہ بلند ہوتا ہے، تو وہ پوچھتا ہے: میرے رب! یہ کس طرح ہوا؟ تو اسے کہا جاتا ہے کہ تیری اولاد نے تیرے لیے استغفار کی ہے۔“

(سنن ابن ماجہ: 3660، وسندہ حسن)

❁ حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی سند کو ”حسن“ کہا ہے۔

(تخریج أحاديث الإحياء، ص 370)

❁ حافظ بوسیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

هَذَا إِسْنَادٌ صَحِيحٌ، رِجَالُهُ ثِقَاتٌ.

”یہ سند صحیح ہے، اس کے راوی ثقہ ہیں۔“

(مصباح الزجاجة: 98/4)



(سوال) بیان کیا جاتا ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بیٹے ابو شحمہ نے زنا کیا، تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر سو کوڑوں کی حد جاری کی، ابھی کوڑے مکمل نہیں ہوئے تھے کہ ابو شحمہ کی وفات ہو گئی، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بقیہ کوڑے اس کی لعش پر مارے۔ اس کی کیا حقیقت ہے؟

(جواب) جھوٹا اور باطل واقعہ ہے۔

❁ سعید بن مسروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

كَانَتِ الْمَرْأَةُ تَدْخُلُ عَلَيَّ آلِ عُمَرَ، أَوْ مَنْزِلِ عُمَرَ، قَالَ:  
وَمَعَهَا صَبِيٌّ، فَقَالَ: مَنْ ذَا الصَّبِيِّ مَعَكَ؟ قَالَ: فَقَالَتْ: هُوَ  
ابْنُكَ، وَقَعَ عَلَيَّ أَبُو شَحْمَةَ، فَهُوَ ابْنُهُ، قَالَ: فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ  
عُمَرُ فَأَقْرَأَهُ، فَقَالَ عُمَرُ لِعَلِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: اجْلِدْ وَاضْرِبْ،  
قَالَ: فَضْرِبَهُ عُمَرُ خَمْسِينَ ضَرْبَةً وَضْرِبَهُ عَلِيُّ خَمْسِينَ،  
قَالَ: فَأُتِيَ بِهِ، فَقَالَ لِعُمَرَ: يَا أَبَتُ، قَتَلْتَنِي، قَالَ: إِذَا لَقِيتَ  
رَبَّكَ عَزَّ وَجَلَّ فَأَخْبِرْهُ أَنَّ أَبَاكَ يُقِيمُ الْحُدُودَ.

”ایک عورت کا سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے گھر میں آنا جانا تھا۔ (ایک مرتبہ) اپنے ساتھ ایک بچہ لے کر آئی، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یہ کون ہے؟ کہنے لگی: یہ آپ کا پوتا اور ابو شحمہ کا بیٹا ہے۔ اس نے مجھ سے زنا کیا تھا۔ سیدنا عمر نے ابو شحمہ سے پوچھا، تو اس نے اقرار کر لیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اسے کوڑے ماریں۔ سیدنا عمر اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما نے اسے پچاس پچاس کوڑے مارے۔ ابو شحمہ کو لایا گیا، تو وہ سیدنا عمر سے کہنے لگا: ابو جان! آپ

نے تو مجھے مار ہی ڈالا ہے۔ اس پر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: جب اللہ سے ملو، تو کہہ دینا تیرا باپ (عمر) حدود نافذ کرتا ہے۔“

(الأباطیل والمناکیر للجورقانی: 576، 577، 578، 579)

✽ حافظ جورقانی رضی اللہ عنہ (۵۴۳ھ) فرماتے ہیں:

هَذَا حَدِيثٌ مَوْضُوعٌ بَاطِلٌ، وَإِسْنَادُهُ مُنْقَطِعٌ ..... وَهَذَا الْحَدِيثُ وَضَعَهُ الْقِصَاصُ، فَمَنْ لَمْ يَتَبَحَّرْ فِي الْعُلُومِ خَفِيَ عَلَيْهِ أَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ جَلَدَ ابْنًا لَهُ يُقَالُ لَهُ: أَبُو شَحْمَةَ بِسَبَبِ الزَّيْنَاءِ، فَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الْكُذْبِ وَالْبُهْتَانِ وَالنِّفَاقِ وَالْخُدْلَانِ.

”موضوع“ اور ”باطل“ روایت ہے، اس کی سند ”منقطع“ ہے۔ ..... یہ روایت قصہ گولوگوں کی گھڑنٹل ہے۔ متحرری العلوم علمائے کرام پر تو یہ پوشیدہ رہا کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے ابو شحمہ نامی بیٹے کو زنا پر کوڑے لگائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں جھوٹ، بہتان بازی، نفاق اور گمراہی سے اپنے حفظ و امان میں رکھے۔“

(الأباطیل والمناکیر: 228/2)

اس واقعہ کی ساری کی ساری سندیں ”جھوٹی“ ہیں، نیز اسے حافظ ابن الجوزی رضی اللہ عنہ نے ”الموضوعات“ (۲۷۵/۳) میں ذکر کیا ہے۔

(سوال): شاہی مسجد لاہور میں کچھ اشیا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پگڑی ہے، یہ عصا مبارک ہے، یہ تلوار ہے، وغیرہ وغیرہ۔ ان کی کیا حقیقت ہے؟

(جواب): جس چیز کی نسبت انبیائے کرام صلی اللہ علیہم وسلم کی طرف ثابت ہو جائے، اس کا

احترام واجب ہے۔ لیکن بعض بغیر دلیل کے بعض چیزیں نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ جس طرح کوئی جھوٹی بات نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کرنا حرام اور جرم عظیم ہے، اس پر جہنم کی وعید سنائی گئی ہے، اسی طرح کسی جھوٹی چیز کو نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کرنا حرام اور جرم عظیم ہے، اس پر بھی وہی وعید ہے، جو جھوٹی بات پر ہے، جیسا کہ بعض جگہوں پر نبی کریم ﷺ موئے مبارک، عصا مبارک، جوتا مبارک اور عمامہ مبارک وغیرہ کی موجودگی کا دعویٰ کیا جاتا ہے، ان کی زیارت بھی کرائی جاتی ہے، اس نسبت کی تعظیم کی جاتی ہے، جبکہ ان کے پاس ان دعوؤں کی تصویب و توثیق پر کوئی دلیل نہیں ہوتی، لہذا یہ نبی کریم ﷺ پر جھوٹ ہے۔

❁ مفتی محمد شریف الحق امجدی بریلوی (مبارک پور، اعظم گڑھ، یو، پی) لکھتے ہیں:

”محض شاہی مسجد میں رکھا ہونا، کوئی ثبوت نہیں کہ فلاں چیز حضور اقدس ﷺ کی استعمال کی ہوئی ہے، اس کے لیے ثبوت کی حاجت ہے، اس لیے دلیل آپ کے ذمے ہے۔“

(فتاویٰ شارح بخاری: ۱/۳۷۹)

**(سوال):** معاہدہ اور وعدہ کی خلاف ورزی گناہ کبیرہ ہے یا صغیرہ؟

**(جواب):** معاہدہ فریقین کی طرف سے ہوتا ہے، جبکہ وعدہ فریق واحد کی طرف سے

ہوتا ہے، جان بوجھ کر دونوں کی خلاف ورزی کرنا گناہ کبیرہ ہے، البتہ اگر خلاف ورزی بھول کر یا غلطی سے ہوگئی، تو یہ گناہ کبیرہ نہیں۔

❁ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا﴾ (بنی اسرائیل: ۳۴)

”عہد کو پورا کرو کہ عہد کے بارے پوچھا جائے گا۔“

**(سوال):** جس کاغذ کو قرآن تحریر کرنے کی نیت سے خریدا ہو، مگر بعد میں اس پر قرآن

تحریر نہ کیا گیا ہو، تو کیا اس کاغذ کی تعظیم ضروری ہے؟

**(جواب):** اس کاغذ کی تعظیم و احترام ضروری نہیں، کیونکہ اس پر کلام الہی لکھا ہی نہیں گیا۔

**(سوال):** قرآن کریم غلطی سے گر گیا، تو اس پر کیا کفارہ ہے؟

**(جواب):** اگر مصحفِ قرآنی غلطی سے گرا ہے، تو اس پر کوئی کفارہ یا مواخذہ نہیں، بعض

لوگ کہتے ہیں کہ مصحف کی قیمت کے برابر صدقہ کرنا واجب ہے، جبکہ یہ بے دلیل بات ہے۔ اگر کسی نے اہانت کے طور پر مصحف کو جان بوجھ کر گرایا ہے، تو یہ قرآن کی توہین و استخفاف ہے، جو کہ کفر و ارتداد ہے، ایسا شخص تو بہ و رجوع نہ کرے، تو مرتد ہو جائے گا۔

✿ علامہ ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ (۹۷۴ھ) فرماتے ہیں:

مَنْ اسْتَحَفَّ بِالْمُصْحَفِ أَوْ التَّوْرَةِ أَوْ الْإِنْجِيلِ أَوْ الزَّبُورِ كَفَرَ.

”جس نے مصحفِ قرآنی یا تورات یا انجیل یا زبور کا استخفاف کیا، وہ کافر ہے۔“

(الإعلام بقواطع الإسلام، ص 203)

**(سوال):** حیوانات کے مرنے کے بعد ان کی ارواح کہاں ہوتی ہیں؟

**(جواب):** مرنے کے بعد حیوانات کی ارواح کہاں ہوتی ہیں، اس بارے میں کتاب

وسنت نے کوئی راہنمائی نہیں کی۔ اس مسئلہ میں اہل علم نے مختلف آراء پیش کی ہیں، مگر درست اور صواب رائے یہی ہے کہ اس کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ روح اللہ تعالیٰ کا امر ہے، اس کا مکمل علم ہمیں نہیں دیا گیا۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ روح کے متعلق جتنا علم کتاب و سنت میں دیا گیا ہے، اسے حق

تسلیم کریں اور باقی کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں، یہی عافیت کا راستہ ہے۔

✽ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ

مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾ (بنی اسرائیل: ۸۶)

”(اے نبی!) لوگ آپ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دیجئے کہ

روح میرے رب کا ”امر“ ہے اور تمہیں بہت کم علم دیا گیا ہے۔“

**(سوال):** پیوند لگا ہوا کپڑا پہننے کا کیا حکم ہے؟

**(جواب):** لباس پاک صاف اور ساتر ہونا چاہیے، کپڑے کا نیا ہونا شرط نہیں، پیوند لگا

ہوا کپڑا پہننا بھی جائز ہے۔

✽ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

رَأَيْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ وَهُوَ يَوْمِئِذٍ أَمِيرُ الْمَدِينَةِ، وَقَدْ رَقَعَ

بَيْنَ كَتْفَيْهِ بَرَقَاعٌ ثَلَاثٌ لَبَدَّ بَعْضَهَا فَوْقَ بَعْضٍ .

”میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا، جب وہ مدینہ میں امیر المومنین تھے،

آپ کے کندھوں پر تہہ بہ تہہ تین پیوند لگے ہوئے تھے۔“

(مؤطأ الإمام مالك: 2/918، وسندہ صحیح)

البتہ اگر اللہ تعالیٰ نے فراوانی دی ہو، تو اس کا اظہار لباس میں بھی ہونا چاہیے، یہ اللہ

تعالیٰ کی نعمتوں کا جائز اظہار ہے۔

**(سوال):** مندرجہ ذیل حدیث کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

✽ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا:

إِذَا أَرَدْتَ اللُّحُوقَ بِي فَلْيَكْفِكَ مِنَ الدُّنْيَا كَزَادِ الرَّائِبِ،  
وَأَيَّاكَ وَمُجَالَسَةَ الْأَغْنِيَاءِ، وَلَا تَسْتَخْلِقِي ثَوْبًا حَتَّى تُرَقِّعِيهِ .  
”اگر آپ (جنت میں) میرے ساتھ ملنا چاہتی ہیں، تو دنیا کے اتنے ہی مال پر  
کفایت کرنا، جتنے مال پر مسافر زاد راہ کے لیے کفایت کرتا ہے، مالداروں کے  
ساتھ بیٹھنے سے پرہیز کرنا اور تب تک کپڑے کو پرانا سمجھ کرنا کارہ نہ کرنا، جب  
تک اسے پیوند نہ لگا لو۔“

(سنن الترمذی: 1780)

(جواب): سند سخت ضعیف ہے۔ صالح بن حسان مدنی ”متروک و منکر الحدیث“ ہے۔

✿ حافظ بوسیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اتَّفَقَهُمْ عَلَى ضَعْفِ صَالِحِ بْنِ حَسَّانَ .

”محدثین کا صالح بن حسان کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے۔“

(مصباح الزجاجة: 141/1)

✿ اس حدیث کے بارے میں حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هَذَا حَدِيثٌ لَا يَصِحُّ .

”یہ حدیث ثابت نہیں۔“

(الموضوعات: 140/3)

جس روایت میں صالح بن حسان کی متابعت عروہ بن رویم نے کی ہے۔

(علل الدارقطني: 192/14)

وہ سند ضعیف اور مرسل ہے۔

① امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا مرسل ہونے کو ہی صحیح قرار دیا ہے، نیز اس روایت کو ”غیر ثابت“ بھی قرار دیا ہے۔

② سعید بن عبدالعزیز تنوخی آخری عمر میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے، مبشر بن اسماعیل اور خالد بن مخلد کا ان سے قبل از اختلاط روایت کرنا ثابت نہیں۔

❁ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی اسی معنی کی ایک اور روایت بھی مروی ہے۔

(المعجم الأوسط للطبرانی: 7010)

اس کی سند بھی سخت ضعیف ہے۔

① سوید بن عبدالعزیز ”ضعیف و متروک“ ہے۔

② نوح بن ذکوان بصری ”ضعیف“ ہے۔

(تقریب التہذیب: 7206)

③ یحییٰ بن ابی کثیر مدلس ہیں، سماع کی تصریح نہیں کی۔

④ مسلم بن یحییٰ طائی کے حالات زندگی نہیں ملے۔

⑤ غالب کون ہے؟ معلوم نہیں ہو سکا۔

سند میں اور بھی خرابی ہے۔

**سوال:** کیا چاند پر پہنچنا شریعت کے خلاف ہے؟

**جواب:** چاند اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے، جسے افلاک عالم میں مسخر کیا گیا ہے، یہ بھی زمین کی طرح ایک کرہ ہے۔ کتاب و سنت میں کہیں منع نہیں کیا گیا کہ ایک کرہ کی مخلوق دوسرے کرہ پر نہیں جاسکتی۔ اگر سائنسی ترقی اور جدید تحقیقات کے لیے چاند یا کسی اور کرہ پر جانا ممکن ہو، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

بعض لوگ جو آسمانوں کا انکار کرتے ہیں، وہ چاند پر پہنچنے کو آسمانوں کے انکار پر دلیل بناتے ہیں کہ اگر آسمان ہوتا، تو چاند پر پہنچنا ممکن نہ ہوتا، کیونکہ چاند تو آسمان میں ہے۔ یہ یاد رہے کہ سورج، چاند اور دیگر سیارے و ستارے آسمان سے بہت نیچے ہیں۔ یہ خلا میں تیر رہے ہیں۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ﴾ (الأنبياء: ۳۳، يس: ۴۰)

” (سورج چاند وغیرہ) سب فلک میں گردش کر رہے ہیں۔“

قرآن کریم نے جو خبر دی ہے کہ چاند ستارے آسمان میں ہے، تو اس سے مراد ”بلندی“ ہے، کیونکہ ”سما“ کا لغوی معنی ”بلندی“ ہے، لہذا چاند پر جانے سے قرآنی آیات کا انکار لازم نہیں آتا، کیونکہ نہ تو قرآن نے چاند پر جانے کے عدم امکان کی بات کی ہے اور نہ یہ کہا ہے کہ چاند پر جانے کے لیے آسمان پار کرنا پڑتا ہے۔

(سوال) روز قیامت کس نام سے پکارا جائے گا، باپ کے نام سے یا ماں کے نام سے؟

(جواب) روز قیامت باپ کے نام سے پکارا جائے گا۔ ماں کے نام سے پکارے

جانے پر کوئی صحیح ثابت دلیل نہیں۔

❁ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ الْعَادِرَ يُنْصَبُ لَهُ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ، فَيَقَالُ: هَذِهِ غَدْرَةُ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ.

”دھوکا باز کے لیے روز قیامت ایک جھنڈا گاڑا جائے گا اور کہا جائے گا: یہ

فلاں بن فلاں کے دھوکے کا نشان ہے۔“



(صحیح البخاری: 6178)

❁ علامہ ابن بطلان رحمۃ اللہ علیہ (۴۴۹ھ) کہتے ہیں:

فِي هَذَا الْحَدِيثِ رَدُّ لِقَوْلِ مَنْ زَعَمَ أَنَّهُمْ لَا يُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا بِأُمَّهَاتِهِمْ سَتْرًا عَلَى آبَائِهِمْ ..... وَالِدُعَاءِ بِالْأَبَاءِ أَشَدُّ فِي التَّعْرِيفِ وَأَبْلَغُ فِي التَّمْيِيزِ .

”اس حدیث میں اس شخص کا رد ہے، جو کہتا ہے کہ لوگوں کو قیامت کے دن ان کے باپوں پر پردہ پوشی کی غرض سے صرف ان کی ماؤں کے نام سے پکارا جائے گا..... باپ کے نام سے پکارنا تعریف و تمیز میں زیادہ موثر ہے۔“

(شرح صحیح البخاری: 335/9، فتح الباری لابن حجر: 563/10)

❁ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ (۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

تَضَمَّنَ الْحَدِيثُ أَنَّهُ يُنْسَبُ إِلَى أَبِيهِ فِي الْمَوْقِفِ الْأَعْظَمِ .  
”اس حدیث میں دلیل ہے کہ انسان کو محشر میں باپ سے منسوب کیا جائے گا۔“

(فتح الباری: 563/10)

یہ کہنا کہ لوگوں کو روز قیامت ماؤں کے نام سے پکارا جائے گا، بے اصل اور بے حقیقت ہے۔ اس بارے میں مروی روایات کا تحقیقی جائزہ پیش خدمت ہے؛

① سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يُدْعَى النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِأُمَّهَاتِهِمْ سَتْرًا مِّنَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ عَلَيْهِمْ .  
”قیامت کے دن لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پردہ پوشی کیے جانے کی وجہ سے اپنی ماؤں کے ناموں سے پکارے جائیں گے۔“

(الکامل لابن عدی: 1/343)

سند جھوٹی ہے۔ اسحاق بن ابراہیم طبری ”منکر الحدیث“ ہے۔

✿ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے اسے ”الموضوعات“ (۱۷۹۸) میں ذکر کیا ہے۔

✿ امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هَذَا الْحَدِيثُ مُنْكَرٌ الْمَتْنِ بِهَذَا الْإِسْنَادِ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ  
الطَّبْرِيُّ مُنْكَرٌ الْحَدِيثِ .

”اس سند سے اس حدیث کا متن منکر ہے، اسحاق طبری منکر الحدیث ہے۔“

اسحاق طبری کو امام ابن حبان (کتاب المحررین: ۱۱/۱۳۷) نے ”منکر الحدیث جدا“

اور امام دارقطنی رحمہ اللہ (الضعفاء: ۹۸) نے ”منکر الحدیث“ کہا ہے۔

✿ امام حاکم رحمہ اللہ کہتے ہیں:

رَوَى أَحَادِيثَ مَوْضُوعَةً .

”اس نے من گھڑت احادیث بیان کی ہیں۔“ (المدخل: 119)

② سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَدْعُو النَّاسَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِأَسْمَائِهِمْ (وَالصَّحِيحُ :

بِأُمَّهَاتِهِمْ، كَمَا فِي اللَّالِي الْمَصْنُوعَةِ لِلْسُّيُوطِيِّ : ٤٤٩٦) سَتْرًا

مِنْهُ عَلَى عِبَادِهِ .

”اللہ تعالیٰ قیامت کے روز لوگوں کو اپنے بندوں کی پردہ پوشی کی وجہ سے ان کی

ماؤں کے ناموں سے پکارے گا۔“

(المعجم الكبير للطبراني: 11242)

سند من گھڑت ہے۔

① اسحاق بن بشر ابو حذیفہ متروک اور وضاع (حدیثیں گھڑنے والا) ہے۔

② ابن جریج کا عنعنہ ہے۔

⑤ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی سند کو سخت ضعیف کہا ہے۔

(فتح الباری: 10/563)

⑥ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

هُوَ بَاطِلٌ وَالْأَحَادِيثُ الصَّحِيحَةُ بِخِلَافِهِ .  
”یہ حدیث باطل ہے۔ صحیح احادیث اس کے خلاف ہیں۔“

(المنار المُنِيف، ص 139، تحفة المودود، ص 147)

③ سعید بن عبداللہ داودی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں:

شَهِدْتُ أَبَا أُمَامَةَ، وَهُوَ فِي النَّزْعِ، فَقَالَ: إِذَا أَنَا مُتُّ،  
فَاصْنَعُوا بِي كَمَا أَمَرْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ  
نَصْنَعَ بِمَوْتَانَا، أَمَرْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ  
: «إِذَا مَاتَ أَحَدٌ مِّنْ إِخْوَانِكُمْ، فَسَوِّئْتُمُ التُّرَابَ عَلَى قَبْرِهِ،  
فَلْيُتَمَّ أَحَدُكُمْ عَلَى رَأْسِ قَبْرِهِ، ثُمَّ لِيَقُلْ: يَا فَلَانَ بْنَ فُلَانَةَ!  
فَإِنَّهُ يَسْمَعُهُ، وَلَا يُجِيبُ، ثُمَّ يَقُولُ: يَا فَلَانَ بْنَ فُلَانَةَ، فَإِنَّهُ  
يَسْتَوِي قَاعِدًا، ثُمَّ يَقُولُ: يَا فَلَانَ بْنَ فُلَانَةَ! فَإِنَّهُ يَقُولُ:  
أَرْشَدْنَا رَحِمَكَ اللَّهُ، وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ، فَلْيَقُلْ: أَدُّرُ مَا

خَرَجَتْ عَلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا ؛ شَهَادَةَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، وَأَنَّكَ رَضِيتَ بِاللَّهِ رَبًّا، وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا، وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا، وَبِالْقُرْآنِ إِمَامًا، فَإِنَّ مُنْكَرًا وَنَكِيرًا يَأْخُذُ وَاحِدٌ مِنْهُمَا بِيَدِ صَاحِبِهِ، وَيَقُولُ : انْطَلِقْ بِنَا، مَا تَقَعُدُ عِنْدَ مَنْ قَدْ لُقِنَ حُجَّتَهُ، فَيَكُونُ اللَّهُ حَاجِبَهُ دُونَهُمَا، فَقَالَ رَجُلٌ : يَا رَسُولَ اللَّهِ ! فَإِنَّ لَمْ يَعْرِفْ أُمَّه؟ قَالَ : فَيَنْسُبُهُ إِلَى حَوَاءَ، يَا فَلَانَ بْنَ حَوَاءَ .

”میں سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوا، جب وہ جان کنی کی حالت میں تھے۔ فرمانے لگے: جب میں فوت ہو جاؤں، تو میرے ساتھ وہی معاملہ کرنا، جو ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کے ساتھ کرنے کا حکم دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جب کوئی فوت ہو جائے اور اس کی قبر پر مٹی برابر کر دیں، تو ایک شخص اس کی قبر کے سر ہانے کھڑا ہو کر کہے: اے فلاں! جب وہ یہ کہے گا تو مردہ اٹھ کر بیٹھ جائے گا، مردہ یہ بات سنے گا، لیکن جواب نہیں دے گا۔ پھر کہے: اے فلاں! وہ کہے گا: اللہ تجھ پر رحم کرے! ہماری رہنمائی کر، لیکن آپ اس کا شعور نہیں رکھتے۔ پھر کہے کہ وہ بات یاد کر، جس پر دنیا سے رخصت ہوا ہے۔ اس کی گواہی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ تو اللہ کے رب ہونے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے، اسلام کے دین ہونے اور قرآن کے امام ہونے پر راضی تھا۔ منکر اور

تکیر میں سے ایک، دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر کہتا ہے: چلو، جس آدمی کو اس کا جواب بتا دیا گیا ہو، اس کے پاس ہم نہیں بیٹھتے۔ چنانچہ دونوں کے سامنے اللہ تعالیٰ اس کا حامی بن جائے گا۔ ایک آدمی نے عرض کی: اللہ کے رسول! اگر وہ (تلقین کرنے والا) اس (مرنے والے) کی ماں کو نہ جانتا ہو، تو (کیا کرے)؟ فرمایا: وہ اسے حواء عَلَيْهَا کی طرف منسوب کر کے کہے، اے حواء کے فلاں بیٹے!

(المُعْجَمُ الْكَبِيرُ لِلطَّبْرَانِيِّ: 8/250، ح: 7979، الدَّعَاءُ لِلطَّبْرَانِيِّ: 3/298، ح: 1214، وصايا العلماء لابن زبر، ص 46-47، الشَّافِي لِعَبْدِ الْعَزِيزِ، نَقْلًا عَنِ التَّلْخِصِ الْحَبِيرِ لَابْنِ حَجْرٍ: 2/136، اتِّبَاعُ الْأَمْوَاتِ لِلْإِمَامِ إِبْرَاهِيمَ الْحَرَبِيِّ، نَقْلًا عَنِ الْمَقْصَدِ الْحَسَنَةِ لِلسَّخَاوِيِّ: 265، الْأَحْكَامُ لِلضَّيَاءِ الْمَقْدِسِيِّ، نَقْلًا عَنِ الْمَقْصَدِ الْحَسَنَةِ لِلسَّخَاوِيِّ: 265)

سند سخت ”ضعیف“ ہے۔

① اسماعیل بن عیاش کی اہل حجاز سے بیان کردہ روایت ”ضعیف“ ہوتی ہے۔

✿ حافظ ابن حجر رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فرماتے ہیں:

صَدُوقٌ فِي رِوَايَتِهِ عَنْ أَهْلِ بَلَدِهِ، مُخَلَّطٌ فِي غَيْرِهِمْ.

”اپنے اہل علاقہ (اہل شام) سے بیان کریں، تو صدوق ہیں، کسی اور سے

بیان کریں، تو حافظے کی خرابی کا شکار ہوتے ہیں۔“

(تقریب التہذیب: 473)

یہ روایت بھی حجازیوں سے ہے، لہذا ضعیف ہے۔ یہ جرح مفسر ہے۔

② عبد اللہ بن محمد قرشی غیر معروف ہے۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

عَبْدُ اللَّهِ، لَا يُدْرَى مَنْ هُوَ؟

”یہ عبد اللہ، معلوم نہیں ہو سکا کہ کون ہے؟“

(میزان الاعتدال: 244/3، ت: عمران بن ہارون)

③ یحییٰ بن ابی کثیر ”مدلس“ ہیں۔ سماع کی تصریح نہیں ملی۔

④ سعید بن عبد اللہ اودی کی توثیق نہیں مل سکی۔

حافظ پیشمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فِي إِسْنَادِهِ جَمَاعَةٌ، لَمْ أَعْرِفْهُمْ.

”اس (طبرانی) کی سند میں کئی راوی ہیں، جنہیں میں پہچان نہیں سکا۔“

(مجمع الزوائد: 45/3)

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ضَعِيفٌ بِاتِّفَاقِ أَهْلِ الْعِلْمِ بِالْحَدِيثِ .

”محدثین کا اس حدیث کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے۔“

(تحفة المودود، ص 149)

علامہ امیر صنعانی رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۸۲ھ) فرماتے ہیں:

يَتَحَصَّلُ مِنْ كَلَامِ أَيْمَةِ التَّحْقِيقِ أَنَّهُ حَدِيثٌ ضَعِيفٌ .

”محققین ائمہ کے کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔“

(سُبُلُ السَّلَامِ: 157/2)

تنبیہ:

✽ ✽ ————— ✽ ✽  
 علامہ زبیر حنفی (۵۳۸ھ) لکھتے ہیں: ❁

مَنْ بَدَعَ التَّفَاسِيرِ؛ أَنَّ الْإِمَامَ جَمْعُ أُمَّ، وَأَنَّ النَّاسَ يُدْعَوْنَ يَوْمَ  
 الْقِيَامَةِ بِأُمَّهَاتِهِمْ، وَأَنَّ الْحِكْمَةَ فِي الدُّعَاءِ بِالْأُمَّهَاتِ دُونَ  
 الْأَبَاءِ رِعَايَةٌ حَقَّ عَيْسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ، وَإِظْهَارُ شَرَفِ الْحَسَنِ  
 وَالْحُسَيْنِ، وَأَنَّ لَا يَفْتَضِحَ أَوْلَادُ الزَّانَا، وَلَيْتَ شَعْرِي أَيُّهُمَا  
 أَبْدَعُ؟ أَصِحَّةٌ لَفْظُهُ أُمَّ بِهَاءٍ حِكْمَتُهُ؟

”یہ بدعی تفسیر ہے کہ ”امام“ ام کی جمع ہے، کہ روز قیامت لوگوں کو ان کی ماؤں  
 کے ناموں سے پکارا جائے گا۔ باپوں کو چھوڑ کر ماؤں کے نام سے پکارنے میں  
 حکمت یہ ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے حق کی رعایت رکھی جائے، حسین کریمین  
 کے شرف کو ظاہر کیا جائے اور اس لیے کہ زنا سے پیدا ہونے والے رسوا نہ  
 ہوں۔ اب مجھے نہیں معلوم کہ یہ لفظ زیادہ بدعی ہے یا اس میں بیان کردہ حکمت؟“

(الکشاف: 682/2)

متنبیہ:

❁ شیعہ عالم حر عاملی (۱۱۰۴ھ) نے لکھا ہے:

إِنَّ النَّاسَ يُدْعَوْنَ بِأَسْمَاءِ أُمَّهَاتِهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا الشَّيْعَةَ فَيُدْعَوْنَ  
 بِأَسْمَاءِ آبَائِهِمْ.

”روز قیامت لوگوں کو ان کی ماؤں کے نام سے پکارا جائے گا، سوائے شیعہ  
 کے، انہیں اپنے باپوں کے نام سے پکارا جائے گا۔“

(الفصول المهمة، ص 124)

شیعہ عالم ملا باقر مجلسی (م ۱۱۱۱ھ) نے بحار الانوار (۲۳۷/۷) میں باب  
 قائم کیا ہے:

بَابُ أَنَّهُ يُدْعَى النَّاسُ بِأَسْمَاءِ أُمَّهَاتِهِمْ إِلَّا الشَّيْعَةَ .  
 ”اس بات کا بیان کہ (روز قیامت) شیعہ کے علاوہ تمام لوگوں کو ان کی ماؤں  
 کے نام سے پکارا جائے گا۔“

فائدہ:

دنیا میں کسی کو اس کی ماں کی طرف منسوب کرنے کا جواز ہے، جیسا کہ ابن عرقہ -

(صحیح مسلم: 1769)

عبداللہ بن مالک ابن نحسینہ - نحسینہ، عبداللہ کی ماں ہے۔ محمد بن علی ابن الحنفیہ -  
 حنفیہ، محمد کی ماں ہے، اسماعیل ابن علیہ۔ ”علیہ“ اسماعیل کی ماں ہے، وغیرہ۔

فائدہ:

سیدنا ابو برداء رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:  
 إِنَّكُمْ تُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِأَسْمَائِكُمْ وَأَسْمَاءِ آبَائِكُمْ، فَأَحْسِنُوا  
 أَسْمَائِكُمْ .

”آپ کو قیامت کے دن اپنے اور باپوں کے ناموں سے پکارا جائے گا، لہذا  
 اپنے نام اچھے رکھا کریں۔“

(مسند الإمام أحمد: 194/5، سنن أبي داود: 4948)

”سند ”انقطاع“ کی وجہ سے ”ضعیف“ ہے۔



✿ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

إِبْنُ أَبِي زَكَرِيَّا لَمْ يُدْرِكْ أَبَا الدَّرْدَاءِ .

”ابن ابی زکریا نے سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا۔“

✿ امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي زَكَرِيَّا لَمْ يَسْمَعْ أَبَا الدَّرْدَاءِ .

”عبداللہ بن ابی زکریا نے سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں کیا۔“ (المراسیل: 113)

✿ حافظ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

هَذَا مُرْسَلٌ، إِبْنُ أَبِي زَكَرِيَّا لَمْ يَسْمَعْ مِنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ .

”یہ مرسل (منقطع) ہے، ابن ابی زکریا نے سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ سے نہیں سنا۔“

(السَّنَنِ الْكَبْرَى: 306/9)

لہذا امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ (۵۸۱۸) کا اس حدیث کو ”صحیح“، حافظ نووی رحمۃ اللہ علیہ (الاذکار،

ص ۲۵۵) کا اس کی سند کو ”جید“ اور حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ (تحفۃ المودود، ص ۸۱) کا اس کی سند

کو ”حسن“، کہنا درست نہیں۔

